لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

سِیرَۃُ الرَّسُول صلی اللہ علیہ وآلہ

جلد دوئم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

سِیرۃُ الرّسُول ﷺ

جلد دوم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تحقیق

محمد معراج الاسلام ایم اے

منہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

نام کتاب	:	سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد دوم)	
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	
تدوین و تخریج	:	شیخ الحدیث مولانا محمد معراج الاسلام	
معاونت	:	نعیم انور نعمانی	
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ Research.com.pk	
مطبع	:	منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور	
اِشاعت نمبر 1	:	اگست 1994ء	(2,000)
اِشاعت نمبر 2	:	جنوری 1996ء	(1,100)
اِشاعت نمبر 3 تا 11	:	مارچ 1998ء تا فروری 2009ء	(9,900)
اِشاعت نمبر 12	:	مارچ 2011ء	(1,200)
اِشاعت نمبر 13	:	اکتوبر 2012ء	(1,200)
اِشاعت نمبر 14	:	جولائی 2015ء	
تعداد	:	1,100	
قیمت	:	-/550 روپے	

ISBN 969-32-0459-x

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور خطبات و لیکچرز کی کیسٹس CDs اور DVDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی-۱) ۴-۱/۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۴، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ ای جنرل وایم ۴/۹۷۰-۳-۷۷ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این-۱/اے ڈی (لائبریری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ / ۶۱۰-۱۱-۸۰۶۱ / ۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

حصہ پنجم: رضاعت وطفولیت

حصہ اول:

قبل از بعثت عرب اور مکہ کی حالت

باب۔ ۱　　تاریخ عرب و قریش

باب۔ ۲　　تاریخ مکہ و کعبہ

باب۔ ۳　　قبل از اسلام عرب معاشرے کی حالت

باب۔ ۴　　شہر مکہ اور اس میں رائج الوقت نظام

باب-۱

تاریخ عرب و قریش

عرب کی وجہ تسمیہ

اہل لغت کے نزدیک "عرب اور اعراب" کے معنی فصاحت اور زبان آوری خوش بیانی اور زبان دانی کے ہیں۔ چونکہ اہل عرب اپنی فصاحت و بلاغت اور زبان آوری و خوش بیانی کے سامنے ساری دنیا کو ہیچ اور کمتر سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے خود کو اسی احساس تفاخر میں ڈوب کر "عرب" اور دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والی اقوام کو عجم (گونگا) کہہ کر پکارا اور ایک عجیب سے احساس برتری میں مبتلا رہے۔

(المنجد: ۴۹۵)

بعض علماء اور محققین کے نزدیک "عرب" اصل میں "عربہ" تھا جس کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس لئے ان ممالک کے مجموعے کو عرف عام میں عرب کہا جانے لگا۔

عرب کا محل وقوع

عرب ایک ایسا جزیرہ نما ہے جس کے جنوب مغرب میں بحیرہ احمر، جنوب میں خلیج عدن، جنوب مشرق میں بحیرہ عرب، شمال مشرق میں خلیج فارس اور شمال میں ملک عراق اور شام ہیں۔ ہندوستان اور عرب میں بحیرہ عرب حائل ہے۔

سرزمین عرب اپنے رقبے اور اپنی جغرافیائی حدود کے لحاظ سے تقریباً تینتیس لاکھ مربع کلو میٹر ہے۔ ملک کے مختلف حصے اپنی اپنی خصوصیات کی وجہ سے منفرد اور ممتاز ہیں۔ یمن گل پوش وادیوں کا خطہ ہے۔ طائف کا پہاڑی سلسلہ شادابی و ہریالی کا اس طرح امین ہے کہ برصغیر کی جنت نظیر وادیوں اور گلرنگ سویروں کو بھی رشک آتا ہے۔ الحجر کی پتھریلی، سنگلاخ اور بنجر زمین اور وسط عرب کا وسیع و عریض بے آب و گیاہ ریگستان کچھ ایسا ہولناک منظر پیش کرتا ہے کہ صحرائے اعظم افریقہ کا مقابلہ کرتا ہے۔

غرض جزیرہ نما عرب کا ہر حصہ اور ہر خطہ اپنے اندر الگ جغرافیائی اور موسمی خصوصیات رکھتا ہے اور اس کا ہر لمحہ موسموں کی رنگا رنگی سے عبارت ہے، ہر ساعت قدرت کی ضیافتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جزیرہ عرب کی تقسیم

جغرافیہ دانوں (Geographers) نے عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- یمن ۲- حجاز ۳- تہامہ ۴- نجد ۵- یمامہ

۱- یمن: یہ خلیج عدن کے شمال اور بحیرہ احمر کے شرق سے ملا ہوا ہے۔ اس کی مشرقی جہت میں حضر موت، الشحر اور عمان واقع ہیں۔ اس کے شہروں میں سے صنعاء، عاصمہ اور نجران بہت مشہور ہیں اور عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ یمن، حضرت موت، مہرت، شحر اور نجران پر مشتمل ہے۔

۲- حجاز: یہ علاقہ یمن کے شمال مغرب اور تہامہ کے مغرب میں واقع ہے۔ متعدد وادیوں کا مجموعہ ہے جن کے درمیان جبل سرات کا سلسلہ ہے۔ یہ سلسلہ کوہ شام سے شروع ہوتا ہے اور یمن میں نجران تک چلا جاتا ہے۔ اس میں دو مقدس ترین شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔

۳- تہامہ: یہ نشیبی علاقہ ہے جو حجاز کے ساتھ ساتھ بحیرہ احمر سے نجران (یمن) تک پھیلا ہوا ہے۔ محل وقوع کے اعتبار سے یہ یمن کے شمال مغرب اور حجاز کے مشرق میں واقع ہے۔ اس علاقے میں گرمی انتہائی شدید ہوتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آسمان سے آگ برس رہی ہو اور زمین لاوا اگل رہی ہو۔ ہوا چلنے کا ہنر کھو بیٹھتی ہے تو گرمی کی اس شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، تشنگی ہونٹوں پر اگ آتی ہے۔ تہامہ کے لغوی معنی کی رو سے اس میں گرمی کی شدت اور ہوا کے رکے رہنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

۴- نجد: یہ شمال کی جانب سے عراق، شمال مغرب کی جانب سے شام، مغرب کی جانب سے تہامہ اور حجاز اور جنوب کی جانب سے یمامہ سے ملا ہوا ہے۔ اس کی سطح

مرتفع ہونے کی وجہ سے اسے نجد کہتے ہیں، بلاد عرب میں یہاں کی زمین زرخیزی کی وجہ سے مشہور ہے۔

۵۔ یمامہ: یہ نجد اور یمن کے درمیان واقع ہے اسی وجہ سے اسے عروض بھی کہتے ہیں۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے تقسیم

تہذیبی و ثقافتی اور اخلاقی و مجلسی اعتبار سے اہل عرب کو تین طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تین طبقات تین تمدنی اکائیاں ہیں جن کا عمیق مطالعہ عربوں کے تاریخی جغرافیائی اور عسکری پس منظر کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کے خصائل و خصائص کو جاننے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

۱۔ بدوی ۲۔ متحضر ۳۔ حضری

۱۔ بدوی

یہ وہ خانہ بدوش تھے جو کسی ایک جگہ مستقل رہائش نہیں رکھتے تھے بلکہ جہاں کہیں انہیں زندگی کے آثار نظر آتے وہیں خیمے نصب کر دیتے تھے۔ عرب کی ثقافتی، تمدنی اور معاشی زندگی پر ان کے اثرات آج بھی نمایاں ہیں ان کی غذا دودھ اور گوشت تھی۔ گرمیوں کے موسم میں جب گرمی شدت اختیار کر جاتی تو نہروں اور چشموں کے قرب و جوار میں آباد ہو جاتے۔ خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں یہ شہروں میں بسنے والوں کو ذرا کم ہی اپنے اعتماد کے لائق سمجھتے۔ فطرتاً اور ارادتاً ان سے لاتعلق ہی رہتے اہل شہر کو بد دیانتی اور مکر و فریب کے مترادفات میں شمار کرتے کیونکہ ان کے اپنے مزاج میں اکھڑپن کا عنصر بہت نمایاں تھا اور وہ اس پر فخر بھی کرتے تھے انہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بھی ناز تھا۔ بہرحال شہری زندگی کے بارے میں ان کا اپنا نقطہ نظر تھا۔ مہمان نوازی، جود و سخا، ذہانت و فطانت، صبر و قناعت، نسلی تفاخر، طبیعت میں سختی اور درشتی، دشمنی اور عناد، حریت فکر اور آزادی اظہار ان کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ زندگی بسر کرنے کا یہ نقطہ نظر اور سوچ کا یہ انداز مثبت اور

منفی دونوں پہلوؤں پر محیط تھا یہ اجتماعی مجلسی رویہ عرب معاشرے میں آج بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

دین کے معاملے میں یہ ہمیشہ اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ پتھروں، درختوں، افلاک، ستاروں کی پرستش کرتے تھے بسا اوقات چھوٹی سی بات پر ان میں نہ ختم ہونے والی جنگ چھڑ جاتی تھی، قبائلی لڑائیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا، عرصہ دراز تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے اس ضمن میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

ان کے ہاں قوانین باقاعدہ کتابی صورت میں موجود نہ تھے عرف کو قانون کا درجہ حاصل تھا قبیلے کی حاکیت و سرداری کے لئے بھی کوئی خاص طریقہ کار وضع نہ تھا بلکہ قوت وطاقت اور اثر و نفوذ کے بل بوتے پر حاکیت اور سرداری حاصل کی جاتی یا پھر وراثۃ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتی جب بھی ان میں کسی معاملے میں اختلاف رونما ہو جاتا اور اسے ختم کرنے میں ناکام ہو جاتے تو پھر اسے عرفاء کے ہاں پیش کرتے جو مروجہ قانون کے مطابق فیصلہ کر دیتے یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کے ہاں عریف (جمع عرفاء) کو قاضی کا مقام حاصل تھا اور اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

۲۔ متحضر

یہ اپنی عادات واخلاق، تہذیب وتمدن، عبادات ومعاملات، رسم ورواج میں بدویوں کی طرح ہی تھے سوائے سامان معیشت کے جو ان کے پاس بڑی وافر مقدار میں تھا پانی کی قلت ان کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھی بڑی بڑی نہروں اور چشموں پر خیمہ زن ہوتے تھے۔ انہوں نے بانس اور کھجور کے درختوں سے کچھ مکانات بھی تعمیر کئے تھے ان کا پیشہ زراعت وکھیتی باڑی تھا، اپنے قریب کی زمین آباد کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

۳۔ حضری

یہ عرب کے بڑے بڑے شہروں میں بسنے والے تھے بد عنوانی و بد دیانتی' بغاوت و سرکشی' مکروفریب' اخلاقی گراوٹ اور ذہنی پستی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی معاشرہ فسق وفجور اور زنا و شراب کے جہنم میں جل رہا تھا' شرف انسانی کی ہر قدر پاؤں تلے روندی گئی تھی تمیز خیر و شر کا ہنر باقی نہیں رہا تھا نیکی اور بھلائی کا فرق مٹ چکا تھا۔

سماج جاہ و منصب اور مال و دولت کی ہوس کا شکار تھا' کذب و افتراء کا شمار خوبیوں میں ہونے لگا تھا پورا معاشرہ' نفسانی خواہشات کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا تھا دینی اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا' آسمانی مذاہب کی تعلیمات مسخ ہو چکی تھیں ان کی اکثریت اپنی مجالس میں عریانی و فحاشی پر مبنی کلام کو سنتی تھی' کوئی ان کو روکنے ٹوکنے والا نہ تھا یہاں تک کہ فحاشی و عریانی ان کے قول و عمل میں رچ بس چکی تھی۔ (التاریخ القویم '۱: ۴۳۔۴۴)

اقوام و قبائل کے اعتبار سے تقسیم

مورخین عرب نے عرب کو اقوام و قبائل کے اعتبار سے ابتداءً دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ عرب بائدہ ۲۔ عرب باقیہ

۱۔ عرب بائدہ

اس سے مراد وہ قبیلے اور خاندان ہیں جنہیں گردش لیل و نہار نے تباہ کر دیا تھا ان کا نام و نشان اور آثار مٹ چکے ہیں ان کے بارے میں صحیح تاریخی معلومات بھی ہمارے پاس نہیں ہیں سوائے اس کے کہ ہم ان کے صرف نام جانتے ہیں جو ہمیں سماوی کتب اور عربی اشعار میں ملتے ہیں ان کے فناء ہونے والے مشہور قبائل عاد' ثمود' طسم' جدیس اور جرہم الاولی ہیں۔ بعض عرب مورخین کا خیال ہے کہ عرب بائدہ کے قبائل بالکل تباہ نہیں ہوئے بلکہ ان کی نسل موجود ہے جنہیں تاریخ میں عمالقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۲۔ عرب باقیہ

دوسری قسم عرب باقیہ ہے اسے دو بڑی مشہور شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ان میں ایک شاخ عرب عاربہ کہلاتی ہے اور دوسری عرب مستعربہ کے نام سے معروف ہے۔

i۔ عرب عاربہ

یہ وہ قبائل ہیں جن کا سلسلہ نسب قحطان تک پہنچتا ہے جو ملوک یمن کا رئیس تھا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس طبقے میں سے یہ پہلا شخص تھا جس نے عربی زبان میں گفتگو کی۔ قحطان کی اولاد کو دو سلسلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ان میں ایک اس کا بیٹا "یعرب" ہے جس نے مملکت یمن کی بنیاد رکھی اور دوسرا اس کا بیٹا "جرہم" ہے جس نے مملکت حجاز کی بنیاد رکھی۔

یعرب کی اولاد مختلف علاقوں میں آباد ہو گئی جس میں تقریباً ساٹھ قبیلوں نے ایام جاہلیت میں بڑی شہرت پائی جبکہ ان کی اصل تعداد بہت زیادہ تھی یہی عرب کے اصلی باشندے تھے ان میں سے سبائیین، حمیرئین، یمنین اور کلبیین قبائل نے کافی شہرت پائی۔

ii۔ عرب مستعربہ

یہ عدنان کی اولاد میں سے تھے۔ عدنان خود حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت میں سے تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی یا سریانی تھی بنی قحطان کا قبیلہ جرہم جب مکہ آیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ پہلے ہی وہاں سکونت پذیر تھے اس قبیلے نے بھی وہیں سکونت اختیار کر لی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ جرہم کی ایک خاتون سے ہوئی اسی قبیلے سے آپ نے اور آپ کی اولاد نے عربی زبان سیکھی جس کی وجہ سے انہیں "عرب مستعربہ" کہا جاتا ہے۔

جزیرہ نما عرب کے درمیانی علاقوں اور حدود حجاز سے لے کر بادیہ شام تک

جتنے عرب رہتے ہیں ان کی اکثریت عرب مستعربہ ہے یا یہ وہ لوگ ہیں جو یمن سے تباہ کن سیلاب کی وجہ سے ترک وطن کر کے یہاں آباد ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جنہوں نے بعد ازاں بارہ قبیلوں کی شکل اختیار کر لی' ان میں سے ان قبائل عدنانیین' معدیین' مضریین' قیلیین نے بڑی شہرت پائی۔

(التاریخ القویم' ۱: ۴۵-۴۶)

تاریخ قریش

قریش کا جد اعلیٰ کون تھا؟ سب سے پہلے قریش کا لقب کسے ملا؟ اس سلسلے کی پہلی کڑی کون ہے؟ اور قریش کی تاریخ کا آغاز کیسے ہوا؟ اب ہم ان سوالات کے حوالے سے اختصار سے گفتگو کریں گے۔

ہم حضور ﷺ کے نسب اطہر میں نضر بن کنانہ کا نام پاتے ہیں۔ جس کے دو بیٹے مالک اور یخلد تھے مالک کے گھر ان کی بیوی جندلہ بنت حرث بن مضاض الجرہمی سے فہر پیدا ہوئے' ماہرین انساب نے بیان کیا ہے کہ قریش کا لقب سب سے پہلے فہر بن مالک یا نضر بن کنانہ کو ملا ہے۔

زبیر بن بکار اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کا لقب سب سے پہلے فہر بن مالک کو ملا تھا اس لئے فہر اور اس کی اولاد ہی قریش ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قریش ان کا نام تھا اور فہر لقب۔ (الروض الانف' ۱: ۷۰)

ہشام بن محمد بن السائب نے ابو الحسن سے روایت کیا ہے کہ نضر بن کنانہ کو سب سے پہلے قریش کا لقب ملا تھا۔ (الروض الانف' ۱: ۷۰)

دونوں روایات بظاہر مختلف ہیں مگر حقیقت میں دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے خواہ نضر بن کنانہ کو یہ لقب ملا ہو یا فہر بن مالک کو کیونکہ کنانہ کے چھ بیٹے تھے جن میں صرف، نضر کی اولاد کو قریش کہا گیا نضر سے مالک اور مالک سے فہر پیدا ہوئے ان کے علاوہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی نسل کو کسی نے بھی قریش میں شمار نہیں کیا۔ امام سہیلی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

(الروض الانف' ۱: ۷۰) (لسان العرب' ۸: لفظ قریش)

حضور ﷺ کے ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا پھر بنو کنانہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی پھر قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت عطا کی اور بنو ہاشم میں سے مجھے ممتاز کیا۔ (صحیح مسلم' ۲:۲۴۵)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے کنانہ کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چن لیا اور قریش کو بنو کنانہ میں سے پسند فرما لیا اور ہاشم کو قریش میں سے فضیلت دی اور مجھے بنو ہاشم سے منتخب فرما لیا۔ (جامع ترمذی' ۲:۲۰۱)

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش کو قریش کہنے کی مختلف روایات ہیں۔ امام شعبی کے نزدیک تقریش بمعنیٰ تفتیش کے ہے۔ اس خاندان کے آباؤ اجداد غریب اور نادار لوگوں کو تلاش کر کے ان کی ضروریات و حاجات پوری کیا کرتے تھے اور حجاج کرام کے حالات دریافت کرتے اور ان کی مدد و اعانت بھی کیا کرتے تھے اس لئے انہیں قریش کہا گیا ہے۔

(الروض الانف' ۱:۷۰)

(ii) زبیر بن بکار روایت کرتے ہیں کہ قریش قرش کی تصغیر ہے اور قرش ایک آبی جانور ہے جو تمام سمندری جانوروں کو کھا جاتا ہے لیکن اسے کوئی جانور نہیں کھا سکتا یہ سب جانوروں پر غالب آجاتا ہے مگر اس پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا گویا سب سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے چونکہ یہ خاندان بھی دوسرے خاندانوں سے بزرگ و برتر اور زبردست قوت و طاقت والا ہے۔ اس لئے اسے قریش کہتے ہیں۔

(الروض الانف' ۱:۷۱)

(iii) ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ قریش' تقرش سے ہے جس کے معنی کسب کرنے اور کمانے کے ہیں۔ یہ لوگ تجارت میں بہت مہارت و دسترس رکھتے تھے اور

اس میں ان کو عالمی شہرت حاصل تھی اس بنا پر یہ خاندان اس لقب سے معروف ہوا۔

(الروض الانف '۱:۷۰)

(۱۷) ایک اور وجہ یہ ہے کہ التقرش 'التجمع کے معنی میں بھی آتا ہے بنو کنانہ کے متفرق ہو جانے کے بعد جب قصی بن کلاب نے سب کو حرم شریف میں جمع کر دیا تو اس اجتماع کے باعث وہ قریش کہلانے لگے۔

(الروض الانف '۱:۷۰)

قریش کی اقسام

قبائل عرب میں قریش بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی متعدد شاخیں تھیں مگر یہ تمام شاخیں دو اقسام پر مشتمل تھیں۔ قریش الظواہر اور قریش البطاح۔

۱۔ قریش الظواہر

مکہ مکرمہ کے ظاہر یعنی پشت پر آباد ہوئے اسی نسبت سے انہیں قریش الظواہر کہا گیا ان میں سے بنو بغیض بن عامر بن لوی' بنو الادوم بن غالب بن فہر اور بنو محارب بن فہر تھے۔ ان لوگوں نے بدویانہ زندگی اختیار کی' کسی ایک جگہ قرار نہیں پکڑتے تھے مال مویشی کے چارہ اور پانی کی جستجو میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے اور قتل و غارت گری کا بازار گرم رکھتے یوں قبائلی جنگوں کا سلسلہ دراز سے دراز ہوتا رہتا تھا۔

۲۔ قریش البطاح

انہوں نے حرم شریف کے گرد و نواح میں سکونت اختیار کی' تجارت و اقتصادیات کا محکمہ ان ہی کے ہاتھ تھا یہ لوگ اہل ثروت اور رئیس تھے ان کے تجارتی مراسم شام' عراق' یمن اور حبشہ سے استوار تھے معاشرتی امور و مسائل پر بھی ان کی گرفت مضبوط تھی اور ان کی سماجی حیثیت کو بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا۔

قریش البطاح میں چند مشہور قبائل یہ تھے۔ بنو عبد الدار' بنو عبد مناف' بنو

عبد قصی' بنو سہم' بنو عدی بن کعب' بنو ہاشم بن عبد مناف' بنو حارث بن عبد مناف' بنو المطلب بن عبد مناف' بنو امیہ بن عبد شمس' بنو نوفل بن عبد مناف اور بنو حارث بن فہر۔ اسی طرح اور قبائل آباد تھے۔

خاندان ابراہیمی کا مکہ میں ورود

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام فلسطین (ملک شام) میں اقامت پذیر تھے'

یہیں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی ابھی آپ ایام شیر خوارگی ہی میں تھے کہ رب کائنات نے ارشاد فرمایا اے خلیل ہم کعبہ کی تطہیر و تثلیث اور تعمیر کرنا چاہتے ہیں اس عظیم الشان خدمت پر آپ کو مامور کیا جاتا ہے ہم اس کی نشاندہی کر دیں گے آپ اسے پاک و صاف کر کے طواف اور سجدوں سے آباد کریں سردست اپنے چہیتے لخت جگر اور رفیقہ حیات کو اس سنسان بیاباں میں چھوڑ آئیں' ادھر جرائیل امین براق لے کر حاضر خدمت ہو گئے تاکہ تعمیل ارشاد ربانی میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی مونس و غم گسار زوجہ محترمہ اور اپنے معصوم و شیر خوار بچے کے ساتھ براق پر سوار ہوئے تاکہ تاریخی سفر کا آغاز کریں دوران سفر جب کسی بستی سے گزر ہوتا تو آپ جرائیل امین سے دریافت کرتے کیا یہی ہمارا مقصود سفر ہے؟ کیا یہی ہماری منتہائے منزل ہے؟ جبرائیل امین عرض کرتے نہیں' ابھی آپ کا سفر جاری ہے چلتے چلتے' آپ ایک ایسے خطہ زمین پر پہنچ گئے جہاں ہر طرف خار دار جھاڑیاں اور ببول کے درخت تھے ہر سو خشک اور بے آب و گیاہ گھاٹیاں جلوہ نما تھیں یہی ان کی منزل مکہ مکرمہ تھی بیت اللہ شریف کی جگہ اس وقت ایک ناہموار سرخ ٹیلہ تھا اسے دیکھ کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جرائیل امین سے دریافت کیا کیا یہی جگہ بیت اللہ کی ہے جس کی تعمیر کا ہمیں حکم ملا ہے جرائیل امین عرض گزار ہوئے اس سرخ ٹیلے کی جگہ آپ کو بیت اللہ شریف تعمیر کرنا ہو گا چنانچہ آپ اپنی رفیقہ حیات اور لخت جگر کو زمزم والی جگہ پر ایک درخت کے نیچے بٹھا کر آرام و استراحت کی تلقین فرماتے ہوئے واپس چل پڑے اس وقت وہاں نہ تو پانی کا کہیں نام و نشان تھا اور نہ زندگی کی بقاء کے ظاہری

آثار نظر آتے تھے حتیٰ کہ قریب کوئی انسانی آبادی بھی نہ تھی البتہ اطراف و اکناف میں قبیلہ جرہم آباد تھا جو بعد میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ازدواجی سلسلے سے منسلک ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھوڑی سی کھجوریں اور پانی کے چند گھونٹ اپنی وفا شعار بیوی اور لختِ جگر کے سپرد کئے اور واپسی کا ارادہ کیا کیونکہ بارگاہِ ایزدی سے وہاں قیام کی اجازت نہ تھی۔ جب واپس چلنے لگے تو جان نثار رفیقۂ حیات نے عرض کیا: اس لق و دق صحرا اور چٹیل میدان میں ہمیں اکیلا و تنہا چھوڑ کر آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ یہاں تو نہ کوئی مونس و مددگار ہے اور نہ حیاتِ ناپائیدار کو سہارا دینے کے لئے کوئی چیز موجود ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے اور چپ سادھ کے چلتے رہے، رُخِ انور پھیر کر ان کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ سیدہ ہاجرہ نے محبت بھرے لہجے میں پکارا کہ آپ ان خشک پہاڑوں اور گرم ریگ زاروں میں کس کے سپرد کئے جا رہے ہیں؟ آپ نے پھر بھی نظرِ التفات نہ کی تو سیدہ ہاجرہ ورطۂ حیرت میں پڑ گئیں؛ بارِ خدایا میرا رحیم و شفیق شوہر آج اس قدر بے التفاتی اور بے رخی کا مظاہرہ کیوں کر رہا ہے؟ پھر خیال آیا شاید یہی مشیتِ ایزدی ہو۔ چنانچہ استفسار کرتی ہیں: کیا آپ کو اللہ جل شانہ نے ہمیں یہاں چھوڑ جانے کا حکم فرمایا ہے؟

تب سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے: ہاں یہی مشیتِ ایزدی ہے۔ یہ سنتے ہی سیدہ ہاجرہ طمانیت و سکون کے ساتھ عرض کرتی ہیں: پھر آپ بڑے شوق سے تشریف لے جائیں، ہمیں کوئی چیز ضائع نہیں کر سکتی۔ ہمیں اسی کا بھروسہ و سہارا ہے، وہی ہمارا محافظ و نگہبان ہے۔ سیدہ ہاجرہ واپس لوٹ آئیں اور اپنے نورِ نظر لختِ جگر کو گود میں لے کر اس سنسان چٹیل میدان میں بے یار و مددگار بیٹھ گئیں۔ یہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے، اپنے والد گرامی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ شریف کی تعمیرِ نو کی۔ آپ کی شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی، بارہ بیٹے ہوئے جو کہ بعد ازاں بارہ قبیلوں کے سردار اور جدِ اعلیٰ بنے۔

باب۔۲

تاریخ مکہ وکعبہ

مکہ مکرمہ

یہ مقدس بستی اور یہ مرکز تعظیم و تکریم' دنیا کے بتکدوں میں یہ خدا کا پہلا گھر جس کی عظمت و رفعت میں کوئی اس کا ثانی نہیں' اس کے چشمۂ فیض سے پورا عالم انسانیت مستفیض ہو رہا ہے۔ یہی مقدس خطہ پوری دھرتی کی تخلیق کا باعث بنا ہے اس کی توصیف و تحمید میں قرآن حکیم' احادیث رسول ﷺ اور تاریخ عالم کے اوراق مزین و معمور پڑے ہوئے ہیں۔

اسمائے مقدسہ

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے اسماء جس قدر کثرت سے ہیں اس قدر کسی دوسرے شہر کے نام نہیں۔ مکہ مکرمہ کے اسماء تو بہت زیادہ ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اٹھارہ مقامات پر ان کا ذکر کیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اسماء کی کثرت مسمّٰی کی عزت و عظمت اور شرف و مجد پر دلالت کرتی ہے۔

یہاں ہم اس شہر خوباں کے چند مشہور اسماء کا ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ مکہ

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا

(الفتح' ۴۸:۲۴)

اور (اللہ) وہی ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ کی سرحد پر روک دیا بعد اس کے اللہ نے تم کو ان پر قابو بھی دے دیا(تھا اور تم نے ان کو

گرفتار بھی کر لیا تھا) اور اللہ جو کچھ تم
کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔

مذکورہ آیۂ کریمہ میں لفظ مکہ استعمال ہوا ہے جہاں تک اسکے مادہ اشتقاق کا تعلق ہے تو یہ لفظ مک سے مشتق ہے جس کے معنی دھکیلنے اور جذب کرنے کے ہیں چونکہ یہ شہر بہت زیادہ آباد ہے چلنے اور طواف کرنے میں زیادہ بھیڑ کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں اس کی یہ بھی صفت ہے کہ گناہگار انسانوں کے گناہوں کو جذب کر لیتا ہے' اس کے مادہ اشتقاق میں ظالم و جابر کو تباہ و برباد کرنے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں چونکہ یہ جابر و ظالم کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اس لئے اسے مکہ کہتے ہیں۔

(التاریخ القویم' ۲:۶)

مکہ ایک ایسی جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو اپنی مقناطیسی قوت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لے چونکہ اس سرزمین پر اللہ کا مقدس گھر ہے جس کے باعث لاکھوں لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

اس شہر دلربا کو "بکہ" بھی کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ (آل عمران' ۳:۹۶)	بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے تعمیر کیا گیا یہی ہے جو مکہ میں ہے (جو) بڑا برکت والا اور تمام جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

اسے بکہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہاں بڑے بڑے ظالم و مستبد اور جابر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں' ہر متکبر و نخوت پسند یہاں پست اور عاجز ہو جاتا ہے اور اس کی طرف برا ارادہ کرنے والا ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو جاتا ہے اس لئے اسے بکہ کہتے ہیں۔

(التاریخ القویم' ۲:۶)

امام ابراہیم ؒ' امام زہری ؒ اور عکرمہ کا بیان ہے کہ بیت اللہ شریف اور اس کے ارد گرد کا علاقہ تو بکہ ہے اور باقی تمام شہر مکہ ہے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ

قول منقول ہے کہ بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ماسوا پورا شہر مکہ ہے اور بکہ ہی وہ مخصوص مقام ہے جہاں طواف کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ طواف صرف حرم کے اندر ہی جائز ہے باہر نہیں کیونکہ باہر کا حصہ مکہ میں شمار ہوتا ہے یہی قول امام مالکؒ' امام ابراہیم نخعیؒ' امام عطیہ عوفیؒ اور امام مقاتل بن حسانؒ کا ہے اور یہ روایت بھی ہے کہ بکہ تو صرف بیت اللہ ہے اور جہاں تک حدود حرم ہے وہ سارا مکہ ہے۔

(معجم البلدان' ۸: ۱۳۴)(ابن کثیرؒ ۱: ۳۸۴)

علامہ طاہر کردی التاریخ القویم میں بیان کرتے ہیں۔ بکہ جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان کے درمیان کا حصہ ہے یہ دونوں پہاڑ قریب قریب ہیں کعبہ شریف ان دونوں کے درمیان واقع ہے اسے بکہ کہتے ہیں جبکہ مکہ تو پورے حرم شریف کو محیط ہے

(التاریخ القویم' ۲: ۷)

۲۔ البیت العتیق

ارشاد ربانی ہے۔

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ (الحج' ۲۲: ۳۳)

پھر قربانیوں کے حلال ہونے کی جگہ بیت العتیق ہے۔

قربانی کا محل بیت اللہ شریف نہیں بلکہ منیٰ ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کی تمام پہاڑیاں قربانی کی جگہ ہیں تو اس سے واضح ہوا کہ آیت مقدسہ میں بیت العتیق مکہ مکرمہ کو کہا گیا ہے نہ کہ بیت اللہ شریف کو۔

(تفسیر کبیر' ۲۳: ۳۴)

۳۔ المسجد الحرام

اللہ رب العزت نے مکہ معظمہ کو المسجد الحرام کے خطاب سے بھی نوازا ہے۔

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (التوبہ' ۹: ۲۸)

یہ مشرک پلید (گندے ناپاک) ہیں پس اس سال (نویں ہجری) کے بعد وہ مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں۔

امام عبدالرزاق نے عطاء سے روایت کی ہے کہ یہاں مسجد حرام سے مراد پورا حرم محترم یعنی مکہ معظمہ ہے مشرکین کا داخلہ صرف بیت اللہ میں نہیں بلکہ حدود حرم میں بھی ممنوع ہے۔ اب حدود حرم پر تختیاں آویزاں ہیں جن پر یہ عبارت رقم ہے کہ اس مقام سے آگے مشرکین نہیں جاسکتے۔

اسی طرح حدیبیہ کے مقام پر جب مشرکین مکہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے درمیان معاہدہ طے پایا تو قرآن حکیم نے اس کا ذکر یوں کیا۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (التوبہ، ۹:۷)

مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا تھا۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ (الحج، ۲۲:۲۵)

بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور اس مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے روکتے ہیں جس کو ہم نے سب لوگوں کے لئے یکساں (قابل احترام) بنایا ہے خواہ وہ وہاں کا رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں یہاں بھی مسجد حرام سے پورا حرم شریف یعنی مکہ مکرمہ مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ العاکف سے مراد قیام کرنا ہے اور یہ بات عیاں ہے کہ لوگوں کا قیام بیت اللہ میں نہیں بلکہ شہر کے مکانات میں ہوتا ہے اس لئے یہاں مسجد حرام سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ (تفسیر کبیر، ۲۳:۲۴)

۴۔ ام القریٰ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا (الانعام، ۶:۹۲)

اور (اس لئے بھی اسے نازل کیا ہے) تاکہ آپ اس مرکزی مقام (مکہ مکرمہ)

اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو
ڈرائیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ شہر عزت و تکریم میں دنیا بھر کے شہروں سے بزرگ و برتر ہے چونکہ اسی کو پھیلا کر کرہ ارضی وجود میں آیا ہے اس لئے اسے ام القریٰ کہا جاتا ہے۔

تفسیر مدارک میں ام القریٰ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ام القریٰ سے مراد مکہ ہے اسے ام القریٰ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زمین کی ناف (وسط) ہے اور تمام بستیوں کے مکینوں کا قبلہ ہے اس لئے یہ بہت شان و شوکت والی ہے۔

(تفسیر مدارک '۱:۲۸۷)

ان کے علاوہ اس مقدس شہر کے اور بھی کثیر نام ہیں۔

مکہ مکرمہ کی فضیلت

مکہ مکرمہ اس پوری کائنات ارضی میں وہ برکت والی جگہ اور رحمتوں والا مقام ہے جسے اللہ رب العزت نے دنیا بھر کے شہروں میں سے ایک اعلیٰ و مقدس شہر کی حیثیت عطا کی۔ اللہ رب العزت نے اس شہر دلنواز' کو اس مرکز بخشش کو خلعت انوار میں لپٹے ہوئے اس شہر بے مثال کو اپنے برگزیدہ بندے' سب سے افضل انسان اور سب سے اعلیٰ و ارفع ہستی امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی جائے ولادت کے لئے منتخب کیا اور اپنے دین کی ترویج و فروغ کے لئے اور اپنے گھر بیت اللہ شریف اور اس کے حج کے لئے اس شہر کو منتخب فرمایا اسی وجہ سے اس شہر کو جہاں بھر کے شہروں پر فضیلت و برتری عطا کی۔ سرزمین مکہ وہی جگہ ہے جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لئے لوگوں کو دعوت عام دی اور جس کے لئے دعا کی۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ
(البقرہ '۲:۱۲۶)

اے میرے رب اس جگہ کو امن (وامان) والا شہر بنا دے (جہاں بھوک اور خوف دونوں سے امن ہو' دل کو سکون حاصل رہے) اور اس کے رہنے

والوں کو میوے عطا فرما (یعنی) ان کو جو اللہ
اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں۔

یہ شہر خوباں مہبطِ وحی اور نزول ملائکہ کا مرکز، انبیاء و اولیاء کا ٹھکانہ و مدفن، ہر چیز کی پیدائش کا موجب و سبب اور ہر انعام خداوندی کی بنیاد ہے۔ یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی واضح اور کھلی نشانیاں ہیں جن کی زیارت سے جہاں ایمان کو حلاوت و چاشنی ملتی ہے وہاں اسے استقرار و استقام بھی ملتا ہے۔ ان ہی میں سے مقام ابراہیم ہے، صفا و مروہ ہے، آبِ زمزم اور حجر اَسود ہے۔ حتیٰ کہ یہی وہ شہر ہے جس میں اللہ کا گھر "بیت اللہ" ہے جس میں ادا کی جانے والی ایک نماز لاکھ نماز کا اجر و ثواب اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ اس کے اردگرد تین سو انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں یہ مرجع خلائق شہر، شہر اَمن ہے۔ اس میں داخل ہونے والے کو امن و امان مل جاتا ہے۔ خونریزی وسفا کی یہاں ممانعت ہے۔ کسی بھی انسان کا حق و ناحق خون نہیں بہایا جاسکتا۔ اس عظمت و بزرگی والے شہر میں حلال تو درکنار حرام جانور کا شکار بھی گناہ ہے۔ اس کے درختوں اور شاخوں کا کاٹنا بھی حرام ہے۔ یہ اس قدر امن والا شہر ہے کہ ہر ذی روح اور غیر ذی روح اس کے سائے میں محفوظ و مامون ہے یہاں قدم قدم پر عافیت کے شامیانے نصب ہیں۔ امن، سکون، اور رحمتوں کا بحر بے کنار...... یہ وہ عظیم الشان شہر ہے جس کی عظمت اور فضیلت کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں قسمیں کھائی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ○ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ○	میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں○ (اے حبیبِ مکرّم!) اس لیے کہ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں○
(البلد، ۹۰:۱-۲)	

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ○	انجیر کی قسم اور زیتون کی قسم○ اور سینا کے (پہاڑ) طور کی قسم○ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم○ (جہاں امین آیا اور جس
(التین، ۹۵:۱-۳)	

نے اسے مامون بنا دیا۔)

اب ہم مکہ مکرمہ کی فضیلت احادیث نبوی کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبی ﷺ قال صلوۃ فی مسجدی ھذا افضل من الف صلوۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام و صلوۃ فی المسجد الحرام افضل من مائۃ الف صلوۃ

(شفاء الغرام باخبار البلد الحرام، ۱:۸۰)
(مسند امام احمد بن حنبل، ۳: ۳۴۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد (نبوی) میں ایک نماز دوسری مسجد کی نسبت ایک ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد حرام کے، مسجد حرام میں ایک نماز اس سے بھی سو گنا بڑھ جاتی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مسجد نبوی میں ایک نماز پچاس ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پر ایک لاکھ گنا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

فضل المسجد الحرام علی مسجدی کفضل مسجدی علی سائر المساجد

(تفسیر کبیر، ۸:۱۵۸)

مسجد حرام کی فضیلت مسجد نبوی پر بعینہ اسی طرح ہے جس طرح باقی مسجدوں پر مسجد نبوی کی۔

اس شہر مکہ کی محبت حضور نبی اکرم ﷺ کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گئی کہ مشرکین کے روح فرسا و جاں گداز مظالم کے باوجود اس کی جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا آپ کے دل میں کبھی اسے چھوڑنے کا خیال تک نہ آیا تھا جب ناساعد حالات کے پیش نظر اللہ جل جلالہ نے ترک وطن کرکے مدینہ طیبہ کو توحید خداوندی اور تبلیغ اسلام کا مرکز بنانے کا حکم دیا تو نبی کریم ﷺ نے رات کی تاریکی میں جب ہر سو خاموشی اور سناٹا تھا اس مقدس شہر سے رخصت ہوتے وقت حسرت بھری نگاہوں سے اس کے در و دیوار اور حجر و شجر کو دیکھ کر فرمایا۔

ما اطیبک من بلد و احبک الیَّ و لولا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غیرک (جامع الترمذی، ۲: ۲۲۲)	اے مکہ تو کتنا ذی شان شہر ہے اور مجھے کس قدر محبوب و مرغوب اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی دوسری جگہ قیام نہ کرتا۔

حضرت عبداللہ بن عدی بن الحمرا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اونٹ پر سوار الحزورہ کے پاس دیکھا (الحزورہ حرم شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے) آپ مکہ مکرمہ کی طرف مخاطب ہو کر فرما رہے تھے۔

و اللہ انک لخیر ارض اللہ و احب ارض اللہ و اللہ لو لا انی اخرجت منک ما خرجت (سنن ابن ماجہ: ۲۲۱)	اے مکہ خدا کی قسم تو اللہ تعالیٰ کی بہترین زمین ہے اور اسے تو بہت ہی پسند ہے اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ مکرمہ میں رمضان المبارک پایا اور اس کے روزے رکھے اور تراویح ادا کی تو کسی دوسرے مقام کی نسبت یہاں اسے ایک لاکھ رمضان شریف کا اجر و ثواب ملے گا اس کے علاوہ اسے ہر دن اور رات کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرنے کا اجر بھی ملے گا اور ہر روز دو گھوڑوں کا بوجھ اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کا ثواب بھی حاصل ہو گا۔ (مرقاۃ المفاتیح، ۶: ۱۱)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص مکہ مکرمہ میں ایک دن بیمار ہو گیا (اس بیماری کی وجہ سے روز مرہ کے نیک اعمال بجا نہ لا سکا) تو اللہ جل شانہ اسے نہ صرف اس دن کے اعمال کے اجر سے نوازتا ہے بلکہ سات سال کے اعمال کے برابر اجر عطا کرتا ہے اگر وہ مسافر ہو تو اس کے اجر کو اس سے بھی زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ (الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام: ۲۸)

علامہ قزوینی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے مکہ کی گرمی پر ایک ساعت بھی صبر کیا تو اس سے جہنم ایک سو سال کے

فاصلہ تک دور کر دی جائے گی اور جنت دو سو سال کی مسافت اس کے قریب کر دی جائے گی یہ شہر نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ ہی میرے بعد (جنگ کے لئے) ہو گا میرے لئے بھی دن میں تھوڑی سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا۔

(آثار البلاد: ۲)

اس مقدس شہر کے قبرستان (جنت المعلیٰ) سے قیامت کے دن ستر ہزار انسان اٹھائے جائیں گے جو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ہر ایک آدمی ستر ستر ہزار لوگوں کی شفاعت کرے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہوں گے۔ (التاریخ القویم '۱: ۳۰۷)

ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں مکہ مکرمہ کا اشتیاق دل پر غالب آیا تو جبرائیل امین تشریف لائے اور عرض کیا آپ کے قلب اطہر میں مکہ مکرمہ کا اشتیاق بڑھ گیا ہے فرمایا جی ہاں۔

جبرائیل امین نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ
(القصص '۲۸: ۸۵)
(التاریخ القویم '۱: ۳۱۱)

(اے حبیب ﷺ) جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (یعنی قرآنی تعلیمات کی تبلیغ کو) فرض فرمایا وہی آپ کو پہلی جگہ لے جائے گا۔

غرضیکہ اللہ جل جلالہ نے تمام اولاد آدم میں سے انبیاء کرام کو منتخب کیا پھر ان میں سے رسولوں کو چنا' رسولوں میں سے اولوا العزم رسولوں کا انتخاب ہوا جن کا تذکرہ سورہ احزاب اور شوریٰ میں موجود ہے پھر ان اولوا العزم رسولوں میں سے اپنے خلیل اور حبیب کو منتخب فرمایا پھر ان دونوں کے لئے بہترین اور بزرگی والی جگہ مکہ مکرمہ کو پسند کیا جہاں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں اور جہاں کا داخلہ عاجزی و انکساری' طہارت و پاکیزگی اور احساس بندگی کے ساتھ ننگے سر اور دنیاوی لباس ترک کر کے احرام پہنے ہوئے ہوتا ہے بس یہی شہر تمام شہروں سے بہتر اور افضل ہے۔

تعمیرِ کعبہ کے مختلف ادوار

ارض بیت اللہ کی تخلیق

یہی وہ مقدس و بابرکت خطہ ہے جو پوری کائنات ارضی کا منبع و سرچشمہ ہے اسی سے ساری زمین کو پھیلایا گیا ہے زمین و آسمان کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اسے وجود بخشا گیا۔

حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے چالیس برس پہلے کعبہ شریف کی سرزمین پانی پر قائم تھی پھر اس سے زمین کو پھیلا دیا گیا۔
(اخبار مکہ للازرقی '۱:۳۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے پانی پیدا کیا پانی کو ہوا پر ٹھہرایا پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہوا بھیجی جس سے پانی میں ہلچل پیدا ہو گئی چنانچہ اللہ پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے بیت اللہ والی جگہ قبلہ نما ایک ٹیلہ پیدا کر دیا جہاں دو ہزار سال بعد بیت اللہ شریف تعمیر کیا گیا۔ (مصنف عبدالرزاق '۵:۹۰)

امام واحدی حضرت مجاہد ؒ سے روایت کرتے ہیں کہ
اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین کے دوسرے اجزاء کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل کعبہ شریف والی جگہ پیدا کی اس کی بنیادیں ساتویں زمین تک گہری تھیں۔
(اخبار مکہ للازرقی '۱:۳۲)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے پہلا ٹکڑا جسے اللہ رب العزت نے زمین میں سے پیدا کیا وہ بیت اللہ کی جگہ ہے پھر اسی سے زمین کو پھیلایا گیا اور سب سے پہلا پہاڑ جسے زمین پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا کیا وہ ابو قبیس ہے پھر اسی سے پہاڑ پھیلائے گئے۔ (التاریخ القویم '۳:۷)

۱۔ تعمیر ملائکہ

سیدنا امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ علی زین العابدین بن حسین بن امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے ایک آدمی نے استفسار کیا کہ اس گھر یعنی بیت اللہ شریف کا سب سے پہلے طواف کس نے کیا تو آپ نے فرمایا جب باری تعالیٰ نے ملائکہ کو یوں مخاطب کیا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔
(البقرہ ۲: ۳۰)

ملائکہ نے عرض کی مولا کریم یہ نئی جنس سے بننے والا خلیفہ زمین میں فساد بپا کرے گا' خون ریزی اور نافرمانی کرے گا' اے رب وہ خلیفہ ہم میں سے بنا ہم زمین میں فساد انگیزی' خون ریزی' نافرمانی و سرکشی نہیں کریں گے بلکہ ہم تو ہر وقت حمد وثنا اور اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ میں (ان اسرار کو) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔
(البقرہ ۲: ۳۰)

اللہ رب العزت کے اس فرمان پر ملائکہ پر خوف طاری ہو گیا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو گیا ہو انہوں نے عرش عظیم کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا باری تعالیٰ سے خشیت و گریہ زاری کے ساتھ معافی مانگنے لگے اور مسلسل طواف کرتے رہے حتیٰ کہ پروردگار عالم نے ان پر نظر رحمت فرمائی اور عرش عظیم کے نیچے حسن و جمال میں عدیم النظیر ایک گھر رکھا جو زبرجد کے چار ستونوں پر قائم تھا جنہیں سرخ یاقوت سے ڈھانپ دیا گیا اس لئے اسے "البیت الفراح" کہا جاتا ہے پھر باری تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا عرش کو چھوڑ کر اس گھر کا طواف کرو عرش کی نسبت اس کا طواف سہل اور آسان تھا یہی "بیت المعمور" ہے جس میں ستر ہزار فرشتے ہر روز داخل ہوتے ہیں جسے ایک دفعہ داخلہ نصیب ہو گیا پھر قیامت تک اس کی باری نہیں آئے گی پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ زمین پر "بیت المعمور" کی طرح میرا ایک گھر بناؤ

باری تعالیٰ نے اپنی زمینی مخلوق کو حکم دیا کہ میرے اس گھر (بیت اللہ) کا طواف کرو جس طرح آسمان والے "بیت المعمور" کا طواف کرتے ہیں۔

(اخبار مکہ للازرقی '۱: ۳۳' ۳۴)

امام بغویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل فرشتوں نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا زمین پر رہنے والے ملائکہ کو باری تعالیٰ نے اس کے طواف اور حج کرنے کا حکم دیا تھا۔ (مرقاۃ المفاتیح '۵: ۲۶۳)

۲۔ تعمیر سیدنا آدم علیہ السلام

جب سیدنا آدم علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر آئے تو وہ ملائکہ کی پاکیزہ باتیں سننے سے محروم ہو گئے دل مغموم اور اداس رہنے لگا آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا مولا میں اس نعمت سے محروم ہو گیا ہوں تو رب کریم نے ارشاد فرمایا آپ مکہ معظمہ جائیں وہاں میرا گھر تعمیر کر کے اس کا طواف کریں اور اس کے پاس نماز پڑھیں جس طرح فرشتے میرے عرش کا طواف کرتے ہیں اور اس کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام حضرت جرائیل امین کی رہنمائی میں مکہ معظمہ پہنچے وہاں جبرئیل علیہ السلام نے پر مار کر کعبہ شریف کی بنیادیں ظاہر کیں جو انتہائی گہری تھیں پھر فرشتے' پانچ مختلف پہاڑوں سے بڑی بڑی وزنی چٹانیں لائے جن میں سے ایک چٹان تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے حضرت آدم علیہ السلام نے ان پتھروں سے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ (التاریخ القویم '۳: ۱۲)

اس عظمت و رفعت والے گھر کی تعمیر کس انفرادی شان سے ہوئی اس کا ذکر اس حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں' فرماتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاء کی طرف جبرئیل امین علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا میرے لئے ایک گھر بناؤ چنانچہ جبرئیل امین نے حد بندی کر دی اور حضرت آدم علیہ السلام نے مٹی کھودنا شروع کی حضرت حواء علیہما السلام وہ مٹی دوسری جگہ منتقل کرتی رہیں یہاں تک کہ وہ پانی کی سطح تک پہنچ گئے نیچے

سے آواز آئی اے آدم اب بس کرو اتنی گہرائی کافی ہے۔

جب انہوں نے تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اب اس گھر کا طواف کرو انہیں بتایا گیا کہ آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا گھر ہے اس کے بعد صدیاں بیت گئیں یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا پھر صدیاں بیت گئیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیادوں کو اٹھایا۔

(البدایہ والنھایہ' ۲:۲۹۹)

۳۔ تعمیر حضرت شیث علیہ السلام

امام ازرقی وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ یاقوت کا وہ خیمہ جو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے لئے جنت سے اتارا گیا تھا آپ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھا لیا تب انہی بنیادوں پر آپ کی اولاد نے مٹی اور پتھروں سے کعبہ شریف تعمیر کیا اور وہ عمارت طوفان نوح تک قائم رہی۔ (اخبار مکہ:۵۱)

علامہ طاہر کردی التاریخ القویم میں "الروض الانف" کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کی اس کے بعد فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے تعمیر کعبہ کی سعادت حضرت شیث علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ (التاریخ القویم' ۳:۳۲)

۴۔ تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے مکہ معظمہ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے جب تیسری بار بیت اللہ شریف کی تعمیر کے سلسلے میں تشریف لائے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کی عمر اس وقت بیس سال تھی چاہ زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے بیٹھے تیر بنا رہے تھے۔ طویل عرصے کی جدائی کے بعد والد گرامی کے چہرہ اقدس کی زیارت سے خوشی کی لہر دوڑ گئی' انتہائی تعظیم و تکریم سے خوش آمدید کہا۔

ابتدائی گفت و شنید کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند

کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ان ربک امرنی ان ابنی لہ بیتا قال اطع ربک قال انہ قد امرنی ان تعیننی علیہ قال اذن افعل او کما قال

(التاریخ القویم ۴: ۴۰)

بے شک تیرے رب نے مجھے اس کا گھر (بیت اللہ) کی تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے عرض کیا (ابا جان) آپ اللہ کے حکم کی اطاعت میں جلدی کریں ارشاد فرمایا رب کائنات نے اس عظیم کام میں تجھے میری مدد کرنے کا حکم دیا ہے عرض کیا میں حاضر ہوں آپ کر گزریے۔

اللہ کے یہ دونوں مقرب بندے اس امر عظیم کی تکمیل کے لئے کمربستہ ہو گئے ایک عزم اور ولولہ کے ساتھ تعمیر کعبہ کا ارادہ کر لیا اس عزم اور ولولے میں احساس بندگی اور عجز و نیاز کا عنصر غالب تھا مگر ابھی تک یہ حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی کہ بیت اللہ شریف کا حدود اربعہ کیا ہے دیواروں کی لمبائی و چوڑائی کتنی ہے کیونکہ امتداد زمانہ اور سیلاب نے اس کے قدیم نشانات کو ختم کر دیا تھا۔

سو قدرت خداوندی سے ان مکرم بندوں کی رہنمائی کے لئے اچانک ایک بدلی نمودار ہوئی جس سے یہ صدا آ رہی تھی کہ جس قدر طول و عرض اس بدلی کے سایہ کا ہے اسی قدر جگہ میں آپ بیت اللہ کی بنیادوں پر دیوار کھڑی کریں اس میں کمی بیشی نہ ہونے پائے۔ (التاریخ القویم ۴: ۴۲)

بعض روایات میں مذکور ہے کہ جبرئیل امین نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لئے بنیادوں کی نشاندہی کی تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک مجسم ہوا آئی جس کا نام "ریح الخجوج" تھا اس نے بیت اللہ کی جگہ کے گرد طواف کر کے اس کی حدود کو واضح کیا تھا اس وقت یہ جگہ ایک ابھرے ہوئے سرخ ٹیلے کی شکل میں تھی۔

(اخبار مکہ للازرقی ۱: ۶۱)

غرضیکہ باپ اور بیٹے نے کعبہ کی نشان زدہ بنیادوں کی کھدائی شروع کر دی

کچھ دیر بعد وہ قدیم بنائے آدم علیہ السلام بھی ظاہر ہو گئی جس پر انہوں نے تعمیر کرنا تھی۔ کام کا آغاز ہوا، چشم فلک نے دیکھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک مزدور کے بھیس میں پتھر لانے کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک معمار کی حیثیت سے اپنے مقدس ہاتھوں سے دیوار چن رہے ہیں۔ مٹی، گارا یا چونے کی مدد کے بغیر ہی پتھر پر پتھر جوڑے چلے جا رہے ہیں وہ پتھر اس قدر بڑے اور وزنی ہیں کہ تیس آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے اس تعمیر میں کام آنے والے پتھر پانچ مختلف پہاڑوں، طور سینا، طور زیتا، کوہ لبنان، کوہ جودی اور کوہ حراء سے فرشتے لے کر آئے تھے۔ بنیادوں میں کوہ حراء کے پتھر استعمال ہوئے جب دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ ہو گئی اور پتھر لگانے میں دشواری محسوس ہونے لگی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کوئی ایسا پتھر تلاش کرو جس پر کھڑے ہو کر بآسانی تعمیر مکمل کی جا سکے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نظر انتخاب جس پتھر پر پڑی وہ وہی یادگار پتھر تھا جسے قرآن حکیم میں "مقام ابراہیم" کے مبارک اعزاز سے نوازا گیا ہے اس پتھر نے اپنے مزاج کی سنگینی اور سختی کے باوجود آپ کے نقش پا کا اس قدر گہرا اثر قبول کیا کہ زمانے کے حوادث بھی اسے نہ مٹا سکے جس کا نظارہ آج بھی مسلمانان عالم بچشم نم خود کر رہے ہیں۔

جب کعبہ کی دیواریں کافی بلند ہو گئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کوئی عمدہ سا پتھر لاؤ جسے یہاں ایک کونے میں نصب کر دیا جائے تاکہ طواف کرنے والوں کے لئے ایک امتیازی نشان اور علامت بن جائے۔ حسب حکم سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام جب پتھر لے کر آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس جگہ کی رونق ایک ایسا پتھر بن چکا ہے جس کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے عرض کرنے لگے ابا جان یہ پتھر کون لایا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جبرائیل امین جنت سے لائے ہیں تعمیر کے دوران موجودہ حطیم والی جگہ کو بھی کعبہ شریف میں شامل کر لیا گیا مشرق کی جانب زمین کے برابر ایک دروازہ رکھا جس کی نہ تو چوکھٹ تھی اور نہ ہی کواڑ، یوں یہ عدیم النظیر مکان چھت کے بغیر مکمل ہوا۔

اس عظیم الشان تعمیر کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام انتہائی عاجزی و انکساری اور تشکر و امتنان کے جذبات سے سرشار ہو کر اپنے فریضے میں مگن رہے اور آیہ کریمہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (البقرہ ۲: ۱۲۷)

اے ہمارے پروردگار ہماری یہ سعی قبول فرما بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

مسلسل ان کی وردِ زبان رہی۔

۵٬۶ تعمیر بنی جرہم اور عمالقہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت کعبہ منہدم ہو گئی تو پھر بنو جرہم نے اسے از سر نو تعمیر کیا مگر جب وہ بھی منہدم ہو گئی تو عمالقہ نے اسے بنایا۔ (الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ٬۴۸)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند ارجمند نابت کعبہ کے متولی بنے ان کے انتقال کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمر متولی ہوئے بنو اسماعیل ننھیالی رشتے کی وجہ سے ان کے مطیع ہو گئے اس طرح بنو جرہم اور بنو اسماعیل پر مضاض حکومت کرنے لگا ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ان کے پاس اسلحہ بے شمار تھا یہ لوگ جبل قعیقعان پر مقیم تھے جو مکہ مکرمہ کا مشہور پہاڑ ہے جرہم کا بادشاہ مضاض اسی پہاڑ پر براجمان تھا اور اس کے مخالفین بنو عمالقہ کا بادشاہ "سمیدع" نشیبی علاقے میں تھا ان دونوں کے مابین زبردست جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں جرہم عمالقہ پر غالب آ گئے اور صدیوں مکہ پر حکومت کرتے رہے ان کے عہد میں ایک مرتبہ زبردست سیلاب آیا جس سے کعبہ شریف منہدم ہو گیا بنو جرہم نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔

مورخین کے درمیان اس امر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ کعبہ شریف کی تعمیر پہلے عمالقہ نے کی یا جرہم نے مورخ شہیر علامہ ازرقی عمالقہ کی تعمیر جرہم سے پہلے بیان فرماتے ہیں اسی طرح علامہ طبری نے اپنی کتاب "القریٰ" میں اسی قول کو اختیار کیا

ہے جبکہ امام فاکہی جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ہونے کے قائل ہیں امام تقی الدین فاسی بھی اس کے مؤید ہیں چونکہ دونوں قومیں ہم عصر تھیں اور ان کے مابین مدتوں زبردست جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا جس کے باعث مورخین ان کی تعمیر کے تقدم و تاخر میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔

علامہ طاہر کردی ؒ بیان کرتے ہیں کہ واقعات اور قرائن سے جرہم کی تعمیر عمالقہ سے پہلے ثابت ہوتی ہے جرہم ہی مکہ معظمہ میں پہلے قیام پذیر ہوئے اور پھر انہی میں سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شادی کی تھی۔ (التاریخ القویم' ۳:۱۲۸)

۷۔ تعمیر قصی بن کلاب

جب قصی بن کلاب کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے قریش کو جمع کر کے کعبہ شریف کی تعمیر کی طرف توجہ دلائی قریش نے اس مقصد کے لئے معقول رقم جمع کر لی اور کعبہ شریف کی قدیم بوسیدہ عمارت کو منہدم کر کے تعمیر نو شروع کر دی اس سے پہلے کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی انہوں نے کھجور کے تختوں اور ٹہنیوں کی چھت بنائی اور دیواریں ۲۵ ذراع اونچی بنوائیں۔

علامہ طاہر کردی قصی بن کلاب کی تعمیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

جب قصی نے تعمیر کعبہ کے لئے سامان اور رقم جمع کر لی تو کعبہ شریف کی پہلی عمارت شہید کر کے نئی تعمیر شروع کی تو انہوں نے انتہائی مضبوط اور عمدہ کام کرایا چھت کھجور کی لکڑی اور شاخوں سے بنوائی۔

قریش میں قصی پہلا آدمی ہے جسے کعبہ شریف تعمیر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی یہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اجداد میں سے تھا اور آپ سے تقریباً ۱۲۰ سال پہلے اس کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ (التاریخ القویم' ۳:۱۲۹)

۸۔ تعمیر قریش

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب عمارت کعبہ بوسیدہ ہو گئی تو قریش نے از

سرنو اس کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اس وقت سرکار دو عالم ﷺ کی عمر مبارک تقریباً ۳۵ سال تھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایک عورت کی بے احتیاطی کے باعث حرم پاک میں آگ بھڑک اٹھی جس کی وجہ سے نئی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی اس کے علاوہ بالائی حصہ سے جب سیلاب کا پانی نشیب کی طرف آتا تو ہر بار عمارت کو کافی نقصان پہنچتا رہا دیواروں کی مضبوطی و پائیداری میں کمی آتی رہی اور یہ کچھ زیادہ اونچی بھی نہ تھیں زیادہ سے زیادہ قد آدم تھیں اور ان پر کوئی چھت بھی نہ تھی اس صورت حال میں اکابرین قریش نے سوچا کہ نئی تعمیر پختہ بنیادوں پر ہونی چاہئے تاکہ وہ سیلاب سے متاثر نہ ہو اور اس پر چھت بھی ڈال دی جائے تاکہ تحائف اور خزانہ اس میں محفوظ رہے۔

ان اسباب و حالات نے انہیں تعمیرِ نو کا احساس دلایا لیکن مسئلہ یہ درپیش تھا کہ پہلی بوسیدہ عمارت کے ڈھانچے کو گرانے کی جرات کون کرے' ہو سکتا ہے قدرت کو یہ مٹی کا حرم ہی پسند ہو اور سنگ مرمر کی سلوں کو پذیرائی نصیب نہ ہو۔

تمام سردار سر جوڑ کر بیٹھے ولید نے کہا ہماری نیت صحیح ہے ہم شکست و ریخت نہیں' تعمیر چاہتے ہیں اس لئے کوئی آفت نازل نہیں ہوگی یہ امکان تب ہو سکتا ہے جب ہماری نیتوں میں فتور ہو جب ہم اصلاح و تعمیر کے متمنی ہیں تو ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے ان ہی دنوں قدرتی طور پر تعمیر کعبہ کے اسباب بھی مہیا ہو گئے۔

روم کے ایک تاجر کا جہاز سمندر نے ساحل جدہ پر لا پھینکا وہ ٹوٹ پھوٹ گیا قریش نے کعبہ پر چھت ڈالنے کے لئے اس کے تختے خرید لئے اموی کی روایت ہے یہ جہاز شاہ روم قیصر کا تھا اہل فارس نے حبشہ کا ایک گرجا جلا دیا تھا اسی لئے اس نے "باقوم رومی" کی سرکردگی میں سنگ مرمر' لکڑی' لوہا اور تعمیر کا دوسرا سامان بھیجا تھا مگر جب جہاز جدہ کے ساحل تک پہنچا تو قدرت خداوندی نے ایسی تند و تیز ہوا بھیجی جس نے اسے پاش پاش کر دیا۔ (البدایہ والنھایہ' ۲:۳۰۱)

جہاز ٹوٹ جانے کے بعد اب عمارتی سامان کی واپسی کی کوئی صورت ہی نہ تھی اس لئے باقوم نے وہ بخوشی فروخت کر دیا بلکہ خریداروں کے حسن سلوک سے متاثر اور مقصد عظیم سے آگاہ ہو کر کعبہ کی دیواریں تعمیر کرنے اور چھت ڈالنے کی حامی بھی

پھر جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو وہ نازک لمحہ آیا جس سے سب خائف و ترساں تھے انہیں ڈر تھا اگر عذاب نازل ہو گیا تو کوئی بھی محفوظ نہ رہے گا آخر حضور نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی کے ماموں جناب ابو وھب جرأت کر کے آگے بڑھے' کعبہ کا ایک پتھر اکھاڑا ہی تھا کہ وہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دوبارہ اپنی جگہ جا لگا لوگوں کے رنگ اڑ گئے' متوقع عذاب نے ان کے اوسان خطا کر دیئے اسی چیز کا انہیں خدشہ تھا جب اپنی آنکھوں سے انہوں نے یہ منظر دیکھا تو سمجھ گئے اب ان کی خیر نہیں۔

ابو وھب بڑے حقیقت شناس اور دور اندیش انسان تھے اپنی قوم سے مخاطب ہوئے۔

یا معشر قریش لا تدخلوا فی بنیانہا من کسبکم الا طیبا لا یدخل فیہا مہر بغی ولا بیع ربا ولا مظلمۃ احد من الناس

(البدایہ والنہایہ' ۲:۳۰۱)

اے گروہ قریش! وعدہ کرو کہ کعبہ کی تعمیر پر تم بالکل پاکیزہ حلال اور صاف کمائی ہی خرچ کرو گے کوئی شخص سود' غصب' غارت گری اور بدکاری کا ایک پیسہ بھی اس پر نہیں لگائے گا۔

تمام قبائل نے وعدہ کیا اور کعبہ معظمہ کے ایک ایک حصے کی تعمیر اپنے ذمے لے لی قرعہ اندازی کے ذریعے حجر اسود سے حجر تک کا حصہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ کے حصے میں آیا اور حجر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کی تعمیر بنو اسد اور بنو عبد الدار کے ذمے ٹھہری اور حجر کے دوسرے کونے سے رکن یمانی تک کا حصہ بنو تیم اور بنو مخزوم کے حصے میں آیا اور رکن یمانی سے حجر اسود تک کا حصہ بنو سہم' بنو جمح اور بنو عدی کے مقدر کا حصہ بنا۔

پھر ابو وہب نے آگے بڑھ کر پتھر اٹھایا تو وہ اکھڑ گیا جب کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو قریش کے باقی افراد نے بھی جرات کی پھر تمام قبائل عمارت گرانے میں مصروف ہو گئے اور ساری عمارت شہید کر دی گئی۔

جب ابراہیمی بنیادوں تک پہنچے تو انہیں بڑے بڑے پتھر نظر آئے جیسے اونٹ کی کوہانیں ہوں وہ ایک دوسرے سے پھنسے ہوئے تھے ایک نوجوان نے انہیں بھی اپنی

جگہ سے اکھاڑنا چاہا تو ایک بجلی کوندی سب کی نظریں چندھیا گئیں اور سب کو ایک زبردست جھٹکا لگا جیسے بہت بڑا زلزلہ آگیا ہو وہ ڈر گئے اور مزید پتھر اکھاڑنے کا ارادہ ترک کر دیا اور انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کا فیصلہ کر لیا۔

تعمیر کعبہ بہت بڑی سعادت تھی سب لوگ مزدوروں کی طرح لگ گئے چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹ گیا کوئی پتھر لا رہا ہے کوئی گارا بنا رہا ہے کوئی دیوار پر پتھر چننے میں مصروف ہے کوئی اپنے حصے کا کوئی اور کام کر رہا ہے یہ وہ بابرکت عمل تھا جس میں خود حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی حصہ لیا اور آپ پتھر لا لا کر دیتے رہے' یہاں تک کہ اس باہمی تعاون اور اتحاد و یگانگت کی فضا میں تعمیر کعبہ مکمل ہوئی اور ایک تقدس ہر لحہ تعمیر کعبہ کا شرف حاصل کرنے والوں کے پیش نظر رہا۔

۹۔ تعمیر سیدنا عبداللہ بن زبیر

قریش کی تعمیر کے بعد ابھی ایک صدی بھی نہیں گزرنے پائی تھی کہ کچھ ایسے اسباب و علل کا ظہور ہوا جن کی بنا پر سیدنا عبداللہ بن زبیر کے لئے کعبہ کی از سر نو تعمیر کی خدمت سرانجام دینا ناگزیر ہو گیا۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر کے کانوں میں تعمیر کعبہ کے متعلق حضور سرور کونین ﷺ کے فرامین کی صدا گونج رہی تھی جن میں آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

عائشہ اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ شریف کو منہدم کرنے کا حکم دیتا اور جن چیزوں کو قریش نے کعبہ سے نکال دیا ہے انہیں دوبارہ اس میں شامل کر دیتا (یعنی حطیم اور بنیادوں کا آدھا حصہ) اور دروازے کو زمین کے برابر کر دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی جانب اس طرح میں ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کی تعمیر کرتا۔ (صحیح بخاری' ۱:۲۱۵)

امام مسلمؒ کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

عائشہ اگر تیری قوم کا عہد شرک قریب نہ ہوتا تو میں ضرور کعبہ شریف کو

منہدم کر کے دروازہ کو زمین کے برابر کر دیتا مشرق اور مغرب میں دو دروازے بنا دیتا اور حطیم کی جانب چھ ہاتھ جگہ کعبہ شریف میں داخل کر دیتا کیونکہ قریش نے جب بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو یہ چھ ہاتھ جگہ باہر چھوڑ دی تھی۔ (صحیح مسلم ' ۱: ۴۳۰)

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین ' ارشادات اور خواہش کے مطابق کعبہ شریف کی تعمیر کا عزم رکھتے تھے مگر ہنوز اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کر پائے تھے کہ ایک ایسا دلدوز واقعہ پیش آیا جس کے بعد تعمیر کعبہ انتہائی ناگزیر ہو گئی۔

یزید نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے لوگوں سے اپنی بیعت لینے اور بیعت سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر جرار بھیجا چونکہ اہلیان مکہ اور مدینہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے اس لئے یزید کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا نتیجۃً فریقین کے مابین جنگ چھڑ گئی ' شامی فوجوں نے جبل ابی قبیس اور جبل قعیقعان پر منجنیقیں نصب کر لیں شب و روز خانہ کعبہ پر سنگ باری کی کئی ماہ مسلسل یہ آگ برسائی جس کے باعث کعبہ کی چھت اور پردے جل گئے دیواریں کافی حد تک کمزور ہو گئیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کو اسی حال پر چھوڑ دیا تاکہ حج کے موقع پر لوگوں سے مشورہ طلب کیا جائے کہ تمام دیواریں منہدم کر کے نئے سرے سے تعمیر کی جائے یا صرف اصلاح و مرمت کر دی جائے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ صرف شکستہ دیواروں کی مرمت کر دی جائے جو کھڑی ہیں انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر نے اس تجویز سے اتفاق نہ کرتے ہوئے فرمایا اگر (خدانخواستہ) کسی شخص کا اپنا مکان نذر آتش ہو جائے تو کیا مرمت و پیوند کاری پر اکتفا کرے گا یا مکمل طور پر اسے نیا بنائے گا پھر بیت اللہ کے متعلق تمہارا کیا فیصلہ ہو گا؟ مزید برآں آپ نے فرمایا تین دن ' میں استخارہ کروں گا جو صورت سمجھ میں آئے گی اسے اختیار کروں گا ' تین دن کے بعد آپ نے باقی ماندہ دیوار گرا کر نئی تعمیر کا فیصلہ کیا ' تو اب دیواریں گرانے کی ہمت کسی میں نہ تھی سب کے دل خائف تھے ایک خوف

دامنگیر تھا انہیں ڈر تھا کہ جو آدمی بھی دیوار توڑے گا وہ عذاب خداوندی کا نشانہ بن جائے گا۔ بالآخر ایک آدمی جرأت کر کے دیوار پر چڑھ گیا اور اسے گرانا شروع کر دیا باقی لوگوں نے جب دیکھا کہ اسے کوئی گزند نہیں پہنچا تو ان کی بھی ہمت بندھ گئی وہ بھی اس کام میں شریک ہو گئے زمین کی سطح تک دیواریں گرا دیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن بنیادوں پر تعمیر کی تھی وہ ظاہر ہو گئیں ان میں بڑے بڑے وزنی پتھر اس طرح جڑے ہوئے تھے جس طرح انگلیوں میں انگلیاں ڈالی جاتی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین وارشادات اور خواہش و تمنا کے مطابق مشرق میں اندر داخل ہونے کے لئے اور مغرب میں باہر جانے کے لئے دو دروازے سطح زمین کے برابر بنائے اور حطیم کی جانب سے چھ ہاتھ جگہ بنائے ابراہیمی کے مطابق کعبہ شریف میں داخل کر دی۔ جب حطیم کی جانب بنیادیں کھودی جا رہی تھیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں جنہیں علماء، صلحاء، اور وہاں موجود سب لوگوں نے دیکھا۔ اس عظیم الشان کام کی بحسن و خوبی تکمیل پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الوہیت میں اظہار تشکر کے لئے تنعیم سے چل کر لوگوں کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔ اور اس سعادت عظیم کے حصول پر بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجالائے۔

١٠۔ تعمیر حجاج بن یوسف

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر کردہ عمارت تقریباً دس سال تک قائم رہی آپ کی شہادت کے بعد جب زمام حکومت حجاج بن یوسف کے ہاتھ آئی تو اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ شریف قریش کی تعمیر کے برعکس نئی وضع سے بنا دیا ہے اگرچہ معززین شہر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ابن زبیر نے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کی ہے اور ہم نے ان بنیادوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے اب آپ حکم فرمائیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ خلیفہ نے لکھا چونکہ عبداللہ بن زبیر نے قریش کی تعمیر میں زیادتی اور اضافہ کر دیا ہے جو ایک غلط اقدام معلوم ہوتا ہے لہٰذا

عمارت کا عرض اپنے حال پر چھوڑ کر باقی حصہ منہدم کر کے قریش کی تعمیر کے مطابق بنایا جائے یعنی حطیم والا حصہ الگ کر دیا جائے۔ دوسرا دروازہ بھی بند کر دیا جائے اور مشرقی دروازہ قد آدم کے برابر اونچا کیا جائے۔

حجاج نے فرمان شاہی کے مطابق عمل کیا اور ایک بار پھر ابراہیمی بنا کے برعکس قریش کی تعمیر کے مطابق کعبہ شریف بنا دیا حطیم کا حصہ نکال دیا مشرقی دروازہ اونچا کر دیا اور غربی دروازہ بالکل بند کر دیا جبکہ سنت ابراہیمی اور خواہش مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ مطابقت تعمیر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بے بہرہ اور بے خبر تھا۔

ایک مرتبہ ایک وفد کے ساتھ حارث بن عبداللہ خلیفہ کے پاس آئے۔ دوران گفتگو خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کہا میرا خیال ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے نہیں سنی ہوگی۔ حارث بن عبداللہ نے کہا ہاں ہاں ضرور سنی ہوگی یہ حدیث تو میں نے بھی اُم المومنینؓ سے سنی ہے۔

خلیفہ نے سوال کیا تم نے کیا سنا تھا۔

انہوں نے کہا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا عائشہ تیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا ہے اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کی کمی کو پورا کر دیتا۔

عائشہ میرے ساتھ چل میں تجھے ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنیادیں دکھاتا ہوں آپ نے فرمایا حطیم میں سے سات ہاتھ اندر کا حصہ بیت اللہ میں شامل تھا۔ اور اس جگہ ابراہیمی بنیادیں تھیں اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے دو دروازے ایک مشرق میں اندر جانے کے لئے اور ایک مغرب میں باہر جانے کے لئے بنا دوں۔

عائشہ تمہیں معلوم ہے تیری قوم نے اتنا اونچا دروازہ کیوں رکھا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم' آپ نے ارشاد فرمایا محض اپنی بڑائی' تکبر اور نخوت کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہے تاکہ وہ جسے چاہیں کعبہ شریف

میں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں اسے اس سعادت سے محروم رکھیں۔

جس آدمی کے اندر داخل ہونے پر وہ خوش نہ ہوں اسے دھکا دے کر نیچے گرا دیتے اور جس کا داخلہ ان کی خواہش کے مطابق ہوتا اس کی دستگیری کرتے۔

خلیفہ نے کہا حارث کیا تم نے یہ حدیث خود سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی؟ حارث نے اثبات میں جواب دیا تو خلیفہ عبدالملک بن مروان کچھ دیر اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے سوچتا رہا پھر کہا کاش! میں بیت اللہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا اس کے گرانے اور تبدیل کرنے کا فرمان جاری نہ کرتا۔ (صحیح مسلم '۱۔ کتاب الحج)

۱۱۔ تعمیر سلطان مراد خان

بیت اللہ شریف زمینی اور آسمانی حوادثات سے صدیوں محفوظ رہا' تقریباً ایک ہزار سال کے بعد زبردست سیلاب کی وجہ سے زمین بوس ہو گیا جس کی تعمیر نو کا شرف اللہ رب العزت نے سلاطین آل عثمان میں سے سلطان مراد خان کو عطا کیا۔

علامہ طاہر کردی" سلطان مراد خان کی تعمیر کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے ۷۴ھ بمطابق ۶۹۳ء میں کعبہ شریف تعمیر کیا اس کے بعد کبھی کبھار اس کی اصلاح و مرمت تو کی جاتی رہی مگر اسے منہدم کر کے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی نوبت نہ آئی اس تعمیر کے ۹۶۶ سال بعد مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح میں اتنی شدید موسلا دھار بارش ہوئی کہ جس کی نظیر تاریخ میں پہلے نہیں ملتی سو ایک زبردست سیلاب آیا جس کے سبب کعبہ شریف منہدم ہو گیا اور ۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد خان نے اسے پھر تعمیر کیا اس کے بعد علامہ طاہر کردی" لکھتے ہیں۔

ھی العمارۃ الاخیرۃ الی یومنا ھذا	(سلطان مراد خان کی تعمیر کردہ) یہی عمارت ہمارے اس زمانے تک قائم چلی آ رہی ہے۔

(التاریخ القویم '۳: ۲۰۳)

فہرست تصاویر

مذکورہ تصاویر کتاب کے آخر "حصہ نہم" میں ملاحظہ فرمائیں

باب۔۳

قبل از اسلام عرب معاشرے کی حالت

ظہورِ اسلام سے قبل ہر طرف جہالت و ضلالت کی حکمرانی تھی' سرکشی و بغاوت کا سکہ رواں تھا' معاشرہ تباہی کے دہانے پر کھڑا تھا' خانہ کعبہ بتوں سے آباد تھا۔ دینِ ابراہیمی کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا' شرک کی سیاہ چادر نے ذہن انسانی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا' شیطنت رقص کناں تھی' دجل' فریب' جھوٹ اور منافقت پر مبنی انفرادی طرز عمل اور اجتماعی رویوں نے شرف انسانی کی بحالی کی ہر خواہش کو سینے میں دفن کر رکھا تھا' قدم قدم پر انا کی دیواریں اٹھائی جا رہی تھیں' غرور و تکبر اور نسلی تفاخر سے سماجی حیثیت کا تعین ہوتا تھا' دختر حوا کے برہنہ سر پر دست شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا' وہ سسک رہی تھی' بلک رہی تھی لیکن کوئی اس کا پرسان حال نہ تھا' لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تاکہ جھوٹی شان کی آگ میں جلنے والوں کا وقار مجروح نہ ہو جائے عدل' انصاف اور مساوات کے الفاظ اپنا مفہوم کھو چکے تھے' فصیل دیدہ و دل پر چراغ جلتے تھے مگر ان میں روشنی نہ تھی' جزیرہ نما عرب ہی نہیں پوری دنیا گمراہی اور کفر و شرک کے قعر مذلت میں گری ہوئی تھی' قیصر و کسریٰ کی حکومتیں جبر کی علامت بن کر نسل آدم پر مسلط تھیں' اس حواس باختہ اور بے ہنگم معاشرے میں جمہوری شعور' انسانی حقوق اور کسی ضابطہ اخلاق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا جاہلی اور قبائلی رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑا ہوا معاشرہ اپنے افراد کے گرد جہالت اور گمراہی کے حصار کو تنگ سے تنگ کرتا جا رہا تھا' انسان اس معاشرتی جبر کے ہاتھوں اندر سے ریزہ ریزہ ہو چکا تھا لیکن حالات سے سمجھوتہ کرنے کے سوا اسے کوئی تدبیر نہیں سوجھ رہی تھی۔

ا۔ مذہبی حالت

طلوع اسلام سے قبل عرب مختلف مذاہب اور خود ساختہ اقدار کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ کہیں بت پرستی ہو رہی تھی اور کہیں آتش پرستی سے سکون قلب کا

سامان مہیا کیا جا رہا تھا۔ کہیں سورج کی پرستش ہو رہی تھی اور کہیں انسان جسے اشرف المخلوقات بنایا گیا تھا' ستاروں کے آگے سربسجود تھا' خانہ کعبہ اصنام پرستی کا مرکز تھا جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے تھے ہر قبیلے کا الگ بت تھا۔ ہبل' لات' منات' عزیٰ' نائلہ' یعوق اور نسر زیادہ مشہور بت تھے جن کے آگے سجدہ کیا جاتا اور دعائیں مانگی جاتی تھیں انہیں اپنا ملجا و ماویٰ سمجھا جاتا تھا' پتھر کے ان بے جان ٹکڑوں کو اپنا حاجت روا ٹھہرایا جاتا بت پرستی نے توہم پرستی کو جنم دیا فطرت کی ہر ایک چیز' پتھر' درخت' چاند' سورج' پہاڑ' دریا وغیرہ کو فوراً اپنا معبود بنا لیتے تھے اس طرح خدائے حقیقی کی عظمت و جلالت کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ اپنی قدر و قیمت کو بھی بھول چکے تھے۔ انسانی وقار خود انسان نے اپنے پاؤں تلے روند دیا تھا۔

ان میں سے بعض تو خدا کی ذات کے ہی انکاری تھے ان کے نزدیک زمانہ اور فطرت ہی کی ہر چیز میں کار فرمائی تھی قرآن نے ان کے متعلق یوں بیان کیا ہے۔

وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ
(الجاثیہ' ۲۴:۴۵)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔

بعض خدا کے قائل تھے لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے' قرآن حکیم نے قیامت کے حق ہونے اور اس کے اثبات کے حوالے سے انہیں یوں یقین دلایا۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ
(یٰسین' ۷۹:۳۶)

(اے محبوب) فرما دیجئے کہ (ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ انہیں پیدا کیا تھا۔

ان میں سے بعض خدا' قیامت' جزا و سزا کے قائل تھے مگر نبوت و رسالت کے منکر تھے۔ قرآن نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا۔

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ

اور (کافر یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور

اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَہٗ نَذِیْرًا ۝ (الفرقان ۲۵:۷)

بازاروں میں چلتا پھرتا ہے (اگر وہ رسول ہی تھا تو) اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہ بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (الاسراء ۱۷:۹۴)

انہوں نے کہا۔ کیا اللہ نے ایک آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

وہ گمان کرتے تھے کہ منصب نبوت و رسالت کے حامل کے لئے فرشتہ ہونا ضروری ہے جو ہر قسم کی انسانی حاجات و ضروریات سے منزہ و مبرا ہو۔

عرب میں بت پرستی کا بانی عمرو بن لحی تھا عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے عمرو نے بنی جرہم کے ساتھ جنگ کی اور انہیں مکہ سے جلاوطن کر دیا خود حرم کا متولی بن بیٹھا' ایک دفعہ کسی سنگین مرض میں مبتلا ہوا تو کسی نے اسے بتایا کہ ملک شام میں بلقاء کے مقام پر ایک گرم پانی کا چشمہ ہے اگر تم وہاں جا کر اس پانی سے غسل کرو تو شفایاب ہو جاؤ گے یہ بلقاء پہنچا اس چشمے کے پانی سے غسل کیا تو صحت یاب ہو گیا وہاں کے باشندوں کو اس نے دیکھا کہ وہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں آس نے ان سے پوچھا۔

ما ھذا؟ فقالوا نستسقی بھا المطر و نستنصر بھا علی العدو (تاریخ الاسلام '۱:۴۹)

تم یہ کیا کر رہے ہو انہوں نے بتایا ہم ان کے ذریعے بارش طلب کرتے ہیں اور ان کے ذریعے سے دشمن پر فتح حاصل کرتے ہیں۔

اس نے کہا مجھے بھی ان بتوں میں سے چند بت دو' انہوں نے حسب خواہش اسے چند بت دے دیئے' وہ انہیں لے کر مکہ آیا اور خانہ کعبہ کے اردگرد انہیں نصب کر دیا' کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا اس لئے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہو گیا۔

ہر چند اس سرزمین پر کثرت مشرکین کی ہی تھی مگر کہیں کہیں یہودی' عیسائی اور مجوسی بھی آباد تھے قبیلہ ربیعہ اور غسان دونوں نصرانیت کے پیروکار تھے' بنو قضاعہ

میں بھی کچھ لوگ عیسائیت قبول کر چکے تھے' مکہ معظمہ میں ورقہ بن نوفل' اور کچھ لوگ بھی عیسائی ہو گئے تھے۔

بنو حمیر' کنانہ' حرث اور بنو کندہ' یہ یہودی قبائل تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کا کافی عمل دخل تھا انہوں نے وہاں کئی درسگاہیں جنہیں بیت المدارس کہتے تھے' کھول لی تھیں جن میں باقاعدہ یہودیت کی تعلیم دی جاتی تھی' خیبر کی ساری آبادی یہود پر مشتمل تھی۔

قبیلہ بنو تمیم مجوسی تھا یہ لوگ عملاً آتش پرست تھے آگ ہی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے اس کفر و شرک اور فسق و فجور کے ماحول میں خال خال فطرتِ سلیم کے حامل افراد بھی ملتے تھے جن کا اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین محکم اور اس کی صفات کمال پر پختہ ایمان تھا' معبودان باطلہ سے قطعاً بیزار تھے ظلمت کفر میں ان کا وجود منبع انوار تھا۔

۲۔ سیاسی حالت

ریگزار عرب میں ظہور اسلام سے قبل کوئی مرکزی حکومت نہ تھی' نہ ہی کسی قسم کا کوئی سیاسی اتحاد معرض وجود میں آیا تھا' سرداری نظام اپنی تمام تر قباحتوں کے ساتھ عرب کی سیاسی' سماجی اور تمدنی زندگی میں موجود تھا' قبائل اکثر آپس میں دست و گریباں رہتے جنگ و جدل اور قتل و غارت گری روز مرہ کا معمول تھا' ذرا ذرا سی بات پر بھویں تن جاتیں اور تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں' یہ قبائل وسیع ریگستانوں میں تسبیح کے دانوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے اور شاید اسی لئے یہ بیرونی حملوں سے محفوظ و مامون رہے۔ اس وقت عالمی سطح پر دو سپر پاورز روم اور ایران کا سکہ چلتا تھا' شاہانہ جاہ و جلال اور اقتدار کا کروفر وہ جادو تھا جو سر چڑھ کر بول رہا تھا' طاقت کے نشے میں سرشار یہ دونوں عالمی قوتیں پوری دنیا کے مقدر کا فیصلہ کرتیں خود کو آزاد تصور کرتیں اور اپنی عسکری قوت کے بل بوتے پر کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھیں' ملوکیت کی گرفت انسانی معاشروں پر بہت مضبوط تھی' زنا' شراب' جوا' اور حرام کاری حکام بالا کا امتیازی نشان بن کر رہ گیا تھا نفس کی تسکین کے سوا ان کا کوئی دوسرا مشغلہ نہ

تھا' اخلاقی قدریں دم توڑ چکی تھیں آسائشات کو ہی مقصود زندگی ٹھہرایا گیا تھا' اخلاقی پستی' ذہنی انتشار اور فکری پراگندگی ان معاشروں کو گھن کی طرح چاٹ رہی تھی لیکن خواب غفلت میں مدہوش حکمران اپنے عشرت کدے آباد کئے ہوئے تھے' وہ اپنی ذات کے حصار سے نکل کر توقیر آدم کے بحالی کے کسی تصور سے آشنا تک نہ تھے۔ ان کی اس تعیش پرستانہ زندگی اور عرب کے مخصوص جغرافیائی حالات اور بے آب و گیاہ صحراء میں استعماری طاقتوں کے لئے کوئی کشش اور دلچسپی نہ تھی' روم عرب پر حملہ کرنے کے باوجود ناکام رہا تھا۔

اس کامیابی کے راستے میں یہاں کا صحرائی و ریگستانی علاقہ' دوسرا مرکزی حکومت و نظام کا فقدان رکاوٹ بن گیا' کوئی بھی قوت انہیں شکست دے سکی اور نہ ہی ان پر غلبہ پا سکی' ان کا نظام قبائلی تھا' شیخ قبیلہ کا انتخاب قابلیت و صلاحیت' شجاعت و بہادری' عمرو تجربہ کاری اور فہم و فراست کی بناء پر ہوتا تھا' انتخاب کے بعد قبیلے کے تمام افراد شیخ کی اطاعت اور اس کے فیصلوں کے پابند ہوتے تھے مگر وہ فیصلہ کرنے سے قبل قبیلے کے بااثر' سن رسیدہ اور تجربہ کار افراد سے مشورہ کرلیتا تھا' اپنے قبیلے کو متحد و منظم رکھتا تھا ہر قبیلے میں عصبیت کا جذبہ بہت زیادہ تھا اور ہر قبیلہ دوسرے قبائل سے خود کو اعلیٰ و ارفع تصور کرتا تھا' مرکزی نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے جملہ قبائل کو متحد رکھنے کا کوئی اصول و ضابطہ نہ تھا' ہر کوئی اپنی من مانی کرتا تھا جس کے نتائج کا بسا اوقات وہ عرصہ دراز تک سامنا کرتا رہتا تھا۔

۳۔ معاشی حالت

معاشی اعتبار سے عرب میں ہر قسم کے طبقات موجود تھے قرآن نے عرب کو وادی غیرذی ذرع فرمایا ہے اس خطے کا بیشتر حصہ بنجر' خشک اور بے آب و گیاہ تھا' عربوں کی اکثریت غربت کا شکار تھی' یہاں کے باسیوں کے عام پیشے' زراعت' تجارت اور گلہ بانی تھے۔

عرب وسیع و عریض ریگستان پر مشتمل ہے جہاں کہیں سبزہ اور پانی کے آثار

ملتے وہیں کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی زیادہ تر آبادی نخلستانوں' چراگاہوں اور پانی کے چشموں کے قریب مقیم تھی البتہ مکہ میں ایسی صورت حال نہ تھی' طائف اور مدینہ منورہ میں کھیتی باڑی ہوتی تھی جنوبی علاقے میں یمن کی خوشحالی کا راز زراعت کی ترقی میں تھا عام طور پر جو بھی کسی زمین کو آباد کرتا تھا وہی اس کا مالک بن جاتا تھا۔

عربوں کی اکثریت تجارت کو اپنا مرغوب اور محبوب پیشہ سمجھتی تھی' مکہ اور طائف کے باشندے بالعموم تاجر تھے' حضور نبی اکرم ﷺ کے جد امجد ہاشم نے قیصر روم' کسریٰ ایران' نجاشی حبشہ سے ان کے ملکوں میں تجارت کے لئے اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا جس کے باعث قریش کے تجارتی قافلے آزادانہ طور پر عراق' عمان' فلسطین' شام' مصر' یمن اور حبشہ میں سال میں دو مرتبہ بلا خوف و خطر جاتے رہتے تھے' مذہبی قیادت و سیادت کی بنا پر قریش کے قافلے ڈاکہ و رہزنی سے محفوظ رہتے تھے حتیٰ کہ بسا اوقات دوسرے تجارتی قافلوں سے لوٹا ہوا مال ڈاکو انہیں بطور نذر و نیاز کے دے دیتے تھے۔

گلہ بانی بھی عربوں کا اہم ترین پیشہ تھا بہت سے معزز لوگ اس پیشے سے وابستہ تھے' بدوی عربوں کا یہ واحد جائز ذریعہ معاش تھا مجموعی طور پر عربوں کی اقتصادی حالت ناگفتہ بہ تھی' غربت نے اپنے سائے بہت دراز کئے ہوئے تھے' کھانے کو روٹی' پہننے کو کپڑا آسانی سے میسر نہ تھا' اس معاشی کسمپرسی اور تنگی نے انہیں غارت گر اور راہزن بنا دیا تھا لوٹ مار میں اس قدر آگے بڑھے کہ یہ ان کا قومی شعار بن کر رہ گئی اور یہ نہ صرف ان کا "ذریعہ معاش" تھی بلکہ "شہرت" کا سبب بھی بن گئی تھی۔ قبیلہ طے اسی وجہ سے پورے عرب میں مشہور تھا۔ دیگر قبائل میں سے بھی ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے مال و دولت' مویشی اور اہل و عیال پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے تیار رہتا تھا سوداگروں کے قافلے کسی بھاری انعام کے بغیر کبھی بھی سلامتی سے نہیں گزر سکتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی عورتوں' بچوں اور غلاموں کو پکڑ کر فروخت کر دیتا تھا۔

معیشت' سود در سود کی زنجیر میں جکڑی ہوئی تھی' غربت اور سود نے عام آدمی کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی' سودی نظام کے بطن سے پھوٹنے والی تمام قباحتیں

عرب معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی تھیں' سرمایہ داروں نے سود کا جال اس طرح پھیلا رکھا تھا کہ اس سے نکلنا عام آدمی کے بس کی بات ہی نہ تھی' کاشتکار اور غریب طبقہ بری طرح اس ظلم کی چکی میں پس رہا تھا' سود در سود کی لعنت کی وجہ سے وہ اس حد تک قرض کے بوجھ میں دب گئے تھے کہ قرض کی عدم ادائیگی پر ان کی جائیداد اور جملہ اثاثے ضبط ہو جاتے تھے حتی کہ یہ خود غلام بن کر رہ جاتے تھے اور ان کے بیوی بچے بھی غلام بنا لئے جاتے تھے۔

۴۔ معاشرتی و سماجی حالت

عرب کا معاشرہ جو جاہلیت و عصبیت کی عملی تفسیر تھا مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا نسلی تفاخر اور برتری کا احساس اس معاشرے کا اساسی رویہ تھا بعض خاندان دوسرے خاندانوں کے ساتھ بہت سی رسوم و عادات میں شرکت تک پسند نہیں کرتے تھے۔یہاں تک کہ حج کے کچھ مناسک بعض قبائل کے ساتھ سرانجام نہیں دیئے جاتے تھے۔خود کو ہر قیمت پر ممتاز رکھنا عربوں کی فطرت میں شامل ہو چکا تھا' میدان عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا عار سمجھتے تھے۔ ایک طبقہ آقاؤں' ظالموں' جابروں کا تھا تو دوسرا طبقہ کمزور و نحیف اور مظلوموں کا تھا۔ طبقاتی کشمکش اپنے عروج پر تھی' غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی عزت و آبرو محفوظ تھی اور نہ ہی جان و مال حتی کہ انہیں بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا' صدائے احتجاج بلند کرنے اور اپنے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے عملی جدوجہد کی کسی میں جرأت نہ تھی' جنگل کا قانون "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" جاری و ساری تھا امن و امان نام کی کسی چیز کا وجود تک نہ تھا ہر کسی کی مرضی و خواہش ہی قانون کا درجہ رکھتی تھی' پورا معاشرہ بدامنی و بے اطمینانی خوف و ہراس اور ناحق قتل و غارت گری کی آگ میں جل رہا تھا' نیکی و بھلائی کی بجائے بدی اور شر کی قوتوں نے سارے معاشرے کو اپنے آہنی شکنجوں میں لے لیا تھا' بدی غالب تھی جبکہ نیکی مغلوب اور شرافت بزدلی کے مترادفات میں شامل تھی' عورت کو معاشرے میں کوئی مقام حاصل نہ تھا اسے

وراثت سے محروم رکھا جاتا بلکہ بذات خود اسے مال وراثت سمجھا جاتا تھا' باپ کے مر جانے پر اس کی کل بیویاں سوائے حقیقی ماں کے' سب بیٹے کے تصرف میں آجاتی تھیں۔

نکاح کی کوئی حد نہ تھی دو حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جائز تھا طلاق دینے میں کوئی پابندی و قدغن نہ تھی بات بات پر طلاق دیتے اور اسے لٹکائے رکھتے عورت جب بیوہ ہو جاتی تو ایک سال تک گھر سے باہر تنگ کوٹھڑی میں قید با مشقت کی زندگی گزارتی عورت کا مہر اس کے باپ کو ملتا تھا جبکہ اس کا خود اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا شعراء کے اشعار کا زیادہ تر موضوع عورت تھی' وہ اشعار میں بڑے فخریہ انداز سے انتہائی سفلی' اور غلیظ جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

عورت مجموعی طور پر بد ترین مخلوق اور ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی' رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ لڑکی پیدا ہوتی تو اہل خانہ کے چہرے غصے سے سرخ و سیاہ ہو جاتے شرم کے مارے لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے حتیٰ کہ اسے زندہ درگور کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاتے۔

قرآن حکیم نے ان کی اس حالت کو یوں بیان کیا ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ

(النحل' ۱۶:۵۸-۵۹)

اور (صورت حال یہ ہے کہ) جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی بشارت ملتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غصہ پی کر رہ جاتا ہے (دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے) (اور) اس خبر پر (کہ اس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی) وہ اپنی قوم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (کہ ان کو کیا منہ دکھائے اور سوچتا ہے) کہ آیا اسے ذلت کے ساتھ لئے رہے یا اسے مٹی میں دبا دے۔

گناہوں کی دلدل میں ڈوبے ہوئے معاشرے میں مالک و مملوک کا تعلق

انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں پر مبنی تھا' جانوروں کی طرح غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی' ان کی منڈیاں لگتیں' ان سے قبیح و گھناؤنے جرائم کرائے جاتے تھے' عریانی و فحاشی اور بے حیائی نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا' سارا سماج گھٹن کا شکار تھا' استحصالی قوتیں دندناتی پھر رہی تھیں' سوچ کے بند دریچوں پر ہوائیں بھی دستک دینے کا فن بھول چکی تھیں۔

۵۔ اخلاقی حالت

عربوں کی اخلاقی حالت پستی وزوال کی انتہا کو پہنچ چکی تھی' عفت و عصمت' تہذیب و شرافت کے تصورات قصہ پارینہ بن چکے تھے' معمولی معمولی سی بات پر لڑ مرنا' ایک دوسرے کا سر اڑا دینا ان کے نزدیک کوئی بُری بات نہ تھی ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرپیکار تھا' ہر بچہ اپنے باپ اور عزیزوں کے قاتل سے انتقام لینے کے جذبے میں پرورش پاتا تھا۔ جوان ہو کر اپنے جذبہ انتقام کی آگ کے سرد کرنے کو ہی اپنا مقصد اولیں بنالیتا تھا یوں ایک ایک لڑائی کا سلسلہ برسوں تک قائم اور جاری رہتا تھا جنگ و جدال کے اس ماحول میں لڑنا' مرجانا اور مارنا جاہلیت کا شرف اور قبیلے کی آن سمجھی جاتی تھی ان لڑائیوں میں سفاکی' بے رحمی اور قتل و غارت کی بدترین مثالیں پیش آتی تھیں' اسیران جنگ کا ایک ایک عضو کاٹ کر اور انہیں مسلسل اذیت میں مبتلا کر کے موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا' دشمنوں کا جگر نکال کر کچا چبالیا جاتا تھا اور ان کے کاسہ سر میں شراب پی جاتی۔

عربوں میں حیوانی اور انسانی جان کا احترام بالکل ختم ہو چکا تھا' حرام و حلال کی قطعاً انہیں کوئی تمیز نہ تھی' وحشت و بربریت' جہالت و تاریکی کا دور دورہ تھا' زندہ جانوروں کے حصے کاٹ کر کھائے جاتے تھے' بعض نجس جانوروں کا گوشت کھانے میں عار محسوس نہ کرتے تھے درندوں کے نوچے ہوئے جانور کو بھی کھانے سے احتراز نہ کرتے تھے اہل عرب میں عریانی و بے حیائی' قمار بازی' زناکاری جیسے اخلاقی جرائم عام تھے' مادر زاد ننگے خانہ کعبہ کا طواف کرتے۔ کھلے میدانوں میں بالکل ننگے نہاتے حتیٰ کہ

بھری محفل میں از راہ مذاق ستر کھول دیتے تھے۔

شراب اور جوا ان کے محبوب مشغلے تھے' شراب نوشی کا اس قدر رواج تھا کہ ہر گھر میکدہ بنا ہوا تھا' مست ہو کر طرح طرح کی خرافات اور واہیات بکنا ان کا معمول بن چکا تھا۔ عرب نہایت سنگدل واقع ہوئے' جانوروں کو درختوں سے باندھ کر تیر اندازی کی مشق کرتے' حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیتے تھے' مجرموں کو حد درجہ وحشیانہ سزائیں دیتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مجموعی طور پر عربوں کو بت پرستی' فسق و فجور' قتل و غارت گری' چوری و راہزنی' شراب نوشی' قمار بازی' بدکاری و سود خوری' فحاشی و بے حیائی' بد اخلاقی و بے راہروی' بربریت و خونخواری' بے رحمی و سفاکی جیسی بیماریوں اور برائیوں نے ہر ہر جہت سے زوال و پستی کا شکار کر دیا تھا۔ قرآن حکیم نے بڑے جامع انداز میں ان کی مجموعی حالت کی تصویر کشی یوں کی ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم' ۳۰:۴۱) — خشکی اور تری میں (ہر طرف) فساد پھیل گیا تھا۔

باب۔ ۴

شہر مکہ اور اس میں رائج الوقت نظام

اب ہم قدیم شہر مکہ کا بعض خصوصی حوالوں سے ذکر کرتے ہیں جنہیں ڈاکٹر حمید اللہ نے "شہری مملکت مکہ" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

ا۔ شہر مکہ کا جغرافیہ اور اس کا ماحول

۱۔ جزیرہ نمائے عرب کا شمالی و مغربی حصہ زیادہ تر بنجر اور صحرا ہے۔ ایک چھوٹا سا نخلستان اور چشمہ بھی ہو تو لوگوں کو وہاں آ کر بس جانے کے لئے کافی ہوتا ہے اور اگر کسی بڑی تجارتی شاہراہ پر ایسے قدرتی انتظامات پائے جائیں تو وہاں کسی بستی کے بس جانے کے لئے اور بھی زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ مکہ کاروانی راستوں پر ایک اہم اسٹیشن تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں ایک گنجان آباد شہر بن گیا تھا۔ جہاں وہ آیا جایا کرتے تھے۔ عرب مولف لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں گھنے جنگل اور اچھی چراگاہیں اس وادی میں پائی جاتی تھیں جہاں اب مکہ بسا ہوا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے جد اعلیٰ قصی نے جنگل کا بڑا حصہ صاف کر دیا تاکہ اپنے اور اپنے قبیلے والوں کے گھروں کے لئے کعبہ کے اطراف جگہ فراہم کی جائے۔ بعد کے زمانوں کے متعلق بھی ہمیں اسی طرح کے ثبوت ملتے ہیں۔ مکہ تجارت کے لئے شام' یمن اور طائف و نجد جانے والے کاروانوں کا جنکشن تھا اور چشمہ زمزم کے قریب آباد ہوا تھا۔ اور ہر طرف بلند اور ناقابل تسخیر پہاڑیوں نے اسے جنگی نقطہ نظر سے بھی محفوظ بنا دیا تھا۔ شہر نے نہ معلوم کیوں بکثرت نام اختیار کئے۔ ان میں سے ام القری' مکہ اور بکہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں۔

(ابراہیم '۱۴:۳۷) (سیرت ابن ہشام:۱۸۰)(اخبار مکہ:۴۷)

۲۔ قدیم یونانی شہروں کے دو حصے ہوتے تھے۔ "پولس" اور "استو" یعنی بلند اور پست حصہ ہائے شہر' نامعلوم زمانے سے مکہ بھی دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ معلات (بلندی)

ا ر سفلہ (پستی) اور یہ تقسیم آج تک پائی جاتی ہے۔ کسی قدیم زمانے میں ان دونوں حصوں کا نام مکہ اور بکہ رہا ہو گا۔ چنانچہ ازرقی نے اپنی تاریخ مکہ میں بیان کیا ہے کہ بکہ وہ مقام ہے جہاں کعبہ تعمیر ہوا ہے۔ اور مکہ پوری بستی کا نام ہے۔ قرآن مجید سے ہمیں اس کی تائید ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے۔

"وہ پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (بغرض عبادت) بنایا گیا وہ ہے جو بکہ میں ہے"

(آل عمران '۳:۹٦)

اور ایک دوسری آیت میں ہے۔

"یہ وہی تھا جس نے ان کو تم پر حملہ کرنے سے وادی مکہ میں روک دیا تھا۔"

(الفتح '۴۸:۲۴)

مکتین (دو مکے) کی اصطلاح قریتین (دو شہر) کے معنوں میں ابن ہشام نے استعمال کی ہے جس سے مکہ اور طائف کی دو بستیاں مراد لی گئی ہیں۔ اس سے بھی اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے۔ (اخبار مکہ:۱۹٦) (سیرت ابن ہشام:۱۲۱)

۳۔ ظاہر ہے کہ معززین معلات (بلندی) میں رہتے تھے اور شہر کی عبادت گاہ اور قبرستان بھی وہیں آباد تھے۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ جب قصیٰ نے مکہ پر قبضہ کر لیا تو اپنے تمام رشتہ داروں کو ظواہر یعنی مضافات شہر سے بطحاء یعنی مرکز شہر میں منتقل کر دیا تھا اور عبادت گاہ یعنی کعبے کے سامنے ہی دار البلد تعمیر کیا' جس کا نام دار الندوہ (مشورہ گاہ) رکھا گیا۔ مکہ کی عبادت گاہ (کعبہ) دیوتاؤں کا ایک آماجگاہ (دیوستھان) PANTHEON بن گیا تھا۔ جہاں ۳٦۰ بت تھے جو مختلف قبائل کے معبودوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ لات اور عزیٰ اصل میں بالترتیب طائف اور نخلہ کے لوگوں کی دیویاں تھیں اور کعبہ کے احاطے میں بھی ان کے مثنی (DUPLICATE) سے پائے جاتے تھے اور مکہ والوں کے نزدیک بھی ان دیویوں کا بڑا احترام تھا۔

(اخبار مکہ : ۳۴) (دیورژے کی فرانسیسی کتاب Desvergers Arabie : ۱۰۱)

(تاریخ طبری:۱۳۹۵) (سیرت ابن ہشام:۵۵)

۴۔ یونانی شہروں ہی کی طرح مکہ کے اطراف بھی ایک ماتحت سرزمین تھی' جسے حرم

کہتے تھے اور جو تخمیناً سوا سو مربع میل پر مشتمل تھی۔ اسلام نے حدود حرم میں مزید توسیع کر دی اور شہر کی وہ سرحدیں قرار دیں جو اب "میقات" کہلاتی ہیں۔ اور جہاں سے حاجیوں کو اپنا معمولی لباس اتار کر احرام پہننا پڑتا ہے۔

۵۔ یہ نہیں معلوم ہو تا کہ اس زمانے میں مکہ میں کوئی بازی گاہ' گھوڑ دوڑ کا میدان' کسی مہم پر روانہ ہونے کے لئے اجتماع گاہ اور محصورہ و محفوظ چراگاہیں تھیں یا نہیں' مدینہ اور دوسرے شہروں کی حد تک البتہ ان چیزوں کا کافی پتہ چلتا ہے' مکہ کے ایک محلے کا نام "اجیاد" ہے جس کے معنی اچھی نسل کے گھوڑوں کے ہیں' اگرچہ یاقوت وغیرہ اس کی وجہ تسمیہ کچھ اور بتاتے ہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ اس کو گھوڑ دوڑ سے بھی کچھ تعلق رہا ہو۔ بازی گاہ کے سلسلے میں الفاکہی نے لکھا ہے کہ مکہ میں کرگ اور کرج نامی کھیل سے بڑی دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہر محلے میں اس کے میدان تھے۔ تماش بین کثرت سے وہاں جاتے تھے۔

۶۔ مکہ جس مقام پر آباد ہے وہاں ایک گہری وادی ہے جس کے چاروں طرف اونچے اور ناقابل عبور پہاڑ ہیں۔ شہر میں صرف ایک شاہراہ ہے' جو ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف نکل جاتی ہے۔ ذیلی راستے شہر میں آنے جانے کے لئے صرف دو ہیں۔ یہاں کے باشندوں کو اس بات کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ فصیل بھی تعمیر کریں۔ اس کے باوجود ہمیں قطب الدین کی تاریخ مکہ میں حسب ذیل ذکر ملتا ہے۔

> "قدیم زمانوں میں مکہ میں بھی شہر پناہ کی دیواریں پائی جاتی تھیں' چنانچہ معلات کے رخ جبل عبداللہ بن عمر اور اس کے سامنے کے پہاڑ کے مابین ایک وسیع دیوار پائی جاتی تھی۔ اس میں ایک دروازہ تھا جس پر لوہے کے پتر چڑھے ہوئے تھے"۔

ایک اور دیوار مسفلہ کے رخ میں بھی درب الیمن نامی محلے میں تعمیر کی گئی تھی' تقی الدین الفاسی نے بیان کیا ہے کہ معلات میں مذکورہ بالا دیوار کے علاوہ ایک اور دیوار بھی تھی۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ مکہ کی یہ دیواریں کب تعمیر ہوئی تھیں اور ان کو کس نے تعمیر کیا تھا اور ان کی مرمت کس نے کی تھی۔" میں نے بعض تاریخوں میں

دیکھا ہے کہ عباسی خلیفہ المقتدر کے زمانے میں ایک دیوار پائی جاتی تھی" (کتاب مذکورہ: ۷)

۸۔ مورخین کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ پہلا شخص جس نے کعبہ کے اطراف گھر تعمیر کئے وہ قصی تھا۔ اس جدت یا بدعت پر عوام کو آمادہ کرنے کے لئے اس نے یہ استدلال کیا کہ

"اگر تم کعبہ کے اطراف میں رہنے لگو تو لوگ تم سے ڈرا کریں گے۔ اور لوٹ مار کے لئے تم پر حملہ کرنے سے باز آجائیں گے"۔

اور یہ کہ کر قصی نے سب سے پہلے خود ہی اپنے لئے مکان تعمیر کیا' جس میں قومی مشورہ گاہ یعنی دارالندوہ بھی تھا۔ یہ کعبہ کے شمالی رخ تعمیر ہوا۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اس جگہ تھا جہاں حنفی مصلی بنا ہوا تھا۔ مکہ کی اس عبادت گاہ کے باقی تین طرف جو زمین تھی وہ قصی نے قریشی قبائل میں بانٹ دی جہاں انہوں نے اپنے رہنے کے گھر تعمیر کر لئے۔ (کتاب مذکورہ: ۳۴)

۲۔ شہر مکہ کا سیاسی نظام

۱۔ ابن عبد ربہ اور دیگر مولفین بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں دس ہی سرکاری عہدے تھے جن کو دس قبائل کے سردار موروثی طور سے انجام دیا کرتے تھے۔

۲۔ حقیقت میں دس سے بھی زیادہ اداروں کا پتہ چلتا ہے جن کی تفصیل عرب مولفین کی کتابوں کی ورق گردانی پر معلوم ہو سکتی ہے۔ ابن عبد ربہ نے اگرچہ صراحت سے بیان کیا ہے کہ مکہ میں سردار دس ہی تھے لیکن خود اسی مؤلف نے سترہ عہدوں کے نام گنائے ہیں اور بعض سرداروں کو ایک سے زیادہ عہدوں پر مامور بتایا ہے۔ ان سترہ عہدوں پر ہم موجودہ مواد سے چار پانچ عہدوں کا بڑی آسانی سے اضافہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک فہرست یہ ہے۔

(۱) ندوہ	(۱۳) رَفادہ
(۲) مشورہ	(۱۴) اموال محجرہ

(۳) قیادہ
(۴) سَدانہ
(۵) حجابہ
(۶) سقایہ
(۷) عمارۃ البیت
(۸) اِفاضہ
(۹) اِجازہ
(۱۰) نسی
(۱۱) قبہ
(۱۲) أعنہ
(۱۵) اَیسار
(۱۶) اَشناق
(۱۷) حکومہ
(۱۸) سفارہ
(۱۹) منافرہ
(۲۰) عقاب
(۲۱) لِواء
(۲۲) حلوان النفر
(۲۳) چادر الکعبہ

۳۔ اولاً آبادی یا شہریوں کو "جماعہ" کا نام دیا جاتا تھا۔ یہ لفظ جناب رسالت مآب ﷺ نے بھی برقرار رکھا اور اس سے مراد آپ کے زمانے میں آپ کے متبعین کی پوری جماعت ہوتی تھی۔ جو باقی دنیا سے ممتاز ایک وحدت تھی اور بحرین کے حکمران کے نام جو مکتوب نبوی ﷺ بھیجا گیا اس میں بھی اسے دعوت دی گئی ہے کہ وہ اس "جماعہ" میں شریک ہو جائے۔

"ملت کا لفظ سیاسی سے زیادہ مذہبی مفہوم رکھتا تھا' قرآن مجید میں "قوم" کا

لفظ ایک وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے' اور اس میں نہ صرف عام رائے دہندگان شہر' بلکہ ایک حد تک جملہ ساکنین ملک شامل ہوتے ہیں' جن لوگوں کو حق رائے حاصل ہوتا تھا اور جو شوری عموی میں حصہ لینے کے مجاز ہوتے تھے ان کو قرآن میں ہمیشہ "ملاء" کے نام سے یاد کیا گیا ہے' اور یہ "ملاء" کی "تراضی" یعنی رضامندی ہی ہوتی تھی جس کے مطابق مقامی حکمران فیصلہ کرتا' چنانچہ قرآن مجید میں بھی لفظ "تراضی" استعمال ہوا ہے۔ (مغازی: ۵۹) (طبقات ابن سعد: ۲) (البقرہ' ۲: ۱۳۰) (الاعراف' ۷: ۶۰ تا ۷۵) (البقرہ' ۲: ۲۳۳)

۴۔ مکہ میں جو دارالندوہ تھا اس میں صرف معمر اہل مکہ شریک ہو سکتے تھے۔ چنانچہ

ازرقی اور ابن درید نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ دارالندوہ کے اجلاس میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے تھے جن کی عمر کم از کم چالیس سال کی ہو' صرف حاکم شہر قصی کے بیٹوں کو یہ رعایت حاصل تھی کہ وہ عمر کی اس شرط سے مستثنیٰ تھے۔ غالباً اسی حق رائے کی چالیس سالہ عمر کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید میں "حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً" (الاحقاف '۴۶: ۱۵) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے' یہ قصی کے زمانے کا ذکر تھا بعد کے زمانوں میں کچھ نرمی نظر آتی ہیں' چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابوجہل کو تیس سال کی عمر میں اس کی عمدہ رائے کے باعث دار الندوہ کے اجلاس میں شریک کیا جاتا تھا۔ اور حکیم بن حزام کو تو بیس یا پندرہ سال کی عمر میں یہ عزت حاصل ہو گئی تھی۔ یونان کے شہر اسپارٹا میں تو مجلس شوریٰ واقعی مجلس معمرین تھی' چنانچہ ساٹھ سال سے کم عمر کا کوئی شخص وہاں کی مقامی مجلس شوریٰ (GEROUSIA) میں شریک ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

(کتاب الاشتقاق : ۹۷) (اخبار مکہ : ۶۴-۶۵) (تاریخ دمشق '۴: ۴۱۹)

۵۔ قصی سے پہلے مکہ والے یا تو کسی کھلے مقام پر مشورے کے لئے جمع ہوا کرتے ہوں گے یا اپنے سردار کے خیمے میں۔ اس غرض کے لئے ایک مستقل عمارت بنانا قصی کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ قصی نے ہی اسے دارالندوہ نام دیا تھا اور جناب رسالت مآب ﷺ کے ملک الشعراء حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس نام کی یاد اپنے اشعار میں باقی رکھی ہے۔ یہ مشورہ گاہ کعبہ کے شمال میں تعمیر ہوئی تھی۔ لیکن زمانہ اسلام میں اسے منہدم کر کے کعبہ کے اطراف جو مسجد حرم بنی اس کی توسیع کے کام میں لایا گیا یہ ظاہر ہے کہ اس مجلس کا انعقاد معینہ اوقات پر نہیں ہوتا تھا' بلکہ وقتاً فوقتاً جب بھی ضرورت پیش آئے ہوتا۔ (دیوان حسان بن ثابت : ۱۸۳) (کتاب الاشتقاق : ۹۷)

۶۔ اسی دارالندوہ میں مشورے ہوا کرتے' جنگوں کا اعلان کیا جاتا یا مدافعتی تدبیروں پر بحث و غور ہوتا' یہیں شادیاں بھی رچائی جاتیں اور تجارتی معاہدے طے ہوتے۔ بیرونی مہمان آتے تو ان کی ضیافت بھی یہیں ہوتی۔ نیلگری کے قدیم باشندوں کی طرح زمانہ قبل اسلام کے مکہ والے بھی ایک رسم کرتے جو لڑکی کے سن بلوغ کو پہنچنے پر انجام دی

جاتی اور اسے ایک نئی اور پوری قمیص پہنائی جاتی اور وہ بے نقاب آتی اور بے نقاب ہی جاتی۔ گھر پہنچنے کے بعد اس پر پابندیاں عائد ہو جاتیں۔ اس رسم کا منشا یہ تھا کہ لڑکی کے قابل نکاح ہونے کا اعلان کیا جائے اور خواہشمند آگاہ ہو کر رونمائی کے لئے آسکیں۔ یہ رسم بھی دارالندوہ ہی میں انجام پاتی۔ (مکہ:۷۶) (مغازی: ۲۳) (نیلگری: ۱۶) (سیرت ابن ہشام: ۸۰)

۷۔ دارالندوہ شہر مکہ کا مرکزی دارالبلد تھا۔ اس کے علاوہ شہر میں جتنے محلے یعنی قبائلی آبادیاں تھیں اتنی "مجالس" محلہ بھی تھیں۔ ان کو "نادی" کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ شہر مدینہ میں محلہ وار مجالس کو سقیفہ یعنی مسقف سائبان کا نام دیا گیا تھا۔ نادی اور ندوہ دونوں کا مادہ "ندا" ہے۔ قرآن مجید نے لفظ نادی کو حیات جاوید عطا کر دی ہے۔ اور فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ اور تَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ دو مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے اور ماضی مضارع کے صیغے بھی ان کے علاوہ مستعمل ہوئے ہیں۔ ان نادیوں یا قبائلی مجالس محلہ میں اجنبیوں کو معاہدے کے ذریعے سے مولا یعنی فرد خاندان بنانے کی رسم بھی انجام دی جاتی تھی اور کسی فرد خاندان کو بے راہ روی وغیرہ پر خاندان سے لاتعلق کرنے کا اعلان بھی وہیں کیا جاتا تھا۔ محلے والے اور بعض وقت دیگر محلوں کے دوست بھی چاندنی راتوں میں یہاں جمع ہو کر مسامرہ یعنی شبانہ قصہ گوئی کیا کرتے تھے۔ تجارتی معاملات اور کاروانوں کی آمد یا روانگی بھی انہیں قبائلی نادیوں سے ہوا کرتی تھی۔ مظلوم اجنبی وہیں آکر اہل شہر کے خلاف آواز بلند کرتے۔ قریش کی شکست کا پیشین گویانہ خواب ایک عورت نے دیکھا تو اس پر بحث بھی وہیں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کو غلامی سے آزاد کر کے متبنٰی بھی وہیں بنایا تھا۔ (العلق: ۹۶، ۱۷) (العنکبوت: ۲۹،۲۹) (سیرت ابن ہشام: ۲۴۳) (اغانی ۸: ۵۲۔۵۳) (اغانی ۱۳: ۱۱۲) (کتاب المنمق: ۳۲) (ابن ہشام: ۴۲۹)

۸۔ ہمارے مأخذ ندوہ اور مشورہ دو الگ عہدے بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عام فیصلہ ہونے کے بعد افسر "مشورہ" سے رجوع کیا جاتا۔ گویا پارلمان کے دو حصے تھے، ایوان زیریں اور ایوان بالا۔

۹۔ مکہ میں نقیب کا عہدہ بھی پایا جاتا ہے جسے منادی اور موزن کہتے تھے (موزن اپنے ان ابتدائی معنوں میں اب تک شامی بدویوں میں مستعمل ہے) جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجالس کے انعقاد کا ڈھنڈورا پیٹے۔ ہر قبیلے کے سردار کے پاس اس کے اپنے خصوصی ایک یا زائد منادی بھی ہوا کرتے تھے۔ یہ منادی نہ صرف غیر معمولی انعقاد مجالس کی اطلاع مشتہر کرتے تھے بلکہ کسی تقریب یا دعوت میں مدعو کرنا اور کسی فرد کا اس کے خاندان سے تعلق ختم کیے جانے کی اطلاع اور محلوں میں بھی اعلان کرنا انہیں سے متعلق تھا۔ غیر معمولی صورتوں میں منادی کے علاوہ دیگر عام لوگ بلکہ اجنبی اشخاص بھی مجالس بلدیہ کے انعقاد کی اطلاع دینے کے مجاز تھے۔ ایسی صورتوں میں اجنبی لوگ اپنے تمام کپڑے اتار دیتے اور کسی اونچے مقام پر بالکل برہنہ ہو کر دہائی دیا کرتے۔ عربی داں "النذیر العریاں" کی اصطلاح سے اچھی طرح باخبر ہیں بدر میں قریش کے کارواں پر آنحضرت ﷺ کے حملے کے خطرے کی اطلاع مکہ میں ابوسفیان کے قاصد نے اسی طرح دی تھی۔ (تاریخ یعقوبی ۱:۲۸۱)

۱۰۔ مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ قصی پورے شہر کا ایک واقعی مطلق العنان اور باقتدار بادشاہ تھا' جس کا ہر لفظ قانون کا حکم رکھتا تھا۔ بعد کی نسلوں نے شکر گزاری اور احسان مندی کے ساتھ اس کی یاد باقی رکھی اور اسے "مُجَمِّع" کا خطاب عطا کر دیا تھا۔ کیونکہ اسی نے جملہ قریشی قبائل کو جمع اور متحد کر کے شہر میں انہیں دیگر آبادی میں ایک اعزازی حیثیت عطا کر دی تھی۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۰۔ ۸۴)

۱۱۔ قصی کی وفات کے بعد ایک اعیانیت قائم ہو گئی کیونکہ خود قصی نے مختلف انتظامی عہدے اپنے مختلف بیٹوں میں بانٹ دیے تھے۔ بعد ازاں شہر مکہ میں کوئی فردی حکومت نہ رہی تھی۔

۳۔ شہر مکہ کا مذہبی نظام

۱۔ اس قدیم زمانے میں جب ہر شخص بذات خود اپنی حفاظت کرنے پر مجبور ہوا کرتا تھا' کسی ملک کا سب سے اہم ملکی انتظام وہاں کے معبد کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ سدانہ' حجابہ' سقایہ اور عمارۃ البیت اسی سے متعلق تھے۔ ان کے علاوہ اَیسار اور اِزلام کے چرچے

بھی ہم سنتے ہیں۔ اسی طرح وہاں ایسے بھی افراد پائے جاتے تھے' جو مافوق الفطرت طاقتوں کے مالک ہونے کا زعم کرتے تھے۔ جیسے عائف' کاہن' عراف' خریت' منجم بلکہ خود ان لوگوں کی بھی خاصی تعداد جو شاعر کہلاتے تھے۔ اور ان لوگوں کی مزعومہ قابلیتوں سے وقت بوقت زود یقین اہل ملک فائدہ اٹھایا کرتے تھے' وہاں کے لوگوں کا ہاتف پر بھی اعتقاد تھا' جو ایک نظر نہ آنے والے مگر آواز سے باتیں سنانے والے کا نام تھا' بھینٹ بھی چڑھائی جایا کرتی تھی' جسے قربان کا نام دیا گیا تھا' ملک کے دیگر اوہام کا تفصیلی ذکر شاید یہاں غیر ضروری ہو گا۔

۲۔ سدانہ سے مراد معبد کی رکھوالی' اور حجابہ سے مراد معبد کی دربانی ہوتی تھی' اور دروازے کی چابی پاس ہونے سے جس کو چاہے معبد کے اندر جانے دیا جا سکتا تھا اور اس سلسلے میں دربان کو خاصی آمدنی بھی ہو جاتی تھی' یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ قصی نے کعبہ کے دربانی کا عہدہ ایک مشک بھر شراب کے عوض خرید کر لیا تھا۔ اور یہ بھی مشہور واقعہ ہے کہ کس طرح جناب رسالت مآب ﷺ نے فتح مکہ کے بعد دروازہ کعبہ کی چابی وہاں کے قدیم موروثی دربان ہی کو دینی مناسب خیال فرمائی تھی۔ یہ اب تک اسی خاندان میں ہی چلی آ رہی ہے اور سعودی حکومت نے بھی تبدیلی نہیں کی ہے۔ (تاریخ طبری: ۱۰۹۴)

۳۔ سقایہ سے مراد کعبہ کی زیارت کے لئے حج یا عمرے کے زمانے میں آنے والوں کو پانی پلانا اور عمارۃ البیت سے مراد حرم کعبہ کا عام انتظام کرنا تھا' ان دونوں چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ (التوبہ' ۹:۱۹)

۴۔ حجاج کو پانی پلانا مکہ میں بھی ایک منفعت بخش فریضہ ہو گا کیونکہ وہاں پانی کی عام قلت ہے اور زمزم کے کنویں کا مقدس پانی ہر حاجی کو بھی درکار رہتا ہو گا' غالباً مکہ کے باشندے خود اس سلسلے میں کوئی فیس ادا کرنے سے مستثنیٰ رہتے ہوں گے۔ یہ امر البتہ قابل ذکر ہے کہ قصی وغیرہ کے زمانے میں زمزم کا کنواں ناپید ہو گیا تھا۔ (شکست خوردہ جرہمیوں نے اس کو پاٹ ڈالا تھا) تاآنکہ عبدالمطلب نے خواب میں نشاندہی پا کر اسے دوبارہ برآمد کر لیا۔ اس سے قبل عہدہ سقایہ کے سلسلے میں عبدالمطلب کے پاس ایک تو

طائف کے قریب (غالباً جبل کرار میں) ذوالہرم نامی ایک قدرتی چشمہ بھی تھا اور حوضوں میں جمع کیا جانے والا بارش کا پانی بھی۔ اہل مکہ نے کافی قدیم زمانے میں اپنی ذہانت کے باعث پہاڑوں پر مناسب مقامات پر آرکاح (حوض) تعمیر کئے تھے تاکہ بارش کا پانی بہہ نہ جائے بلکہ ان میں جمع ہو جسے وہ بیچ سکیں۔ یہ حوض عبدالمطلب کو وراثت میں ملے تھے ان کی ملکیت پر کچھ جھگڑا ہوا تو عبدالمطلب کو ان کے ننھیال اہل مدینہ نے فوجی مدد بھی دی تھی۔ (انساب بلاذری ۱: ۷۰ '۷۵)

ابن عبد ربہ نے بیان کیا ہے کہ عمارۃ البیت کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ متعلقہ افسر وقت بوقت حرم کعبہ میں گھوم پھر کر نگرانی کیا کرے اور دیکھے کہ کوئی شخص جھگڑے ' گالی گلوچ ' یا بلند شور اور پکار سے اس کے تقدس کو ختم تو نہیں کر رہا ہے۔ اور ایک زمانے میں یہ فریضہ جناب رسالت مآب ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ انجام دیا کرتے تھے۔ (العقد الفرید ' ۲: ۴۶)

انساب بلاذری کے مطابق سقایہ اور رفادہ کے عہدے ابو طالب کو وراثت میں ملے۔ مگر ابو طالب نے مفلسی کے باعث یہ اپنے بھائی عباس کے ہاتھ بیچ دیئے۔ کعبہ کی نگہداشت اور وقتاً فوقتاً مرمت کے لئے بھی "جادر الکعبہ" ایک عہدہ بلاذری نے بیان کیا ہے مگر یہ عہدہ مجلس دہگانہ یعنی مجلس وزراء کا رکن نہ تھا۔

۵۔ معلوم نہیں کہ اسلام سے پہلے جو حج ہوا کرتا تھا وہ بھی اتنے ہی ارکان و مراسم پر مشتمل ہوا کرتا تھا جتنا اب ہے ' یا یہ کہ اس کی بعض چیزیں زمانہ اسلام کا اضافہ ہیں اور وہ چیزیں اسلام سے پہلے حج سے الگ الگ مستقل حیثیت رکھتی ہوں اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں طواف کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی ' دونوں کے لئے ایک ہی لفظ تطوّف ؟ یعنی طواف استعمال کیا گیا ہے۔ (چنانچہ صفا اور مروہ کے سلسلہ میں یَطَّوَّفَ بِهِمَا وارد ہوا ہے تو طواف کعبہ کے لئے وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ کے الفاظ ہیں) اس کے باوجود صفا و مروہ کا طواف نہیں کیا جاتا ' بلکہ ان کے مابین سات مرتبہ آنا جانا پڑتا ہے۔ یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ صفا و مروہ کے سلسلے میں قرآن مجید نے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرہ ' ۲: ۱۵۸) "کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا طواف

کیا جائے" کے الفاظ استعمال کئے ہیں' شاید پہلے ان کا بھی طواف ہوا کرتا تھا جس طرح کہ کعبہ کا لیکن اب قرآن مجید کے اس حکم کی تعمیل' سنت نبوی کی روشنی میں طواف کی جگہ سعی سے کی جاتی ہے۔ حج کے سلسلے میں افاضہ و اجازہ بھی دو عہدے تھے۔ اور ان کو یہ اہمیت حاصل تھی کہ متعلقہ عہدیداران اور ان کے قبیلے سب سے پہلے روانہ ہو سکتے تھے' جب کہ بھیڑ اور ہجوم کم ہوتا (سیرت ابن ہشام: ۷۶)

۶۔ اسلام سے پہلے مکہ والوں کا تمدن جس قدر افتادہ حالت میں تھا' اس کے باوجود انہیں شمسی اور قمری سالوں کا فرق محسوس ہو چکا تھا' چنانچہ اچھے دستی حساب کے مطابق وہ کبھی تیسرے سال اور کبھی دوسرے سال ایک تیرھواں مہینہ بھی قائم کر لیا کرتے تھے جو ذی حجہ اور محرم کے مابین ہوا کرتا تھا۔ کبیسہ بنانے کا یہ کام مختلف مراسم کے ساتھ انجام پاتا تھا۔ اور اس کا اعلان جس افسر کے فرائض میں داخل تھا وہ قبیلہ بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا اور قلمس یا قلنبس کہلاتا تھا۔ شاید یہ لفظ CALENDUS (کیلنڈر والا) سے بگڑا ہوا ہے۔

۷۔ کبیسہ بنانے کے سلسلے میں ہمیں اشہر حرم یعنی حرام اور مقدس مہینوں کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔ دنیا کے دیگر ممالک کی طرح معبد کی زیارت کے لئے جو مذہبی حج ہر سال ایک معینہ زمانے میں کیا جاتا' وہ ساتھ ہی ایک تجارتی میلے کی بھی حیثیت اختیار کر لیتا۔ کیونکہ کچھ تو حج مکہ کے لئے آنے والے نوواردوں کی ضروریات خورد و نوش کے لئے درآمد کی ضرورت ہوتی اور فروخت گاہوں کی بھی' اور خود نو وارد حجاج بھی اپنے ساتھ تجارتی سامان لے کر حج کے ساتھ خانگی کاروبار بھی انجام دے لیتے۔ قرآن مجید نے بھی اس قدیم طرز عمل کو جاری رہنے دیا بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی اور اس کا ذکر یوں کیا

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ، ۲: ۱۹۸) — کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

تجارتی کاروبار کے نفع کو خدا کا فضل قرار دیا۔ اس طرح ہر سال جو میلہ لگا کرتا' وہاں کے مقامی سردار کو جملہ تجارتی درآمد کا عشر یعنی دسواں حصہ محصول درآمد کی صورت میں خوب آمدنی ہو جایا کرتی تھی' اس لئے وہ ہر ممکنہ ذریعے سے اس بات کی

کوشش کرتا تھا کہ بیرونی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں آنے کی ترغیب دے۔ بدرقے یا خفارے کا نہایت منظم اور ترقی یافتہ ادارہ بھی جس میں قریش مکہ کو کافی دخل تھا' اس بارے میں خاصا مددگار ثابت ہوتا تھا۔ حرام مہینوں کا ادارہ بھی اسی غرض کے لئے وجود میں آیا تھا کہ اس زمانے میں لوٹ مار کو مذہبی نقطہ نظر سے ممنوع قرار دینے کے باعث اجنبیوں اور تاجروں کو اس میلے میں آنے کی ترغیب ہو۔ امن کا سب سے طویل زمانہ جو تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے' وہ حج کعبہ کے سلسلے میں مسلسل تین مہینوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ دیگر معبدوں کے حج نسبتاً کم مدت تک امن و امان قائم کر سکتے تھے۔ اس سے لامنس اور اس کے ہم خیالوں کے مسلسل اور پراسرار انکار کے باوجود یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ حج کعبہ کو کس طرح غیر معمولی اور امتیازی اہمیت حاصل تھی' اور وہاں نہ صرف پورے جزیرہ نمائے عرب بلکہ شام اور مصر تک سے حجاج آیا کرتے تھے۔ ضمناً یہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ قریش کے چند ممتاز خاندانوں کو مسلسل آٹھ مہینوں تک "اشہر حرم" حاصل رہتے تھے۔ اور تاریخ نے اس کو بسل کے نام سے یاد رکھا ہے۔ غالباً یہ خانوادے طویل تجارتی سفر کے لئے قافلے لایا اور لے جایا کرتے ہوں گے' جس کے باعث اہل قبائل بھی ان کے چھیڑنے سے باز رہتے ہوں گے' اور جن علاقوں سے گزرتے تھے وہاں والوں کا سامان بھی کوئی معاوضہ اور کمیشن لئے بغیر کاروبار تجارت کے لئے لایا اور لے جایا کرتے ہوں گے' جس کے سبب اہل قبائل بھی ان کو چھیڑنے سے باز رہتے ہوں گے۔ کمیشن کے بغیر قریش کا بعض قبائل کے سامان تجارت کو لانا اور لے جانا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ (اخبار مکہ: ۱۰۷) (سیرت ابن ہشام: ٦٦) (طبقات ابن سعد: ۴۵)

۸۔ مکہ والے تین مسلسل اور چوتھے ایک علیحدہ مہینے کو مقدس تسلیم کرتے تھے' چنانچہ ذی قعدہ' ذی الحجہ اور محرم عرفات کے حج اکبر کے لئے اور رجب حج اصغر یا عمرے کے زمانے میں جب کہ لوگ کعبے کی زیارت کو آتے' قریشی اثر سے ان مقدس مہینوں کا قریب قریب پورے عرب میں احترام کیا جاتا۔ دیگر مقامات کے حج اور میلے کے سلسلے میں بھی حرام مہینے ہوتے۔ (سیرت ابن ہشام: ۹٦۱)

۴۔ شہر مکہ کا مالیاتی نظام

۱۔ کسی مملکت کے نظم و نسق میں مالیے کی اہمیت زمانہ قدیم ہی سے رہی ہے۔ ذہانت کے پتلے قصی نے، کہتے ہیں کہ مکہ والوں پر ایک سالانہ محصول لگانے کا بہت اچھا بہانہ ڈھونڈ لیا تھا کہ حج کے زمانے میں جو غریب حجاج آئیں، ان کی خبر گیری اور "بلدیہ" کی طرف سے حجاج کی عام "صنیعہ" یعنی ضیافت کے لئے (جس کا عرب کے دیگر حصوں میں بھی وہاں کے سرداروں کی طرف سے عام رواج تھا) مصارف میں سب مل کر حصہ لیں، جو بچت ہوتی ہو گی اس سے یقیناً سردار کا خزانہ معمور ہو جاتا ہو گا۔ قصی کا یہ عہدہ خاندان نوفل میں متوارث ہونے لگا تھا۔ یعقوبی نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ قصی نے جب بعض بدعتیں اختیار کیں اور حرم کعبہ کے قریب رہنے کے لئے عمارتیں تعمیر کر لیں، تو باہر سے آنے والے حجاج کی ناراضگی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اس نے بلدی ضیافت کی تجویز پیش کی تھی۔ بہرحال جب یہ رواج پڑ گیا تو قصی اور اس کے جانشین اس سے فائدہ اٹھاتے رہے یہ محصول رفادہ کہلاتا تھا۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۳) (المحبر، ۲ :۶۱۔۶۶) (العقد الفرید، ۲: ۴۵) (تاریخ یعقوبی، ۱: ۲۷۵۔۲۷۶)

۲۔ قصی کو ممکن ہے کہ مال لاوارث کا بھی مستحق تسلیم کر لیا گیا ہو اور جو اجنبی مکہ میں لاوارث مر جاتے ان کا مال قصی ہی کو مل جاتا ہو۔ شہری مملکتوں اور خاص کر میلے کے زمانے میں جو عشر یا "محصول در آمد" لیا جاتا، وہ بھی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ تھا۔ کہتے ہیں کہ مکہ میں زمانہ قبل تاریخ کے عمالقہ بھی عشر لیا کرتے تھے۔ جرہم اور قطورا کے دو قبیلوں نے مکہ میں مشترکہ یا وفاقی حکومت قائم کی تو بھی انہوں نے شہر کے دو حصے کر کے آپس میں بانٹ لئے تھے اور جس حصے سے جو تاجر آتا اس کا عشر اسی حصے والے قبیلے کو حاصل ہوتا۔

۳۔ قصی کے زمانے میں اس تقسیم کی ضرورت نہ تھی اور پورے شہر کا وہ اکیلا سردار تھا۔ ظاہر ہے کہ خود شہر مکہ کے باشندے "محصول در آمد" سے مستثنیٰ تھے۔ محصول در آمد لینے کا یہ رواج عام طور پر عرب کے دوسرے شہروں میں بھی نظر آتا ہے اور وہ عموماً سامان کی مالیت کا 1/10 ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ لفظ عشر خود بتاتا ہے۔ ایک مرتبہ مکہ

میں سامان بلا محصول در آمد کرنے کا ایک دلچسپ واقعہ ازرقی نے بیان کیا ہے کہ جب ایک دفعہ کعبہ میں آتشزدگی ہوئی اور پھر طغیانی نے اس کو بالکل منہدم کر دیا تو مکہ والوں نے جدّہ کی بندرگاہ پر طوفان میں آکر ٹوٹنے والے ایک جہاز کو خرید لیا تھا اور مسافروں کو اجازت دی تھی کہ اپنا بچا کھچا مال لاکر مکہ میں بیچیں' تو ان سے کوئی عشر نہیں لیا جائے گا۔

۴۔ قومی معبد پر جو چڑھاوے ہوتے' ان کی حفاظت کے لئے بھی ظاہر ہے کہ ایک افسر کی ضرورت ہوتی۔ چنانچہ یہ عہدہ جو "اموال محجرہ" کہلاتا تھا۔ موروثی طور پر قبیلہ بنی سہم میں چلا آتا تھا۔ اس مقدس خزانے میں سونے جواہرات کے مرصّع سامان بھی تھے اور آنحضرت ﷺ کی فتح مکہ کے وقت نقد ستر ہزار اونس سونا بھی تھا' جیسا کہ ازرقی نے بیان کیا ہے۔ (اخبار مکہ: ۱۷۰-۱۷۱)

۵۔ آمدنی کا ایک اور ذریعہ جو اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی تھا' یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کوئی اجنبی شخص کعبہ کی زیارت کو آتا تو اسے یا تو کسی مکہ والے کا لباس حاصل کر کے اس میں طواف کرنا پڑتا ورنہ اپنے غیر مقدس اور گناہ آلود لباس کی جگہ کامل برہنگی کی حالت میں یہ رسم انجام دینا پڑتی' چاہے مرد ہو یا عورت اور ظاہر ہے کہ مکہ والے اپنا لباس مفت نہیں دیا کرتے تھے۔ طواف کے بعد اجنبی اسے مطاف میں پھینک دینے پر مجبور تھا جو رفتہ رفتہ دھوپ اور باد و باراں سے گل پھٹ کر تلف ہو جاتا۔ (اخبار مکہ: ۱۲۵)

۶۔ مکہ والوں نے بیرونی حجاج کے قیام طعام کے لئے بھی مصارف دہندہ مہمانوں کا طریقہ رائج کر لیا تھا اور ان کے مہمان انہیں کپڑوں کا جوڑا' قربانی کا جانور یا کوئی اور چیز اس کے معاوضے میں دیتے تو اسے حریم کا نام دیا جاتا تھا اور اس لئے اہل مکہ حرمی کہلاتے۔ چنانچہ محمد بن حبیب نے اسلام سے پہلے جناب رسالت مآب ﷺ کا بھی اس طرز عمل کو اپنانے کا ذکر کیا ہے۔ (کتاب الاشتقاق: ۱۷۱-۱۷۶) (کتاب المحبر: ۱۸۱)

شہر مکہ کا عدالتی و قانونی نظام

۱۔ دیگر ممالک کی طرح عرب کی اجتماعی زندگی میں بھی عمل ارتقاء جاری رہا ہے۔

شروع میں لوگ خانہ بدوش اور بدوی تھے اور چھوٹے چھوٹے کنبوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر مستقل وطن والے قبیلے بنے اور حضری زندگی گزارنے لگے۔ لیکن اس وقت کچھ کنبے کسی نہ کسی وجہ سے پرانے طریق حیات ہی پر گامزن رہے ان دونوں قسم کے ساجوں کے اصول عدل گستری میں فرق ناگزیر تھا۔ خانہ بدوشوں میں لالچ کے باعث ظلم اور جبر سے کسی چیز کا حاصل کرنا آسان نہ تھا' بلکہ فریقین حق وانصاف کے لئے پرامن فیصلہ چاہتے ہوں تو ممکن ہے کہ قرعہ ڈالا جاتا ہو' یا کسی ہمسایہ مشترک جان پہچان کے شخص کو ثالث بنایا جاتا ہو۔ یا کسی "مقدس" مندر یا بت خانے کے پجاری سے رجوع کیا جاتا ہو۔ جو زود یقین لوگوں کے لئے اپنی یا اپنے بت کی غیب دانی وغیرہ کے متعلق لاف وگذاف بھی کرتا ہو۔ عرب میں عاتف' عائف' فال' ٹوٹکے' ازلام وایسار کی "مقدس" قرعہ زنی کے جو تذکرے ملتے ہیں ان سے DELPHI وغیرہ کے یونانی مندروں کی دیوبانی سے کافی اور عجیب وغریب مشابہت نظر آتی ہے (جو غالباً اس بات کا ثبوت ہے کہ یونان کے آریائی اور عرب کے سامی قبائل کے مشترکہ آباؤ اجداد کی عادتوں اور رواجوں کو دونوں ہی نے برقرار رکھا تھا) ساج کے تمدنی ارتقاء سے جب حضری زندگی وجود میں آئی تو اولاً قبیلہ وار حاکم عدالت وجود میں آئے۔ دیگر ممالک کی طرح عرب میں بھی عدالتی "پنچائیت" اور سیاسی "فرمانروائی" دونوں کے لئے ایک ہی

لفظ پایا جاتا تھا۔ چنانچہ "الحکم" کے معنی حکومت کرنے اور مقدمے کا فیصلہ کرنے والوں کے ہوتے ہیں۔ لازماً قبیلے کا سردار اپنے ماتحتوں کے لئے نظم ونسق کا حاکم بھی ہوتا اور حاکم عدالت بھی۔ جھگڑا اگر قبیلے ہی کے دو افراد میں ہوتا تو سردار قبیلہ (جو عموماً فریقین کا معمر رشتہ دار ہوتا) فیصلہ کرتا اور ناحق ظلم کرنے والے فریق کو ڈانٹ ڈپٹ کر چپ کرا دیتا۔ لیکن جھگڑا اگر دو مختلف قبیلوں کے افراد میں ہوتا تو کسی تیسرے قبیلے کے سردار کو ثالث اور پنچ بنایا جانا ناگزیر تھا۔ جس طرح قریشی اہلی مکہ اپنے جھگڑوں میں بلا جھجک دوسروں کے پاس جاتے اسی طرح دوسرے قبائل کے لوگ بھی اپنے جھگڑوں میں قریشیوں کے پاس آیا کرتے۔ تمدن کی ترقی سے جب قبائل کے بعد شہری مملکت کا دور آیا اور قریشی قبائل کا ایک حصہ شہر مکہ میں توطن پذیر ہو گیا تو لازماً عدل گستری کے لئے

نہ صرف پرانے ازلام وایسار برقرار رہے بلکہ بعض نئے ادارے بھی وجود میں آئے۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا' شہری مملکت مکہ کے دس "وزیروں" میں سے چھٹا "اشناق" کے اور دسواں "حکومہ" کے فرائض سے مشغول ہوتا تھا۔ اور یہ دونوں عدل گستری سے متعلق تھے۔ مفصل تصریحات کی غیر موجودگی میں قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ زمانہ حال کی "دیوانی" اور "فوجداری" کی طرح کی کوئی تقسیم تھی۔

۲۔ "حکومہ" کا عہدہ قبیلہ بنی سہم میں وراثتہً چلا آرہا تھا۔ (جس کے ذمے اموال محجرہ یعنی بیت اللہ کے قیمتی چڑھاؤں کی نگرانی کا اہم کام بھی تھا) عام مقدمے اسی کے پاس جاتے اور اسی قبیلے کا سردار فیصلہ تو سناتا لیکن اس کے نفاذ کے وسائل اس کے پاس نہ تھے (یہ چیز عہد اسلام میں رسول اکرم ﷺ نے بڑھائی' اور اسے فرائض مملکت میں شامل فرمایا) زمانہ جاہلیت میں حاکم عدالت کا اعلان حقوق بعض وقت کافی نہ ہوتا۔ اور خاص کر مالدار اور طاقتور ظالم حق رسائی نہ کرتے۔ اسی لئے بنی سہم اور بنی زہرہ نے کہتے ہیں کہ حلف الصلاح کے نام سے رضاکاروں کی ایک جماعت قائم کی کہ مکے میں کوئی قریش یا کوئی حلیف فتنہ وفساد پیدا کرتا اور حق رسانی سے انکار کرتا تو حلف الصلاح کے ارکان دخل دہی کرتے اور صلح صفائی اور حق رسانی کراتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ایک وسیع تر انجمن بنی اور رضاکاروں کی وہ مشہور جماعت قائم ہوئی جس کا نام حلف الفضول تھا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر اس مظلوم کی حمایت کی جائے جو شہر مکہ کے حدود میں پایا جائے۔ چاہے وہ وہیں کا باشندہ ہو یا کوئی اجنبی۔ یہ ممکن تھا کہ حلف الفضول کا ادارہ ترقی کرکے ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کرلیتا۔ لیکن جلد ہی اسلام کا زمانہ آگیا' جس کے بعد یہ ادارہ غیر ضروری ہوگیا۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے ایک نہایت منظم مرکزی نظام عدالت قائم کرلیا۔ اور خود عہد نبوی میں پورا جزیرہ نما عرب اور جنوبی فلسطین اس مرکزی نظام عدالت کے تحت آچکے تھے۔ (سیرہ ابن ہشام: ۶۵-۶۶)

۳۔ اس سلسلے میں دوسرا عہدہ اشناق کا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ موروثی طور پر حضرت ابوبکر ؓ کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ اس کا مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو کوئی کسی ایسے جرم یا قابل ضمان فعل کا ارتکاب کرتا جو قابل راضی نامہ ہو تو عہدہ دار اشناق اس

بات کا تعین کرتا کہ کس پر اور کتنی مالی ذمہ داری عائد کی جائے اور پورا شہر اس کے تصفیئے کو مان لیتا اور ملزم کا خاندان اس ہرجانے کی ادائگی کے لئے چندہ جمع کرتا۔ یہ رواج اور مقاموں پر بھی تھا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد ہی شہری مملکت مدینہ کا جو تحریری دستور جناب رسالت مآب ﷺ نے مرتب اور نافذ فرمایا' اور جس کا متن ایک طویل دستاویز کی صورت میں لفظ بلفظ ہم تک پہنچا ہے' اس میں بھی اس طریقے کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ لامنس نے یہ مضحکہ خیز رائے کس ماخذ کی بنا پر قائم کی ہے' کہ عہدہ دار اشناق وہ ہرجانہ یا خون بہا اپنی جیب سے دیا کرتا تھا۔ (العقد الفرید' ۲:۴۵) (سیرت ابن ہشام: ۱:۳۴۱) (کتاب مکہ: ۶۷۔۶۸)

۶۔ شہر مکہ کا فوجی و دفاعی نظام

۱۔ جنگ اور فوج کے سلسلے میں بھی ہمارے ماخذ مختلف موروثی عہدوں کا ذکر کرتے ہیں ان میں "شامیانہ" اور "لگام" کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں' ان کے علاوہ عقاب' لواء اور حلوان النفر کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ عہدہ دار عقاب کا مطلب جھنڈا لے جانے والا ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ عہدہ بنی امیہ میں متوارث تھا۔ بظاہر یہ وہ عہدہ دار تھا جو حالت امن میں قومی جھنڈے کا متولی و نگہبان ہوا کرتا تھا۔ اور ضرورت کے وقت اس کو اپنی نگرانی میں لہراتا تاکہ فوجی اجتماع عمل میں آسکے ورنہ کسی مہم اور عین معرکہ کارزار میں علم برداری کے فرائض کسی اور کے سپرد کئے جا سکتے تھے۔ (العقد الفرید' ۲:۴۵)

۳۔ ہمارے مولف عقاب اور لواء میں فرق کرتے ہیں' اگرچہ دونوں کے معنی جھنڈے ہی کے ہیں' اور بیان کیا جاتا ہے کہ ہر ایک' ایک علیحدہ قبیلے میں موروثی طور سے چلا آتا تھا۔ ممکن ہے عقاب سے مراد جنگی قومی جھنڈا ہو' اور لواء قبائلی جھنڈا ہو۔ جس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کہ قریش کے ساتھ دیگر حلیف قبائل بھی مہم میں شریک ہوں۔ (العقد الفرید' ۲:۴۵)

۴۔ یہاں اس بات کا موقع نہیں ہے کہ قریش کے فوجی نظام اور قانون جنگ وغیر

جانب داری کے اصول و نظائر کی تفصیل دی جائے۔ یہاں صرف ایک سرسری اشارہ چند چیزوں کی طرف کیا جاتا ہے۔

(i) "مرباع" سے مراد مال غنیمت کا چوتھائی حصہ ہوتا تھا جو مہم کے سردار کو ملتا باقی تین چوتھائی عام سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔

(ii) "فضول" سے مراد ناقابل تقسیم کسرات ہوتے تھے۔

(iii) "نشیطہ" سے مراد وہ مال غنیمت تھا' جو دشمن کی شکست اور عام لوٹ سے پہلے حاصل ہو۔

(iv) "صفی" سے مراد وہ منتخب چیز مثلاً کوئی تلوار وغیرہ ہوتی تھی' جو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے مہم کا سردار اپنے لئے چن لینے کا مجاز ہوتا تھا۔

"مرباع' فضول' نشیطہ اور صفی" وہ امتیازات تھے' جو کسی قبائلی لوٹ مار کی مہم کے قائد کو حاصل ہوتے تھے۔ راس الجرالخشنی' القعقاع الیتیمی اور زرار بن الخطاب الفہری کا ذکر ابن درید نے ان لوگوں کی فہرست میں کیا ہے جنہیں زمانہ جاہلیت میں مرباع لینے کا حق حاصل ہوا تھا۔ جنگ فجار اور جنگ بدر کی نظیروں سے (جن کا زبیر بن بکار اور ابن ہشام نے ذکر کیا ہے۔) پتہ چلتا ہے کہ کوچ کے دوران فوج کی غذاء سپہ سالاروں کے ذمے تھی۔

یہاں لامنس کے ان تمام دلائل کی نقل کی جانی ممکن نہیں جو اس نے اپنے اس دلچسپ دعوے کی تائید میں پیش کئے ہیں۔

۷۔ شہر مکہ کا سماجی نظام

۱۔ یونان والے اجنبیوں کو "نار نار" یعنی بربریت پسند کہتے تھے۔ اور یونانی زبان میں دشمن کے لئے جو لفظ پایا جاتا ہے' اس کے لغوی معنی بھی اجنبی ہی کے ہیں۔ اس کے برخلاف عرب اجنبیوں کا ذکر کرنا چاہتے تو "عجمی" کی بے ضرر اصطلاح استعمال کرتے' جس کے لغوی معنی ہیں "گونگا" تاکہ اجنبیوں سے اپنے آپ کو ممتاز کر لیں۔ چنانچہ لفظ "عرب" کے معنی فصیح اور قادر الکلام کے ہیں۔ اس کے باوجود عرب میں بھی اور یونان

میں بھی ہر جگہ اجنبی آتے رہتے' بلکہ بستے بھی رہتے۔
۲۔ یونان میں وہ اجنبی جو وہاں آکر مقیم ہو جاتے تھے' شہریوں اور غلاموں کے بین بین ایک خاص طبقہ قائم کرتے تھے' ان کو اصطلاحاً میٹک (METIC) کہا جاتا تھا یہ METIC لوگ اور ان کے خاندان ان تمام حقوق سے مستفید ہوتے تھے جو شہریوں کو حاصل تھے۔ البتہ انہیں نہ تو کوئی سرکاری عہدہ مل سکتا اور نہ وہ شہری انتخاب میں کوئی رائے دے سکتے اور نہ کسی اراضی کے مالک ہو سکتے۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے یہ ضروری ہوتا کہ کسی شہری کو اپنا سرپرست بنائیں' جو ان کے چال چلن کی ذمہ داری لے۔ ان کو سالانہ فی کس براہ راست بارہ درہم مرد کے لئے اور چھ درہم غیر شادی شدہ عورت کے لئے محصول بھی دینا پڑتا۔ ان چیزوں کو چھوڑ کر اور باتوں میں انہیں شہریوں کی برابری حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی مسکونہ شہری مملکت کی فوج میں شریک ہو کر جنگ کر سکتے تھے اور اس کی مذہبی پبلک تقریبوں میں حصہ لے سکتے تھے۔
عرب میں جو اجنبی آکر سکونت گزیں ہو جاتے ان کو "مولا" کا نام دیا جاتا تھا۔ عرب اور خاص کر مکہ والوں کے موالی کے ساتھ یونان کے مقابلہ میں کم سختی کا سلوک ہوتا تھا۔ چنانچہ ان پر کوئی خصوصی محصول عائد نہیں کئے جاتے تھے' ان کو اور ان کے سرپرستوں کو جملہ شہری حقوق حاصل رہتے تھے۔ مساوات کی حد یہ تھی کہ اجنبی اور اس کے سرپرست دونوں کے لئے ایک ہی لفظ "مولا" کا استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ یہ تحدید بدایتاً پائی جاتی تھی کہ کوئی اجنبی متوطن کسی اور نئے اجنبی کو اپنا مولا بنانے کا اور اپنی سرپرستی میں لینے کا مجاز نہ تھا۔ اس پابندی سے قطع نظر ہر اجنبی متوطن اپنے سرپرست کے خاندان کا ایک رکن بن جاتا اور اسے وہ سب شہری حقوق حاصل رہتے جو کسی اصلی شہری کو حاصل تھے' البتہ کسی نئے اجنبی کو اپنی پناہ میں لینے سے پہلے اسے خود اپنے سرپرست کی اجازت ضروری ہوتی۔ اصل میں عرب یہ چاہتے تھے کہ اوروں کو اپنا لیں اور عرب بنا ڈالیں۔ (سیرت ابن ہشام: ۲۵۱)
۳۔ مکہ کا اندرونی نظام اس سے بہت زیادہ پیچیدہ تھا کیونکہ وہاں حسب و نسب کو غیر معمولی سماجی اہمیت حاصل تھی' ہر قبیلے میں ہر دس دس آدمیوں پر ایک "عریف" ہوا

کرتا۔ جس طرح روما میں DECURION اور کہتے ہیں کہ ہر سو کا سردار قائد یا نقیب کہلاتا تھا' جس کا مماثل روما میں CENTURTION ہو سکتا ہے۔

۴۔ اسلام سے پہلے مکہ والوں میں مذہبی وحدت نہیں پائی جاتی تھی۔ اسی طرح وہاں کوئی مقدس کتاب یعنی تحریری قانون بھی نہیں پایا جاتا تھا کہ جس کی تعمیل سب کر سکیں۔ چنانچہ مکہ والوں میں بت پرست' مشرک ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والے' خدا کو نہ ماننے والے بلکہ خود لامذہب اور دہریئے بھی پائے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ مجوسی' یہودی یا عیسائی مذہب بھی مختلف لوگوں نے اختیار کر لئے تھے۔ بہرحال وہاں کے عوام تمدن کے اس درجے تک پہنچ چکے تھے کہ ایک مشترک اور سب سے بڑے خدا کو بھی مانیں جو چھوٹے چھوٹے قبائلی دیوتاؤں سے بھی بزرگ و برتر ہو اور اس کو وہ اللہ کے نام سے پکارتے تھے۔

۵۔ سیاسی شعور بھی اس حد تک ترقی کر گیا تھا کہ ہر شخص مملکتی مفاد کو شخصی مفاد پر ترجیح دینا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ غیر متوقع طور پر مکہ والوں کو غزوہ بدر میں شکست ہوئی تو انہوں نے ایک کارواں کا پورا منافع (جو عین اسی زمانے میں شام سے ابو سفیان کی سرکردگی میں واپس آیا تھا' اور جس میں شہر میں بسنے والے تقریباً ہر قبیلے کا سرمایہ لگا ہوا تھا) جنگی تیاریوں کے چندے میں دے دینا منظور کر لیا۔ (سیرت ابن ہشام: ۵۵۵)

۶۔ مکہ والے اپنے نوزائیدہ بچوں کو کسی صحراء میں بدویوں کے ہاں بھیج دیا کرتے تھے جہاں وہ بدویوں کے ہاتھوں پرورش پاتے تھے۔ صحراء کی پاک و صاف اور سادہ زندگی میں پلتے تو ان میں بدویوں کی بہت سی خوبیاں آ جاتیں اور شہریوں کی مخلوط آبادی کی بہت سے برائیوں سے وہ بچپن کی تاثر پذیر عمر میں محفوظ رہتے۔ خود آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی ابتدائی زندگی کے چند سال اسی طرح گزارے تھے۔ یہاں مماثلت کے لئے ان قوانین کی یاد تازہ کرائی جا سکتی ہے جو مثلاً لائیکرگس نے یونان کے شہر اسپارٹا میں نافذ کئے تھے اور جو اگرچہ انتہائی وحشیانہ تھے مگر ان کا منشاء بھی نئی نسلوں کی ذہنی اور جسمانی تربیت ہوتا تھا۔

۷۔ کہتے ہیں کہ یونانی طبیعت کی امتیازی خصوصیت علم کی محبت تھی' جس طرح کہ

فینیقیہ اور مصر والوں کا امتیازی خاصہ دولت کی محبت تھا۔ (ہندوستان میں لکشمی یعنی روپے کی اب بھی باقاعدہ پوجا ہوتی ہے) اس کے برخلاف قریش یعنی باشندگان مکہ کی امتیازی خصوصیت فنون لطیفہ اور ادبیات کی محبت معلوم ہوتی ہے۔ غالباً یہی فن نوازی تھی کہ عتبہ بن ربیعہ ابن عبد شمس نے مکہ میں ایک دارالقواریر (شیش محل) CRYSTAL PALACE تعمیر کیا تھا۔ نضر بن حارث مکہ کا مشہور گویا تھا اور بربط بجایا کرتا تھا۔ وہاں گانے بجانے کی متعدد پیشہ ور عورتیں بھی تھیں۔ شعروشاعری تو ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، چنانچہ بیت، مصرع، اسباب، اوتاد اور فواصل کسی ڈیرے اور اس کے مختلف اجزاء کے بھی نام تھے۔ اور بیت یعنی شعر اور اس کے مختلف حصوں کے بھی۔ علمی تالیفوں میں حارث بن کلدہ نے حفظان صحت پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس کا ابن ابی اصیبعہ نے اپنی اخبار الاطباء میں ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے بیٹے نضر نے اسی سے طب سیکھی تھی۔ اس رسالے کے اقتباسات الغزولی کی "مطالع البدور" میں ملتے ہیں۔ اسی نضر نے ایران کے رزم و بزم پر ایک افسانوی تاریخ بھی مدون کی تھی (سیرت ابن ہشام: ۱۹۱) (مروج الذہب مسعودی، ۸۰-۹۳) (مطالع البدور، ۲: ۱۰۱-۱۰۴)

باب-۱

طہارت نسب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حصہ دوم

نسب نبوی ﷺ

طہارت نسب کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام مخلوق میں صرف انسان ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ طبع و مزاج کے حوالے سے بڑا انوکھا اور غیّور واقع ہوا ہے۔ تنقید اور تنقیح کی نظر رکھتا ہے۔ عام حالات میں جلدی سے کسی کی عظمت اور بڑائی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا' ہر چیز کو ٹھوک بجا کر غور سے دیکھتا ہے۔ ظاہر و باطن کو پرکھتا ہے۔ گفتار و کردار کا بنظر غائر جائزہ لیتا ہے۔ جب اسے صداقت و طہارت' علوّ و کمال اور خلوص و ایثار کا یقین آجاتا ہے اور دوسرے شخص میں ایسے خصائل و اوصاف دیکھ لیتا ہے جو اس میں نہیں تب کہیں جاکر اس کی فضیلت و برتری تسلیم کرکے پھر اسے اپنا قائد و رہنما ماننے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے رسول اور نبی بھیجے وہ ہر لحاظ سے کامل و افضل اور مقام و مرتبے کے حوالے سے بے نظیر و یکتا تھے۔ کسی دنیادار کو ان کی شخصیت اور سیرت پر انگلی اٹھانے اور عیب جوئی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ وہ دیکھ لیتے تھے کہ جس نے دعوائے نبوت و رسالت کیا ہے۔ وہ حسب و نسب کے لحاظ سے معزز اور معاشرتی منصب کے حوالے سے قابلِ تکریم ہے۔ اس میں کوئی ایسی خامی اور کمی نہیں جس پر گرفت کی جاسکے۔ یہ یکتا و بے مثل' عالی پایہ' بلند اخلاق' باکردار اور خوبصورت و خوب سیرت ہے جس کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہیں۔

جاہلی معاشرے حسب و نسب کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ کسی بے حیثیت اور نسبی اعتبار سے کم تر شخص کو انسان سمجھنے کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔ گھٹیا نسب والے کی طرح اس شخص کو بھی معاشرے میں کوئی مقام نصیب نہیں ہوتا تھا جس کا شجرہ نسب مشکوک ہو اور وہ لوگوں کی نظروں میں مجہول النسب ہو وہ جدھر جاتا لوگ انگلیاں

اٹھاتے اور اس پر آوازے کستے۔ عزت و تکریم نام کا کوئی جذبہ اس کے لیے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اسی لیے جتنے انبیاء کرام اس دنیا میں مبعوث ہوئے اور جتنے جلیل الرتبت رسول تشریف لائے وہ سب خاندانی اور اعلیٰ حسب ونسب کے مالک تھے۔ قدرت نے ایسے بلند مرتبہ خاندانوں میں انہیں پیدا فرمایا جن کی عظمت و فوقیت کو اس دور کے لوگ نہ صرف تسلیم کرتے تھے بلکہ اپنے سے برتر و اعلیٰ سمجھتے تھے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ معاشرے میں سے بہترین افراد ہی کو نبی بنا کر بھیجتا تھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمیں حضور ﷺ نے بتایا۔

ان اللّٰہ اذا اراد ان یبعث نبیا نظر الی خیر اھل الارض قبیلۃ فیبعث خیرھا رجلا

(الطبقات لابن سعد '۱:۲۵)

بے شک اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا تھا کہ نبی مبعوث فرمائے تو زمین پر سب سے بہتر قبیلے پر نظر فرماتا تھا اور پھر اس کے بہترین آدمی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا تھا۔

سرزمین عرب میں تو خاندانی وجاہت اور نسبی شرف کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دی جاتی تھی اہلِ عرب اس بارے میں بڑے حساس واقع ہوئے تھے۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر اور کارنامے اس طرح بیان کرتے تھے جیسے دنیا میں کرنے کے لیے یہی ایک کام رہ گیا ہو پھر جو شخص آبائی بڑائی ثابت کرنے میں کامیاب ہو جاتا اسے سب عظمت کے سنگھاسن پر بٹھا دیتے تھے اور دل وجان سے اس کی سیادت و آقائی تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب سرور کائنات' فخرِ موجودات' صاحب لولاک' امامُ الانبیاء' نبی آخرالزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی باری آئی تو آپ کو ایک ایسے معزز گھرانے میں تولد بخشا گیا جس کی شرافت و نجابت اور وقار و جلال کا سارے عرب میں شہرہ تھا سب اس خاندان کی خوبیوں اور نیکیوں کے گیت گاتے تھے۔ سب کو

اعتراف تھا کہ "بنو ہاشم" ایک ایسا گھرانہ ہے جو سخاوت و شجاعت' علم و فضل' تقویٰ وطہارت' خلوص و ایثار' عدل و دیانت' استقلال و جرأت اور صورت سیرت غرضیکہ ہر اعتبار سے بے مثال ہے اور یہ گھرانہ اپنے اوصاف کے حوالے سے پورے عرب کا جھومر ہے۔

طہارتِ نسب کے دلائل

طہارتِ نسب کے دلائل

حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی اپنے اعلیٰ حسب ونسب کی پاکیزگی اور طہارت کو بڑے اہتمام کے ساتھ معنی خیز انداز میں بیان فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک سے بھی اس سلسلہ زریں کے حسین اشارات ملتے ہیں۔ جیساکہ ارشادِ خداوندی ہے:

(۱) لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (التوبہ، ۹:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک عظیم رسول تشریف لائے۔

اَنْفُسْ۔ نَفْسٌ کی جمع ہے لیکن اگر اسے اَنْفَسْ پڑھا جائے تو پھر یہ اسم تفضیل کا صیغہ بن جاتا ہے جس کا معنی ہے سب سے زیادہ نفیس، چنانچہ ایک قرأت میں اَنْفَسِکُمْ بھی آیا ہے۔ جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں موجود ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:۔

قرأ النبی ﷺ لقد جاء کم رسول من اَنْفَسِکُمْ بفتح الفاء وقال انا اَنْفَسِکم نسبًا و صهرًا و حسبًا لیس فی ابائی من لدن اٰدم سفاح کلنا نکاح

(المواہب اللدنیہ، ۱:۱۳، الزرقانی علی المواہب، ۱:۶۷)

حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور حرف "فا" کو زبر کے ساتھ "مِنْ اَنْفَسِکُمْ" پڑھا اور فرمایا: میں حسب ونسب اور خاندانی قرابت کے حوالے سے تم سب سے افضل ہوں میرے آباؤ اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کوئی بھی بے راہ رو نہیں نکلا سب نکاح کرتے رہے ہیں۔

قاضی عیاضؒ نے بھی الشفاء میں امام سمرقندیؒ کے حوالے سے اَنْفَسِکُمْ میں "فا" کو مفتوح پڑھنے کا قول نقل فرمایا ہے۔ (الشفاء، ۱:۱۵)

(۲) حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لم یصبہ شئی من ولادۃ الجاھلیۃ
(البدایہ والنہایہ، ۲: ۲۵۵، ۲۵۶)

آپ کے نسب پاک پر جاہلی طرز زندگی کا کوئی دھبہ نہیں پڑا۔

(۳) امام بیہقیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت لیا ہے جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ روایت بالکل جید و عمدہ ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرھما فاخرجت من بین ابوین فلم یصبنی شئی من عھر الجاھلیۃ وخرجت من نکاح، ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتیٰ انتھیت الی ابی وامی فانا خیرکم نفسا وخیرکم ابا۔

(البدایہ والنہایہ، ۲: ۲۵۵)
(دلائل النبوۃ، للبیہقی، ۱: ۱۷۴، ۱۷۵)

جب بھی نسل انسانی کو دو طبقات میں تقسیم کیا گیا تو مجھے (یعنی میرے نور کو) ان میں سے بہتر طبقہ میں رکھا گیا، پس میرے نسب کو ہر جگہ ایسے والدین (کی صلبوں اور رحموں) میں سے نکالا گیا کہ میرے نسب کو دورِ جاہلیت کی کسی برائی نے چھوا تک نہیں۔ میرے سلسلۂ نسب میں ہمیشہ نکاح قائم رہا ہے کبھی بھی میرے تولد (یعنی نور کی منتقلی) میں غلط کاری کا دخل نہیں ہوا۔ یہ پاکیزگی اور طہارت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے حقیقی والدین (حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ) تک برقرار رہی ہے حتیٰ کہ (اسی طہارت نسبی کے ساتھ) میری ولادت ہوئی۔ پس میں اپنے ذاتی شرف اور نسبی شرف دونوں میں تم سب سے بہتر ہوں۔

(۴) قرآن مجید میں مذکور ہے:۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝
(سورۃ الشعراء' ۲۶ : ۲۱۷-۲۱۹)

غالب و مہربان رب پر توکل کیجئے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام فرماتے ہیں۔ اور ساجدین میں آپ کا اٹھنا بیٹھنا بھی (دیکھتا ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کا ایک یہ مفہوم بھی مروی ہے کہ اس میں حضور نبی کریم ﷺ کے نورانی سلسلۂ نسب کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور اس کی طہارت و عظمت اور نورانیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ نبوت کے سلسلۂ نسب میں تمام ہستیاں ساجد و عابد رہی ہیں ان کے کردار و عمل میں کوئی کجی اور ان کی ذات میں کوئی اخلاقی کمزوری نہیں تھی' نورِ نبوت کی امین یہ پاکباز ہستیاں جائز و حلال طریقہ سے اور شریعت خداوندی کے مطابق نورِ محمدی کی امانت ایک دوسرے کو منتقل کرتی رہی ہیں تا آنکہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو تفویض ہوئی اور انہوں نے منشائے خداوندی کے مطابق اسے دنیا والوں کو عطا کیا۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے:۔

(و تقلبك فی الساجدین) ما زال النبی ﷺ یتقلب فی اصلاب الانبیاء حتی ولدتہ امہ۔
(دلائل النبوۃ۔ ابو نعیم' ۲۵)

تقلبك فی الساجدین کا مفہوم یہ ہے کہ نور نبی ﷺ انبیاء کرام کی پاکیزہ پشتوں میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ کی گرامی مرتبت والدہ کے ہاں آپ کا تولد ہوا۔

(۶) اسی باب کی دوسری روایت جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

لم یزل اللہ عزوجل ینقلنی من اصلاب طیبۃ الی ارحام طاھرۃ صافیا مھذبا لا تنشعب شعبتان الا

اللہ تبارک و تعالیٰ بڑی ہی پاکیزہ اور مہذب و شستہ حالت میں میرے نور کو طیب و طاہر پشتوں سے پاکیزہ شکموں

کنت فی خیرھما۔ (دلائل النبوۃ۔ ابو نعیم، ۲۴)	میں منتقل فرماتا رہا' جونہی کوئی خاندان دو حصوں میں تقسیم ہوتا تھا مجھے بہترین خاندان میں رکھ دیا جاتا تھا۔

(۷) آپ ؓ ہی سے ابن سعد' بزار اور ابن ابی حاتم ؒ کی روایت سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں:۔

تقلبہٗ من صلب نبی الی صلب نبی حتی اخرجہ نبیا (تفسیر ابن کثیر' ۳:۳۵۲)	آپ کو نسل در نسل انبیاء کے پاکیزہ نسب میں سے گزارا ہے حتٰی کہ آپ کو بطور نبی پیدا فرمایا۔

(۸) ایک اور حدیث میں جس کے راوی حضرت ابو ھریرہ ؓ ہیں' حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت فیہ (صحیح البخاری' کتاب المناقب' ۱:۵۰۳)	بنی آدم کے طبقات اور زمانے گزرتے رہے یہاں تک کہ مجھے اس طبقے سے بھیجا گیا جو سب سے بہترین تھا۔

(۹) امام فخرالدین رازی ؒ نے اسی امر کی تائید میں حضور ﷺ کی اس حدیث مبارک سے استدلال کیا ہے:۔

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات (الحاوی للفتاوی' للسیوطی ؒ' ۲:۳۶۷)	کہ میں ہمیشہ بلا انقطاع پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں۔

(۱۰) مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے ایک دفعہ اس باب میں کوئی غلطی کی حضرت عباس ؓ نے بارگاہ رسالت میں آکر اس کا ذکر کردیا جس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فوراً لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور نسبی طہارت کی اہمیت واضح کرنے کے لیے آپ خصوصی طور پر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: بتاؤ "میں کون ہوں؟"

سب نے بیک زبان عرض کیا:

انت رسول اللہ — آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

آپ نے فرمایا:

انا محمد بن عبد اللّٰہ بن عبد المطلب ان اللّٰہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیتا و خیرھم نفساً

(جامع الترمذی، ابواب المناقب، ۲:۲۰۱)

میں محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا پھر جو بہترین مخلوق تھی مجھے اس میں رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اس حصے کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جو بہترین گروہ تھا مجھے اس میں رکھا، پھر اس گروہ کو قبائل میں تقسیم کیا جو بہترین قبیلہ تھا مجھے اس میں رکھا، پھر اس قبیلے کو گھرانوں میں تقسیم کیا جو بہترین گھرانہ تھا مجھے اس میں رکھا سو میں ذات اور گھرانہ دونوں حوالوں سے سب سے بہتر ہوں۔

مسند البزار میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر لوگوں کو اپنا نسب مبارک بیان کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا: ان لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو میرے نسب اور اصل میں طعن کرتے ہیں، ارشاد فرمایا:

فو اللّٰہ انی لافضلھم اصلاً و خیرھم موضعاً۔

(الحاوی للفتاوی، ۲: ۳۷۰)

پس خدا کی قسم میں ان سب سے اپنی اصل و نسب اور اپنے مقام و منصب ہر دو اعتبار سے افضل ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے نسب مبارک میں آپ کے جملہ آبائے اطہار اور امہات طاہرات میں سے کسی پر بھی زبان طعن دراز کرنا اور ان کی عزت و تکریم کے خلاف کوئی بات کرنا براہ راست حضور ﷺ پر طعن کے مترادف ہے اور آپ کی

ناراضگی کا باعث ہے۔

اس ارشاد سے مقصود یہ تھا کہ میرے نسب مبارک میں طعن ناقابل برداشت ہے۔ جب قدرت نے مجھے ایک منفرد نسب عطا کیا ہے جو چاند کی طرح روشن اور سپیدہ سحر کی طرح اجلا اور پاکیزہ ہے' تو پھر اس کے بارے میں ذرا سا طعن بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس فرمان سے واضح کر دیا کہ کوئی گھرانہ اور خاندان نسبی طہارت' پاکیزگی اور نورانیت کے حوالے سے ایسا نہیں جو میرے نسب کا مقابلہ کر سکتا ہو' یہ وہ سلسلہ عالیہ ہے جس میں خیر ہی خیر ہے اور ہر طرف نیکی' شرافت' شریعت مطہرہ کی پابندی اور اخلاق و کردار کی بلندی ہی نظر آتی ہے۔ ہر مخلوق' قوم' گروہ' خاندان اور برادری سے "سراپا خیر" کو چن لیا گیا ہے۔ اس لئے ہر جگہ اور ہر طبقہ میں وہی لوگ نظر آتے ہیں جو مقبولِ بارگاہِ ایزدی اور منتخب روزگار ہیں جن کے سیرت و کردار پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔

(۱۱) حضرت وَاثِلَۃ بْنُ الْاَسْقَعْ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل واصطفی من ولد اسماعیل بنی کنانۃ واصطفی من بنی کنانۃ قریشا واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (جامع الترمذی' ۲: ۲۰۱)

(طبقات ابن سعد' ۱: ۲۰)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چنا اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے "بنو کنانہ" کو چنا اور "بنو کنانہ" سے قریش کو چنا اور قریش سے "بنو ہاشم" کو چنا اور "بنو ہاشم" سے مجھے منتخب فرمایا۔

(۱۲) خوش نصیب بنو ہاشم کے انتخاب اور برگزیدگی کا ذکر ایک اور حدیث میں بھی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ قال لی جبریل' قلبت الارض من مشارقھا و مغاربھا فلم اجد رجلا افضل

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے مشرق و مغرب چھان ڈالے ہیں

من محمد و قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم

(البدایہ والنھایہ، ۲: ۲۵۷)
(دلائل النبوۃ للبیہقی، ۱: ۱۷۶)

لیکن اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اعلیٰ و افضل کسی کو نہیں پایا۔ اسی طرح زمین کا چپہ چپہ کھنگال ڈالا ہے لیکن کسی خاندان کو بنی ہاشم سے افضل نہیں پایا۔

اسے طبرانی نے "اوسط" میں اور بیہقیؒ نے "دلائل" میں بھی روایت فرمایا ہے۔

(۱۳) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

ان اللّٰہ خلق الخلق فاختار من الخلق بنی اٰدم --- واختارنی من بنی هاشم فانا من خیار الی خیار الی خیار

(الحاوی للفتاوی للسیوطی، ۲: ۳۶۹، بحوالہ طبرانی، بیہقی، ابو نعیم)

بے شک اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو بنی آدم کو ساری مخلوق سے افضل منتخب کیا (اور اسی طرح چنتے چنتے) مجھے بنی ہاشم میں سب سے افضل منتخب کیا، پس میں سب سے برگزیدہ لوگوں میں سے سب سے برگزیدہ لوگوں کی طرف پھر سب سے برگزیدہ لوگوں میں سے سب سے برگزیدہ لوگوں کی طرف (نسل در نسل) منتقل ہوتا ہوا آیا ہوں۔

جن خاندانوں اور قبیلوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کے نور مبارک کا امین اور آباؤ اجداد ہونے کا شرف حاصل ہوا آپ کے نور مبین کے صدقے انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے دور میں ایسی انفرادیت و عظمت عطا کر دی تھی کہ جو انہیں دیکھتا ان کی خاندانی وجاہت و عظمت اور ان کی ذاتی شرافت و نجابت کا قائل ہو جاتا۔

(۱۴) حضرت ابو طالب کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے قصیدے میں حضور نبی اکرم ﷺ، بنی ہاشم، قریش اور عبد مناف کی نسبی برتری اور ان کے شرف و

کمال کو برملا بیان کیا اور تمام قبائل کو بتایا کہ ان کے مقابلے کا کوئی نہیں' یہ برتر' فائق اور باکمال نسب کے مالک ہیں اس قصیدے کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

اذا اجتمعت یوما قریش لمفخر فعبد مناف سرھا و صمیمھا

فان حصلت اشراف عبد منافھا ففی ھاشم اشرافھا و قدیمھا

وان فخرت یومًا فان محمدًا ھو المصطفی من سرھا و کریمھا

(البدایہ والنھایہ' ۲:۲۵۸۔ سیرۃ حلبی' ۱:۲۸)

"اگر کسی دن قبائل کے سامنے فخر و مباہات کے لیے قریش جمع ہو جائیں تو عبد مناف سربرآوردہ ثابت ہوتے ہیں اور فوقیت لے جاتے ہیں۔ اور اگر بنو عبد مناف کے تمام بزرگ اور معزز لوگ بنو ہاشم کے سامنے آجائیں تو سب اسلاف و اشراف یہیں براجمان نظر آتے ہیں۔ اور اگر بنو ہاشم اپنے کمالات پر فخر کریں تو بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ سب سے افضل قوم کا عطر اور سب سے بزرگ تر ہیں۔"

(۱۵) اسی طرح امام شمس الدین بن ناصرالدین الدمشقیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

وینقل احمد نورًا عظیمًا تلألأ فی وجوہ الساجدینا

تقلب فیھم قرنا فقرنا الی ان جاء خیر المرسلینا

ان حقائق و شواہد اور پہلے بیان کی گئی آیات و احادیث سے مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ السلام کے والد گرامی حضرت عبد اللہ تک جن سعادت مند اور خوش بخت خواتین و حضرات کو اپنے محبوب کریم نبی آخر الزماں ﷺ کے نور مبارک کا امین بنایا وہ سب اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق اور مضبوط کردار کے مالک تھے ان تمام خبائث اور خسیس حرکات سے پاک تھے جو دورِ جاہلیت کا لازمہ اور طرۂ امتیاز تھیں وہ سب معاشرے میں تہذیب و شائستگی کی علامت تصور کیے جاتے تھے۔نبوی نسب میں کوئی ایک نام بھی ایسا نہیں جس پر حرف گیری کی جاسکتی ہو اور اخلاقی گراوٹ کا دھبہ لگایا جاسکتا ہو وہ فسق و فجور اور کفر و شرک کی آلودگی سے ہمیشہ دامن کشاں رہے۔

آپ کے نسب نامہ میں اسی مثالی پاکیزگی اور بلند پایہ طہارت کی ضرورت بھی تھی تاکہ کوئی زبان طعن دراز نہ کر سکے۔ چنانچہ شرافت و نجابت کے مثالی پیکر اور مجسم نور کو دیکھ کر سعادت مند روحیں لپکیں' دامن کرم سے وابستہ ہو گئیں اور بے قرار ہو کر ایمان لے آئیں۔ یہ بھی طہارتِ نسب نبوی کا ایک اعجاز اور نورانی کرشمہ تھا جس نے دلوں کے دریچے کھول دیئے اور نیک بختوں کو کھینچ لیا۔

نسب پاک کی طہارت کی ضرورت و اہمیت واضح کرنے کے بعد اب ہم ان قبائل و افراد' شخصیات اور ان کے کمالات و خصائص کا جائزہ لیتے ہیں جو نورِ نبوت کے امین ہونے کے حوالے سے قدرت نے ان کو عطا فرمائے اور اہل زمانہ پر ان کو تفوق بخشا۔ جس کے باعث وہ اہل زمین کی آنکھ کا تارا بن گئے اور آسمان والوں کی نظر میں بھی معزز قرار پائے اور قابل تکریم ٹھہرے۔

اب ہم نسب نبوی ﷺ کا سلسلۂ زریں کے عنوان سے ان باکمال ہستیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

باب۔ ۲

نسبِ نبوی کا سلسلۂ زرّیں

نسبِ نبوی کا سلسلۂ زریں

حضور نبی اکرم ﷺ کے والد گرامی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام تک آپ کے نسب مبارک کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ علم الانساب کے ماہرین کا کہنا ہے کہ نسب شریف کا پہلا حصہ متفقہ ہے۔ اس میں حضرت عبد اللہ سے لے کر معد بن عدنان تک کے نام آتے ہیں۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ شجرہ شریف کے اسماء گرامی یہاں تک بیان فرماتے تھے۔ اور اس کے اوپر کے بارے میں بتاتے تھے۔ کذب النسابون یعنی نسب بیان کرنے والوں نے اس کے آگے جھوٹ بولا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام کان اذا انتسب لم یجاوز فی نسبہ معد بن عدنان بن أدد ثم یمسک۔
(طبقات ابن سعد: ۱، ۵۶)

نبی اکرم ﷺ جب نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان بن ادد تک بیان کر کے رک جاتے تھے۔ آگے کا نسب نامہ بیان نہیں فرماتے تھے۔

دوسرا حصہ معد بن عدنان سے حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام تک ہے۔ لیکن اس حصۂ نسب کی درمیانی کڑیوں کے بارے میں اہل انساب اور مؤرخین کا اختلاف ہے۔

طبقات ابن سعد میں ہے۔

بین معد و اسماعیل علیہ السلام نیف و ثلاثون ابا
(طبقات ۱: ۵۶)

معد سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک تیس چالیس کے قریب آباؤ اجداد ہیں۔

سے ہیں حتمی طور پر ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب اسماعیل اور جناب ابراہیم علیہما السلام اس سلسلہ نسب کے گل سرسبز اور مورث اعلیٰ ہیں۔ ان تک یہ پاکیزہ نسب بلا کسی شک و شبہ کے متعین ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر جناب آدم علیہ السلام تک جو نسب نامہ ہے وہ تاریخ کا ایک غیر یقینی باب ہے۔ اس لئے اس میں ناموں کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اب ہم تعارف اور برکت کے لیے اس نسب مطہر میں سے بعض مشہور شخصیات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ اس جہت سے بھی شان نبوت کا اظہار ہو اور پتہ چلے کہ اس دور میں بھی نور نبوت کے چرچے تھے اور اہلِ نظر سعادت مند جبینوں میں اس کی درخشانی اور چمک دمک دیکھ کر دلوں کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتے تھے۔ اور اس کی عیاں و نہاں برکات سے فیضیاب ہوتے تھے۔

۱۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

حضور نبی اکرم ﷺ کے نسب مبارک کی درخشاں ترین شخصیت، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ کو انبیاء کرام کے جد اعلیٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آقائے دوجہاں ﷺ بڑے احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ آپ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے نسبِ مطہر کے تمام افراد فسق و فجور کی آلودگی اور کفر و شرک کی نجاست سے محفوظ رہے۔ انہوں نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جو ان کی توحید کو داغدار کرے وہ سب اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق انسانی اوصاف اور توحید کے علمبردار تھے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

جناب ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کے حوالے سے یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جس کا ازالہ بہت ضروری ہے۔ مشہور ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر مشرک اور بت فروش تھے ان کی ساری زندگی بت گری اور بت پرستی میں گذری

اور بالآخر وہ جہنم کا ایندھن بنے ان حالات میں یہ دعویٰ کہاں تک صداقت پر مبنی ہے کہ حضور کریم ﷺ کے آباء میں کوئی مشرک اور فاسق و فاجر نہیں ہوا؟

واضح رہے کہ ائمۂ محققین نے بیان کیا ہے کہ "آزر" جناب ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھے بلکہ رشتہ میں چچا تھے اور آپ کی پرورش بھی انہوں نے کی تھی۔ قرآن پاک میں ان ہی کو باپ کہا گیا ہے۔ اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے یہ عرب کے محاورہ و رواج کے مطابق ہے۔ جس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام اور چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔

جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں سے پوچھا۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ط

میرے بعد تم کس کی پرستش اور عبادت کرو گے؟

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا

(البقرۃ ۲: ۱۳۳)

وہ بولے: ہم آپ کے "الہ" کی اور آپ کے آباء جناب ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے "الہ" کی عبادت کریں گے جو وحدہ لاشریک ہے۔

اس آیت کریمہ میں یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے جواب میں قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے' باپ نہیں تھے۔ اس کے باوجود بیٹوں نے ان پر باپ کے لفظ کا اطلاق کیا اور کہا ہم آپ کے "آباء" کے خدا کی عبادت کریں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ چچا پر "اب" یعنی باپ کا اطلاق قدیم زمانے سے لغت عرب میں معمول کی چیز ہے۔ کوئی نئی بات نہیں۔

(۲) حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آزر بت پرست اور مشرک تھا وہ آخری لمحات تک صنم کا پجاری اور مشرک ہی رہا اور جہنم میں گیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ

السلام کے حقیقی والد مومن تھے اور ان کا اصل نام "تارخ" تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شدید خواہش تھی کہ چچا آزر بت گری کے فن سے توبہ کر لے اور راہِ راست پر آجائے چنانچہ ایک دفعہ آپ نے اس کے قوائے فکر و شعور کو جھنجھوڑا اور پوچھا! تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ ان بتوں کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہو جو دیکھنے سننے کی صلاحیت سے عاری ہیں اور کسی بھی قسم کا فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

چچا! ہوش میں آؤ! اور شیطان کی اطاعت و بندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرو تم بری طرح اس کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہو اگر اسی طرح بت گری میں مصروف رہے تو مجھے خدشہ ہے تم دوزخ کا ایندھن بن جاؤ گے اور ابدی خسران و ہلاکت کا سودا کر لو گے۔ اس لئے غلط روش سے باز آؤ بت پرستی چھوڑو اور بت شکن بن جاؤ' شیطان سے ناطہ توڑو اور رحمان سے ناطہ جوڑو۔　　　(سورہ مریم)

اس پُر خلوص اور حکیمانہ نصیحت کا کج فکر اور غلط اندیش چچا پر الٹا اثر ہوا بولا۔

أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ　　　اے ابراہیم! کیا تو میرے

(مریم ۱۹: ۴۶)　　　خداؤں سے برگشتہ ہے۔

یعنی اے ابراہیم! تم میرے معبودوں سے نفرت کرتے ہو اور مجھے بھی ان سے دشمنی اور بغض اختیار کرنے کا سبق دیتے ہو تمہیں یہ درس مہنگا پڑے گا پتھر مار کر تمہیں ملیامیٹ کر دوں گا اور ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر لوں گا۔

سراپا کرم اور مجسم شفقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چچا کی نادانی اور حماقت پر ترس آگیا' دل میں کہا:

"میں تیرے لئے دعائے مغفرت کروں گا' شاید تیرے دن پھر جائیں اور تو اندھیروں کو چھوڑ کر اجالوں میں آجائے"

آپ نے دل میں یہ بات ٹھان لی اور چچا سے وعدہ بھی کر لیا اور پھر ایک روز اس کے ایفاء کے لئے تیار ہو گئے۔

جب آپ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی تو آپ پر یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ وہ مشرک اور دشمن خدا ہے' اور کسی حوالے سے بھی ہمدردی و خیر خواہی اور

دعاو استغفار کا مستحق نہیں ہے۔ چنانچہ جب آپ کو یہ آگاہی عطا کر دی گئی تو آپ فوراً اپنے موقف سے دست بردار ہو گئے' اور دعا کا سلسلہ ترک کر دیا۔ اس کا ذکر سورہ التوبہ میں ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ (التوبۃ ۹:۱۱۴)	جب آپ پر یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے برأت اور بیزاری کا اظہار کر دیا۔

اس آگاہی کے بعد چچا کے لئے آپ کا جذبہ ہمدردی بالکل سرد پڑ گیا اور پھر کبھی بھول کر بھی آپ نے اسے یاد نہ کیا کیونکہ جو اللہ کا نہیں وہ اس کے خلیل کا کیا لگتا ہے؟ خواہ کتنا ہی قریبی عزیز اور رشتہ دار ہو۔ سو یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم الٰہی کے بعد "آزر" کے لئے کبھی دعائے مغفرت نہیں کی کیونکہ نبی 'فرمان الٰہی کی مخالفت نہیں کر سکتا۔

لیکن دوسری ' ف قرآن مجید ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ

جو آپ کے حقیقی والد تے ان کے لئے آپ آخری دم تک دعائے مغفرت کرتے رہے۔ آپ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (سورہ ابراہیم' ۱۴:۴۱)	اے اللہ! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے اور تمام مومنین کو بھی جس دن یوم حساب قائم ہو گا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر "آزر" آپ کا باپ تھا اور اس کے کفرو شرک کی وجہ سے آپ نے اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا تھا تو پھر یہ دعائے مغفرت کس کے لئے تھی؟

اس مشکل کا ایک ہی حل ہے کہ تسلیم کر لیا جائے آزر چچا تھا جس سے بیزاری کا اعلان کیا اور اس کے لئے دعا ترک کر دی اور تارخ حقیقی باپ تھا جس کے لئے آخری عمر تک دعائے مغفرت کرتے رہے' بلکہ آج بھی وہ نماز کا حصہ ہے اور حضور ﷺ کی امت کو یہ حکم ہے کہ وہ تشہد میں یہ دعا پڑھے۔

(۳) اہل عرب کا زبان و بیان کے سلسلہ میں یہ دستور ہے کہ وہ چچا کے لئے باپ یعنی "اب" کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں' یہ استعمال مجازی ہوتا ہے اس لئے ساتھ ہی چچا کا اصل نام بھی ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ "اب" کا لفظ یہاں اصلی اور حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازی معنی میں چچا کے لئے استعمال ہوا ہے۔

جیسے قرآن پاک میں آیا ہے۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ جب ابراہیم نے اپنے باپ (یعنی چچا) آزر سے کہا۔

(الانعام' ۶:۷۴)

اس لئے یہاں "اب" سے چچا مراد ہے اگر حقیقی باپ ہوتا تو بعد میں اس کا نام "آزر" بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اہلِ عرب حقیقی باپ کے ساتھ اس کا نام ذکر نہیں کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام' ۱:۲)

(۴) حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا تھے ایک دفعہ مجلس سے اٹھ کر گئے تو سرکار نے فرمایا:

ردوا علی ابی "میرے اباجان یعنی چچا کو بلاؤ" (روح المعانی' ۷:۱۹۵)

حضور نبی اکرم ﷺ نے عمی (میرے چچا) کی جگہ ابی (میرے باپ) کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس مقام پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بیان کرتے ہیں:۔

العرب یطلقون الاب علی العم کیونکہ اہل عرب چچا کی جگہ باپ کا لفظ بالعموم استعمال کر لیتے ہیں۔

اس لئے اہلِ تحقیق کا آخری فیصلہ بھی یہی ہے:۔

کان اٰزر علی الصحیح عما لابراھیم .... لیس اٰزر ابا لابراھیم انما ھو ابراھیم بن تارخ (الطبری' ۳:۲۵۶)

درست بات یہی ہے کہ آزر جناب ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا......... باپ نہیں تھا کیونکہ آپ کے حقیقی باپ کا نام تارخ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی کے سلسلہ میں اس وضاحت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ وہ صاحبِ ایمان

نہیں تھے بنا بریں وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے گرامی قدر والدین بھی اہل ایمان نہیں تھے۔

یہ امر واضح رہنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضور نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ یہ دور تقریباً پانچ سو سال کی طویل مدت پر محیط ہے جسے "دور فترت" کہتے ہیں۔ اس دور کا خصوصی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس دور میں کفر و شرک میں ملوث نہ ہو تو اس کی نجات کے لئے یہی کافی ہے۔

حضور ﷺ کے والدین کریمین اسی دور فترت سے تعلق رکھتے تھے ان کے بارے میں کسی ثبوت کے بغیر عدم نجات یا عدم ایمان کی رائے قائم کرنا بڑی جسارت ہے ثقہ دلائل سے ان کا ایماندار ہونا ثابت ہے۔ یہ دلائل اپنی جگہ بیان کئے جائیں گے۔ سردست یہاں نسب نبوی کی طہارت کے بیان میں اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ زبان نبوت نے اپنے نسب کو پاک قرار دیا ہے اور تفصیل سے بتایا ہے کہ اس پاکیزہ لڑی میں کوئی ناپاک فرد شامل نہیں ہوا یہ ایک مزکیٰ و مصفیٰ اور حلال و طیب سلسلہ ہے جو آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

شرک ایک ایسا ناپاک عمل ہے جس کا ارتکاب کرنے والوں کو قرآن پاک نے واضح الفاظ میں نجس قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ (التوبہ ۹:۲۸)	اے ایمان والو! جان لو بے شک مشرک لوگ ناپاک ہیں۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضور ﷺ کے گرامی قدر والدین شرک کا ارتکاب کرنے والے غیر مؤحد لوگ تھے تو وہ قرآن پاک کی رو سے نجس قرار پاتے ہیں جبکہ حضور ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں میرا نسب پاک اور مطہر ہے اس دعوائے طہارت میں اعتقادی 'اخلاقی اور عملی ہر قسم کی طہارت آجاتی ہے اس لئے ارشادات نبوت کی روشنی میں یہی بات درست قرار پاتی ہے کہ وہ ایسی ناپاک آلائشوں سے محفوظ تھے ان میں عملی طہارت بھی موجود تھی اور اعتقادی بھی۔ اس لئے اس پہلو سے ان کی ذات پر طعن ارشادات نبوت کی روشنی میں غلط ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اور حضور نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کی اس ضمنی بحث کے بعد اب ہم پھر نسب نبوی کے شجرہ مبارک کے بعض دیگر افراد کا ذکر کرتے ہیں۔

نسب نامہ نبوی ﷺ

امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ حدیث نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ نے اپنے نسب مبارک کی طہارت و پاکیزگی کا ذکر یوں کیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

انا محمد' بن عبد اللہ' بن عبد المطلب' بن هاشم' بن عبد مناف' بن قصی' بن کِلاب' بن مُرہ' بن کعب' بن لؤی' بن غالب' بن فهر' بن مالک' بن النضر' بن کِنانۃ' بن خُزیمۃ' بن مُدرکۃ' بن اِلیاس' بن مضر' بن نزار' وما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرهما۔ فاخرجت من بین ابوین' فلم یصبنی شئ من عهر الجاهلیۃ وخرجت من نکاح' ولم اخرج من سفاح من لدن آدم' حتی انتهت الی ابی وامی' فانا خیرکم نفسا وخیرکم ابا

(دلائل النبوۃ للبیہقی' ۱: ۱۷۴-۱۰۵، (البدایہ والنہایہ ۲: ۲۵۵)

میں محمد ﷺ بن عبداللہ' بن عبدالمطلب' بن ہاشم' بن عبد مناف' بن قصی' بن کلاب' بن مرۃ' بن کعب' بن لوی' بن غالب' بن فہر' بن مالک' بن النضر' بن کنانہ' بن خزیمہ' بن مدرکہ' بن الیاس' بن مضر' بن نزار ہوں۔ اس کے بعد فرمایا جب بھی نسل انسانی کو دو طبقات میں تقسیم کیا گیا تو مجھے (یعنی میرے نور کو) ان میں سے بہتر طبقہ میں رکھا گیا' پس میرے نسب کو ہر جگہ ایسے والدین (کی صلبوں اور رحموں) میں سے نکالا گیا کہ میرے نسب کو دورِ جاہلیت کی کسی برائی نے چھوا تک نہیں میرے سلسلۂ نسب میں ہمیشہ نکاح قائم رہا ہے کبھی بھی میرے تولد (یعنی نور کی منتقلی) میں

غلط کاری کا دخل نہیں ہوا یہ پاکیزگی
وطہارت حضرت آدم علیہ السلام سے
لے کر میرے حقیقی والدین (حضرت
عبداللہ اور حضرت آمنہ) تک برقرار
رہی ہے حتیٰ کہ (اسی طہارت نسبی کے
ساتھ) میری ولادت ہوئی پس میں
اپنے ذاتی شرف اور نسبی شرف
دونوں میں تم سب سے بہتر ہوں۔

معد بن عدنان تک نسب نامہ نبوی میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ حصہ مستند طریقے سے ثابت ہے چونکہ یہاں تک نسب اطہر کو حضور نبی اکرم ﷺ نے خود بیان فرمایا ہے لہٰذا ہم بھی سنت نبوی کی اتباع میں نسب نامہ نبوی کے باب میں معد بن عدنان تک تمام اسمائے گرامی کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضور نبی اکرم سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ
(۲) عبداللہ
(۳) عبدالمطلب (شیبہ)
(۴) ہاشم (عمرو)
(۵) عبد مناف
(۶) قصی
(۷) کلاب
(۸) مُرۃ
(۹) کعب
(۱۰) لوئی
(۱۱) غالب
(۱۲) فہر
(۱۳) مالک
(۱۴) نضر
(۱۵) کنانہ
(۱۶) خزیمہ
(۱۷) مدرکہ
(۱۸) الیاس
(۱۹) مضر
(۲۰) نزار
(۲۱) معد
(۲۲) عدنان

(الروض الانف، ۱: ۵ - ۸) (الطبقات الکبریٰ، ۱: ۵۵، ۵۶)

(۱) عدنان

عدنان حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ مؤرخین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ دونوں کے درمیان کتنا زمانہ اور کتنی پشتیں ہیں۔ بعض لوگ سات' بعض تیں اور بعض چالیس گنتے ہیں۔ اسی لئے حضرت امام مالک رحمہ اللہ 'عدنان کے بعد شجرہ نسب بیان کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے اور سوال اٹھاتے تھے کہ ان مؤرخین کو یہ تفصیلات کس نے دی ہیں؟ (الروض الانف' ۱:۱۱) (البدایہ والنھایہ ۲: ۱۹۳' ۱۹۸)

عدنان نہایت وجیہہ' خوش خلق' بہادر اور سخی تھے۔ مجبوروں کی خبر گیری' مظلوموں کی امداد' بے کسوں کی دست گیری اور غم نصیبوں کی غم گساری ان کا شعار تھا' سخاوت کے دریا بہادیتے تھے اسی لئے کسی شاعر نے ان کی شان میں کہا ہے۔

وما زال عدنان اذا عد فضله

توحد فیه عن قرین و صاحب (البدایہ ۲: ۱۹۷)

اور عدنان کی یہ شان اور خصوصیت آخر تک قائم رہی کہ جب اس کے فضائل و کمالات کو شمار کیا جاتا تو وہ یکتا ثابت ہوتا تھا۔

مشہور شہر "عدن" کا نام ان ہی کے نام پر اصلاً عدنان رکھا گیا تھا۔ جو زمانہ گزرنے کے ساتھ "عدنان" سے "عدن" بن گیا ہے۔

(۲)۔ معد بن عدنان

عدنان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام معد اور دوسرے کا نام عک تھا۔ بعض نے دو اور بیٹوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن کا نام حارث اور مذھب تھا۔ لیکن جس نیک بخت کو حضور نبی آخر الزمان ﷺ کے نسب مبارک میں سے ہونے کا شرف حاصل ہوا وہ معد تھے۔

معد کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے قریب تر ہے یہ وہی دور ہے جب عراق کے حکمران بخت نصر کو بہت عروج حاصل ہوا اور اس نے عسکری قوت کے بل بوتے پر پورے عرب کو تہہ وبالا کر دیا تھا۔ اس وقت معد بن عدنان کی عمر بارہ سال تھی۔ (الروض الانف' ۱:۹)

ابن سعد بیان کرتے ہیں:۔

کان معد مع بخت نصر' حین غزا حصون الیمن

(طبقات' ۱:۵۸)

جب بخت نصر نے یمن کے قلعہ پر حملہ کیا تو اس وقت معد بن عدنان اس کے ہمراہ تھے۔

تاریخ طبری میں ایک بڑی اہم بات درج ہے۔

ان اللّٰہ اوحی فی ذالکُ الزمان الی ارمیاء بن حلقیا ان اذھب الی "بخت نصر" فاعلمہ انی قد سلطتہ علی العرب و احمل معدًا علی البراق کی لا تصیبہ النقمۃ فیھم فانی مستخرج من صلبہ نبیا کریما اختم بہ الرسل فاحتمل معدا علی البراق الی ارض الشام فنشاء مع بنی اسرائیل و تزوج ھناکُ امرأۃ اسمھا معانۃ

(الروض الانف' ۱:۹)

اس دور میں اللہ تعالیٰ نے ارمیاء بن حلقیا کی طرف وحی بھیجی کہ بخت نصر کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ میری مشیت نے اسے عرب پر تسلط دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے (عرب سے شام کی طرف) اپنے ساتھ لے آؤ تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے کیونکہ میں اس کی پشت سے ایسا عظیم نبی ظاہر فرمانے والا ہوں جس پر رسولوں کی آمد کا سلسلہ ختم کر دوں گا۔ یہ حکم پا کر ارمیاء نے معد کو براق پر اپنے ساتھ لیا اور ملک شام چلے گئے۔ وہاں معد نے بنی اسرائیل کے ساتھ نشوونما پائی جوان ہوئے تو ایک عورت سے شادی کی جس کا نام معانہ تھا۔

اس طرح باری تعالیٰ نے بخت نصر کے عرب پر حملہ کے دوران نور محمدی ﷺ کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور سے کچھ عرصہ قبل عرب کی اخلاقی اور عملی حالت بہت پست اور دگرگوں

ہو گئی تھی۔ جس کے باعث مشیت الٰہی نے انہیں سبق سکھانے اور سزا دینے کا فیصلہ کیا اور ایک زبردست دشمن بخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا جس نے اس قوم کو پیس کر رکھ دیا۔ پھر عرصہ دراز کے بعد اس قوم کو سنبھلنے اور ابھرنے کا موقعہ ملا۔

جب عربوں کی حالت سنبھل گئی اور وہ جنگ کی تباہ کاریوں کے خوفناک نتائج سے باہر نکلے اور اجتماعی طور پر سکھ کا سانس لیا تو معد بن عدنان کو پھر واپس آنے کا حکم ہوا اور از سر نو دوسرے لوگوں کی طرح سرزمین حجاز میں آباد ہو گئے۔

وكان رجوع معد الى ارض الحجاز بعد ما رفع الله بأسه عن العرب و رجعت بقاياهم التى كانت فى الشواهق الى محالهم و مياههم بعد ان دوخ بلادهم بخت نصر و خرب المعمور و استاصل اهل حضوروهم الذين ذكرهم الله فى قوله "و كم قصمنا من قرية كانت ظالمة"

(الروض الانف '۱:۹)

جب اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کی تباہ کاری کے اثرات کو زائل کر دیا تو معد بن عدنان اس کے بعد حجاز مقدس میں واپس آ گئے اور جو لوگ پہاڑوں پر جا کر پناہ گزیں ہو گئے تھے وہ بھی اپنے اپنے گھربار اور چشموں پر آ کر آباد ہو گئے۔ بخت نصر نے ان کی بستیوں کو ویران' شہروں کو برباد اور اہلِ شہر کو پامال کر کے رکھ دیا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا ہے اور کتنی ہی بستیاں ہم نے مسل کر رکھ دیں جن کے رہنے والے ظالم تھے۔

معد بن عدنان اپنی قوم میں ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار سپہ سالار تصور کئے جاتے تھے۔ ان کی جنگی تدبیریں اور حربی صلاحیتیں میدان جنگ میں قوم کے بہت کام آتی تھیں۔ سوجھ بوجھ' خداداد صلاحیت اور بے مثال ذہانت کی بدولت روح فرسا اور اعصاب شکن حالات میں بھی حوصلہ نہیں ہارتے تھے اور فنی مہارت سے کام لے کر دشمن پر دباؤ بڑھا دیتے تھے جس سے وہ پسپا ہو جاتا تھا۔ اس لئے نوجوانوں کی یہ خواہش

ہوتی تھی کہ وہ ان کے زیر سایہ اور دائیں بائیں رہ کر لڑیں تاکہ ان کی شجاعت و مہارت کی بدولت انہیں جان کا تحفظ حاصل رہے۔

ابو العباس شاعر نے ایک شعر میں ان کی اس خوبی کو اپنے اسلوب میں اس طرح بیان کیا ہے۔

و کان معد عدة لولیه
اذا خاف من کید العدو المحارب

(البدایہ والنھایہ' ۲:۱۹۷)

جب دشمن کی مکاری اور فنی مہارت کی بدولت جنگ باز نوجوانوں پر دہشت طاری ہو جاتی تھی تو اس وقت معد بن عدنان دوستوں کے لئے پناہ گاہ اور سامان تسکین ثابت ہوتا تھا۔

اہل تحقیق کہتے ہیں معد کا مفہوم ہے ہر وقت جنگ کے لئے تیار رہنے والا۔ انہیں یہ لقب اس لئے دیا گیا تھا۔

لانه کان صاحب حروب و غارات علی بنی اسرائیل ولم یحارب احدا الا یرجع بالنصر والظفر۔

(الزرقانی علی المواہب' ۱:۷۹)

کیونکہ وہ بنی اسرائیل پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھتے تھے اور انہیں تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے۔ جب بھی کسی سے جنگ کرتے تو اس پر فتح یاب ہو کر لوٹتے تھے۔

(۳) نزار بن معد بن عدنان

نسب نبوی کی خیر و برکت سے بہرہ ور خاص اشخاص کی طرح نزار بھی نادر خصائص کے مالک تھے ابو الفرج اصفہانی کہتے ہیں انہیں یہ لقب ہی اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ یگانہ روزگار تھے۔ (فتح الباری' ۷: ۱۶۴ باب مبعث النبی)

جناب نزار نور کا تراشہ اور حسن و جمال کا پیکر تھے۔ اکہرے بدن کے ساتھ تیکھے نقوش نے ان کے قامت زیبا میں بے پناہ دلکشی پیدا کر دی تھی' لطافت و نزاہت

کے اس مجسّمے کو جو دیکھتا وہ بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔

خاص بات یہ کہ ان کی مبارک پیشانی میں نور محمدی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر تھا باپ کو جب اس نور تاباں کا پتہ چلا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی ہزار جاں سے اپنے بیٹے پر فریفتہ ہو گیا اسی خوشی میں ایک بہت بڑی دعوت کی جس میں انواع واقسام کے کھانے پکوائے لیکن عقیدت و محبت اور نور کی قدر شناسی کا یہ عالم تھا کہ اتنا زبردست اہتمام کرنے کے باوجود ذہن پر یہ احساس غالب رہا کہ یہ سب کچھ اس نور کی عظمت و رفعت کے پیش نظر بالکل معمولی ہے' اس نور کے حصول پر خوشی منانے کا حق اور تقاضا تو یہ ہے کہ آسمان کے برابر دستر خوان بچھایا جائے اور دنیا بھر کی نعمتیں اس پر سجائی جائیں اور کل زمانہ مہمان ہو۔

و کان ابوہ حین ولدلہ و نظر الی النور بین عینیہ و ہو نور النبوۃ الذی کان ینتقل فی الاصلاب الی محمد ﷺ فرح فرحا شدیدًا بہ و نحر و اطعم و قال ان ہذا کلہ نزر لحق ہذا المولود۔

(الروض الانف' ۱:۸)

معد بن عدنان کے گھر جب بچہ پیدا ہوا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نورِ نبوت درخشاں دیکھا جو پشتوں میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف منتقل ہو رہا تھا تو وہ بے حد خوش ہوا' قربانی کی' کھانا پکایا اور کہا اس بچے کے حقوق و مرتبہ کے مقابلے میں تو یہ بہت حقیر و قلیل ہے۔

کہتے ہیں ان کو نزار کہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کیونکہ نزار کا معنی قلیل بھی ہے باپ نے اس ساری شان و شوکت اور تزک و احتشام کو ان کی شان کے مقابلے میں قلیل تصور کیا تھا اور کہا تھا یہ سب کچھ "نزار" ہے۔ اسی سے ان کا نام نزار پڑ گیا۔

یقال ان قبر نزار بذات الجیش قرب المدینۃ۔

(زرقانی' ۱:۷۹)

کہا جاتا ہے مدینہ طیبہ کے نزدیک ایک موضع کا نام ذات الجیش ہے نزار کی قبر وہیں ہے۔

(۴) مضر بن نزار

حسن کسی بھی چیز میں ہو وہ اظہار و نمائش کی راہیں خود تلاش کرلیتا ہے' جوہر کبھی چھپے نہیں رہتے اور مشک کی مہک پھیل کر ہی رہتی ہے۔

مضر' حسن و جمال اور دولت کی فراوانی کے ساتھ خوش آواز بھی تھے۔ بولتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے جل ترنگ بج رہے ہوں یا جھرنے مترنم لے میں گنگنا رہے ہوں' اس ذاتی خوبی نے تخلیق کی راہ از خود نکال لی' چنانچہ ان کی طبع موزوں نے "حدی" ایجاد کی۔ اونٹوں کو چلانے کے لیے جو گیت گائے جاتے ہیں انہیں حدی کہتے ہیں۔ عرب میں پہلے حدی خوانی کا رواج نہیں تھا مگر جب مضر نے اس کی بنیاد رکھی اور اہلِ عرب اور صحرائی ساربانوں نے اس کے مثبت فوائد و اثرات مشاہدہ کئے تو وہ دنگ رہ گئے' حدی کی لے پر وجد و طرب کے عالم میں اونٹوں نے ذوق و شوق کے ساتھ سفر کرنا شروع کردیا اور ان کی کارکردگی میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

و مضر اول من سن للعرب حداء الابل۔ — مضر پہلے شخص ہیں جنہوں نے عربوں کے لیے حدی خوانی کو رواج دیا۔

(الروض الانف' ۱:۸)

مضر' حسین صورت اور موزوں طبع و سیرت ہی کے مالک نہیں تھے بلکہ حکیم و دانا بھی تھے۔ ان کی فکر و دانش نے پورے عرب کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا جب گفتگو کے لیے لب کھولتے تو حکمت و بصیرت کے موتی بکھیرتے چلے جاتے۔

ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) **من یزرع شرا یحصد ندامة۔** — جو بدی کا بیج بوتا ہے وہ ندامت کی کھیتی کاٹتا ہے۔

(۲) **خیر الخیر أعجله۔** — سب سے بہتر نیکی وہ ہے جو جلد کی جائے۔

(۳) **فاحملوا انفسکم علی** — اپنے نفسوں کو ان کاموں کے لیے تیار

مکروھھا واصرفوھا عن ھواھا فیما افسدھا فلیس بین الصلاح والفساد الا صبر فواق۔
(زرقانی' ۱:۷۹)

کرو جو انہیں ناپسند ہوں اور انہیں ہوا وہوس سے بچاؤ جس میں ان کے فساد کا خطرہ ہے کیونکہ اصلاح اور فساد کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے اتنی ہی دیر لگتی ہے جتنی دودھ دوہنے میں۔

(۵) الیاس بن مضر

انسان کے احوال و مقامات کی کوئی حد نہیں' دل زندہ و بیدار ہو تو حقائق کے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں اور انسان ایسے نادیدہ جہانوں سے آگاہ ہوتا ہے جو اس کے فکر و شعور سے ماوراء ہوتے ہیں۔ حیرت و استعجاب کے عالم میں وہ حسن و نور میں ڈوبی ہوئی ایسی اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس نے مادی آنکھوں سے کبھی نہیں دیکھی ہوتیں اور ایسے فردوسی نغمے سنتا ہے جو اس کے گوشت پوست کے کانوں نے کبھی نہیں سنے ہوتے' وہ غرق حیرت ہو کر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ

ایسے نادیدہ جہان اور نظر نہ آنے والے احوال و مقامات ایک حقیقت ہیں مگر ان سے آشنائی اور آگاہی کے لیے حسنِ باطن' روح کی پاکیزگی' دلِ زندہ و بیدار' بخشائشِ الٰہی' الطافِ ربانی اور فیضانِ خاص کی ضرورت ہے جو قدم قدم پر اس کے رہنما اور دستگیر ہوں اور اسے منزل عشق اور حریم قدس کی طرف رواں دواں رکھیں اور ادھر ادھر نہ ہونے دیں۔ جنہیں یہ توفیقات و عنایات ارزانی ہوتی ہیں وہ روحانی فیض اور حسن و نور سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور بلا حجاب ان کا دیدار کرتے ہیں اور کلام بے کیف سنتے ہیں یعنی ایسا کلام جس کی کیفیت سے وہ ناآشنا ہوتے ہیں۔ مادیت میں غرق اکثریت کو اگر یہ مقام دیدار اور سماع نوری حاصل نہ ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا ممکن ہی نہیں۔

نسب نبوت کے فرد خاص ہونے کے ناطے حضرت معد بن عدنان کی طرح حضرت الیاس کو بھی یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ نور محمدی کی جلوہ آرائی کو باقاعدہ محسوس کرتے تھے اور لطف اندوز ہوتے تھے لطف خاص نے ان کو ایک عظیم شرف بخشا

ہوا تھا وہ شرف عظیم کیا تھا۔

ذکر انہ کان یسمع فی صلبہ تلبیۃ النبی ﷺ بالحج۔
(الروض الانف '۱:۸)

حج کے موقعہ پر جو تلبیہ پڑھا جاتا ہے حضرت الیاس اپنی پشت سے اس کی آواز سنا کرتے تھے کہ نور محمدی وہ تلبیہ پڑھ رہا ہے۔

ایک اور روایت ہے

کان یسمع من ظھرہ احیانا دوی تلبیۃ النبی ﷺ بالحج۔
(الزرقانی علی المواہب ۱:۷۹)

حضرت الیاس وقتاً فوقتاً نور محمدی ﷺ کے تلبیہ کی شیریں آواز اپنی پشت سے سنا کرتے تھے۔

اس اعزاز سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ حضرت الیاس پروقار شخصیت کے مالک' قبائلی سردار' پنچائیت کے سربراہ اور معاشرے کے سربر آوردہ رکن بھی تھے۔ ان کے مشورے قول فیصل ہوتے تھے جو کہہ دیتے قوم کے لیے قانون ہوتا۔ لوگوں کی نظروں میں وہ ایک ایسے مدبر حکمران' دانا و فہیم انسان اور دور اندیش قائد تھے جو صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے لوگ انہیں اپنے معاشرے میں وہ حیثیت دیتے تھے جو حکیم و باتدبیر اور تجربہ کار ہونے کے حوالے سے اپنے دور میں حکیم لقمان کو حاصل تھی۔

ولم تزل العرب تعظمہ تعظیم اھل الحکمۃ کلقمان واشباھہ۔
(زرقانی '۱:۷۹)

اور اہل عرب ان کی ایسی تعظیم کرتے تھے جیسے حضرت لقمان اور ان جیسے حکماء کی کی جاتی ہے۔

(۶) کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس

کنانہ ' حضرت الیاس کے پڑپوتے تھے۔

کنانہ اس تھیلے کو کہتے ہیں جس میں تیر جمع کرکے رکھے جاتے ہیں اور پھر بوقتِ ضرورت استعمال کئے جاتے ہیں' انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ اپنی قوم کے

پشت پناہ اور سہارا تھے' پوری قوم ان کے تدبر و شعور اور فہم و فراست پر بھروسہ کرتی اور ان کے زیرِ سایہ زندگی گزارنے میں عافیت' سکون اور امن و چین محسوس کرتی تھی۔ یہ وہ تاریخی شخصیت ہیں جنہیں اولاد اسماعیل اور قریش میں سنگم کی حیثیت حاصل ہے' ان کی اولاد کو بنو کنانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن آگے ان کے بیٹے نضر کی اولاد کو "قریش" کہتے ہیں۔ گویا ان کی ذات پر آکر اولادِ اسماعیل دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور قدرت کی نظر میں بنو کنانہ کا منتخب حصہ قریش بن جاتا ہے۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ان اللہ عزوجل اصطفی کنانۃ من ولد اسماعیل علیہ السلام واصطفی قریشا من کنانۃ
(الصحیح لمسلم' ۲:۲۴۵)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو منتخب فرمالیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد عرب کے اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی تھی جن کے قبائل مختلف مقامات پر آباد تھے۔ ایک دفعہ اشعث بن قیس کندی یمن سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

یارسول اللہ! انا نزعم انکَ منا

آقا ہم سمجھتے ہیں کہ آپ ہم میں سے ہیں

آپ نے فرمایا۔

نحن بنو النضر بن کنانۃ
(فتح الباری' ۶:۵۲۹)
(البدایہ والنھایہ' ۲:۲۰۰)

ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔

گویا اولاد کنانہ کو ممتاز اور منفرد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ بتانا مقصود تھا کہ کنانہ پر آکر انتخاب قدرت نے آگے پھر ہمارے نسب میں امتیاز پیدا فرما دیا ہے۔

(۷) فہر بن مالک بن نضر

فہر' نسبی حوالے سے کنانہ کے پڑپوتے تھے۔ خاندانی روایات کے پیکر اور

قبائلی فضائل کے مظہر اتم تھے' قوت و طاقت وراثت میں ملی تھی اور شجاعت و بہادری جسم و جاں میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ بڑے سے بڑا دشمن بھی زور بازو کی تاب نہیں لا سکتا تھا اور میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا۔

یمن کا حکمران حسان ایک جاہ طلب' توسیع پسند اور شان و شوکت کا دلدادہ متکبّر شخص تھا۔ وہ دنیا بھر کے انسانوں کو اپنا مطیع اور غلام دیکھنا چاہتا تھا' اس کے مزاج میں اتنی رعونت اور طبیعت میں اس قدر خشونت تھی کہ اہل کاروں کو نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا تھا' دماغ میں فتور آیا اور ذہن میں یہ سودا سمایا کہ یمن میں ایک مرکز ملت قائم کرنا چاہیے جہاں دنیا بھر کے لوگ حاضر ہوں اور اسے سلام کریں اور اپنا مقتدا و خدا مانیں۔

اس کی نظر خانہ کعبہ پر مرکوز ہو گئی وہ سوچنے لگا کہ لوگوں کو اس گھر کے ساتھ والہانہ عقیدت ہے اگر اس کے اینٹ پتھر اکھاڑ کر یمن میں لائے جائیں اور پھر انہیں چن کر از سر نو ایک گھر بنا دیا جائے تو وہ عوام کا مرجع اور مرکز عقیدت بن سکتا ہے اور یوں لوگ مکہ جانے کی بجائے ادھر آجایا کریں گے۔

یہ سوچ کر اس نے مکہ پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا۔ فوج لی اور کعبہ کو ڈھانے کے لیے روانہ ہو گیا۔ فہر بن مالک کو اس کے مذموم اور خطرناک عزائم کا علم ہوا تو مقابلہ کی تیاری شروع کر دی' قرب و جوار میں آباد تمام قبائل کو اکٹھا کیا اور میدان میں آگئے' زبردست جنگ ہوئی جس میں فہر نے جوش و جذبہ اور قوت بازو کے خوب جوہر دکھائے' اور بڑی ہوشمندی اور شعور و تدبّر کا مظاہرہ کیا' جنگی حکمت عملی سے کام لے کر دشمن کو شکست فاش دی' حسان کو گرفتار کر لیا' وہ تین سال تک جنگی قیدی رہا پھر فدیہ دے کر آزادی حاصل کی مگر یمن پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا۔ (تاریخ کامل لابن اثیر)

اس کامیابی نے فہر کی نیک نامی اور اچھی شہرت میں بے حد اضافہ کیا اور تمام عرب نے اس کی سیادت پر اجماع کر لیا۔ اس طرح وہ بلا شرکت غیرے سب کا حکمران بن گیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اسی اجماع نے اس کو قریش بنا دیا تھا اور سب سے پہلے اسی کو یہ لقب دیا گیا۔

لیکن محققین کے نزدیک زیادہ ثقہ اور مستند بات یہ ہے کہ لقب قریش فہر کے دادا نضر کو دیا گیا تھا بعض روایات بھی اسی دعویٰ کی تائید کرتی ہیں۔

ہشام بن کلبی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

كان سكان مكة يزعمون انهم قريش دون سائر بني النضر حتى رحلوا الى النبي ﷺ فسالوه من قريش؟ قال من ولد النضر بن كنانة

(فتح الباری ۶: ۵۳۴)

اہل مکہ گمان کرتے تھے کہ وہ قریشی ہیں نضر کی اولاد اس میں شامل نہیں وہ لوگ سفر کر کے حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور پوچھا حضور کون لوگ قریشی ہیں؟ فرمایا نضر بن کنانہ کی اولاد۔

فتح الباری میں دوسری جگہ ہے۔

والى النضر تنتهي انساب قريش

(ایضا)

قریش کا نسب نامہ نضر بن کنانہ تک پہنچتا ہے۔

لقب قریش کی وجہ تسمیہ کے باب میں بہت سے اقوال ہیں لیکن جو قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ بہت ہی معنی خیز ہے۔

بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

قريش تصغير قرش وهي دابة في البحر لا تمر بشي من غث ولا سمين الا اكلته

(فتح الباری ۶: ۵۳۴)

لفظ قریش قرش کی تصغیر ہے یہ ایک دریائی مخلوق ہے جو جدھر سے گذرتی ہے ہر چھوٹی بڑی چیز کا صفایا کر دیتی ہے۔

یہ وھیل مچھلی کی تعریف ہے سمندر میں تمام جانور جس سے خوف کھاتے ہیں جب یہ حرکت میں آتی ہے تو سمندر میں ہلچل مچ جاتی ہے اور جانور وحشت زدہ ہو کر پناہ گاہیں ڈھونڈنے لگتے ہیں یہ سب پر غالب آتی ہے لیکن اس کے ڈیل ڈول کی وجہ سے کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔ قریش کو بھی یہ لقب اسی لئے دیا گیا کہ وہ سب پر چھا جاتے ہیں اور کوئی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتا تھا۔

وقیل سمی قریشا لانہ کان یقرش عن خلۃ الناس و حاجتھم و یسدھا (فتح الباری '۶: ۵۳۴)	یہ بھی کہا گیا ہے کہ قریش کو اس لئے قریش کہا جاتا تھا کہ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کی ضروریات پوری کرتے تھے

ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو وہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا۔

ان قریشا تزعم انک اعلمھا فلم سمیت قریش قریشا	قریش بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ آپ ان میں سب سے بڑے عالم ہیں اگر یہ بات ہے تو مجھے بتایئے قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفصیل بیان کر کے بتایا کہ قریش وھیل مچھلی کو کہتے ہیں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بولے۔

مزہ تو تب ہے کہ آپ اپنے بیان کردہ معنی کی تائید میں کوئی عربی شعر بھی پیش کریں جس میں قریش کا معنی وھیل مچھلی کیا گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تائید میں فورا شمرخ بن عمرو حمیری کے یہ اشعار پڑھ دیئے۔

وقریش ھی التی تسکن البحر بھا سمیت قریش قریشا

تاکل الغث والسمین ولا تترک فیہ لذی الجناحین ریشا

(قریش ایک مچھلی ہے جو سمندر میں رہتی ہے اور چھوٹی موٹی ہر چیز کو کھا جاتی ہے اور کسی پر والے کا رگ و ریشہ تک نہیں چھوڑتی قریش کو بھی اسی لئے یہ لقب دیا گیا ہے۔)

ھکذا فی البلاد حی قریش

یاکلون البلاد اکلا کمیشا

(اسی طرح شہروں میں قبیلہ قریش ہے جو تمام شہروں کو تیزی سے کھا جاتا ہے۔)

ولهم۔ اٰخر الزمان نبی
یکثر القتل فیهم و الخموشا

(اور ان میں آخرالزمان نبی پیدا ہو گا جو ان کے (تکبر) کو زخمی اور ان (کے ظلم وانکار) کو قتل کر ڈالے گا۔)

(زرقانی علی المواہب، ۱:۷۶) (فتح الباری، ۶:۵۴۴) (دلائل النبوہ للبیہقی، ۱:۱۸۱)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

کانت قریش تصل الارحام فی الجاهلیة فلما دعاهم النبی ﷺ الی اللّٰہ خالفوه و قاطعوه

(فتح الباری، ۶:۵۴۱)

قریش دورِ جاہلیت میں صلہ رحمی اور رشتے ناطے کی پاسداری کیا کرتے تھے لیکن جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا تو مخالفت پر اتر آئے اور نسبی رشتے کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔

انہیں اس کی سزا جنگ بدر میں یوں ملی کہ کثرت سے ان کے افراد زخمی اور قتل ہو گئے۔

(۸) کعب بن لوی بن غالب بن فہر

فہر بن مالک کے پوتے لوی تھے لوی پلے ہوئے اس جنگلی بیل کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا، وہ اپنی جسمانی قوت سے اپنے بدمقابل کو ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔

ان کے بیٹے حضرت کعب تھے جب ان کا زمانہ آیا تو قدرت نے انہیں نور محمدی کا امین بنایا اس مقدس امانت کے سبب ان کے شب و روز مروجہ ماحول اور جاہلانہ رسوم و رواج سے بالکل مختلف ہو گئے اور وہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے لگے۔ جیسے کسی غیر مرئی سرمدی نشے سے سرشار ہوں اور دنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔

جمعۃ المبارک کا دن اس ملت میں شروع ہی سے مقدس اور بابرکت گردانا جاتا تھا لیکن اسے جمعہ کی بجائے "یوم العروبہ" کہتے تھے۔ اس دن جناب کعب لوگوں کو

ایک جگہ جمع کرتے اور انہیں ایمان افروز نصیحتیں فرماتے اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچتے' یہاں کی فانی لذات' دلکش خواہشات' بے کار انسانی تگ ودو' غفلت' سستی اور کبھی ختم نہ ہونے والی حرص و ہوس کا ذکر کرتے اور ان کے خوفناک انجام سے ڈراتے' تذکیرو نصیحت کے اس حسین معمول میں فرق نہ آنے دیتے جس کی بنیاد انہوں نے خود ڈالی تھی۔

ایک روز انہوں نے بڑا ہی انقلابی اور نشاط انگیز خطاب فرمایا جس سے سامعین کی روحیں جھوم اٹھیں اور سب وجد و طرب کے عالم میں خلاؤں میں گھورنے اور مسرت و انبساط کے عالم میں مستقبل کی روشنی دیکھنے لگے۔ انہیں آنے والے خوش نصیب انسانوں کے بخت رسا پر رشک آنے لگا جب وہ اُس بابرکت روشنی اور آسمانی ہدایت سے فیض یاب ہوں گے اور حسن و نور کے اُس پیکر کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے جو شاہکار قدرت ہے اور جس کی مثل اس نے کوئی پیدا ہی نہیں کیا۔ جو عاشق دیکھے گا اسی کے نور میں کھو جائے گا اور کہے گا ایسا محبوب تو آج تک دیکھا ہی نہیں۔

کعب گویا ہوئے۔

"اے لوگو! کانوں کی کھڑکیاں کھول لو اور دلوں کے پردے ہٹا دو اور میری بات غور سے سنو! جو کہنے والا ہوں اس کی طرف توجہ دو اور میری بات گھر گھر پہنچا دو تاکہ حقیقت کبریٰ سے کوئی بے خبر نہ رہے۔ تم جانتے ہو رات اپنی تاریکی کے دامن میں ہر شے کو چھپا لیتی ہے۔ دن کا اجالا ہر چیز کو نمایاں کر دیتا ہے زمین ہماری رہائش گاہ ہے جسے رہنے کے قابل بنا دیا گیا ہے۔ آسمان کا سائبان ہمارے سروں پر تنا ہوا ہے۔ جیسے گھر کی چھت ہو اور اس میں جھلملاتے ستارے ہماری آنکھوں کو رونق اور زینت بخشتے ہیں۔ پہاڑوں کی حیثیت میخوں کی سی ہے۔ جنہیں مضبوطی کے ساتھ زمین میں گاڑ دیا گیا ہے جس وجہ سے وہ ہل نہیں سکتی یہ قدرت کی وہ نعمتیں اور بیش بہا عطایا ہیں جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

سوچو! ہم اس زمین پر زندگی گزار رہے ہیں ہم سے پہلے یہاں ہمارے آباؤ

اجداد رہتے تھے مگر وہ اپنی زندگی کے دن پورے کر کے چلے گئے ہم بھی ایک دن چلے جائیں گے جو اس جہاں سے چلا جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا ہر چھوٹا بڑا مرد و عورت اور جاندار اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور موت کی طرف بڑھ رہا ہے اس لئے غفلت سے جاگو اور سستی اور بے کاری سے بچو' زندگی کے مقاصد پہچانو اور اسے مفید بناؤ' حقوق غصب نہ کرو' دوسروں کے کام آؤ اور آپس کے تعلقات کو پیار و محبت اور ہمدردی کی بنیاد پر استوار کرو' یہی نیکیاں آخرت میں کام آئیں گی اور یاد رکھو! آخرت دور نہیں ہے۔ آنکھیں بند کرنے کی دیر ہے' دارِ آخرت میں پہنچ جاؤ گے' اس لئے فانی امیدوں کے دروازے بند کرو اور حقیقت شناس بنو۔ تم مکہ کے باسی اور حرم شریف کے باشندے ہو ہمسائیگی کعبہ سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے اس لئے اس نعمت کبریٰ پر اللہ کا شکر ادا کرو میں آج تمہارے سامنے ایک اور بہت بڑی نعمت کا ذکر کرنے والا ہوں جس سے بڑی نعمت اور عظمت و رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور وہ نعمت آخر الزماں نبی کریم ﷺ کی ذات ہے جو سب سے آخر میں تشریف لائیں گے وہ انبیاء کرام کے خاتم ہوں گے ان کی تشریف آوری کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔

علی غفلۃ یاتی النبی محمد
لیخبر اخبارا صدوق خبیرھا

(تمہیں پتہ بھی نہیں لیکن وہ نبی محمد (ﷺ) ضرور تشریف لائیں گے اور (عالم بالا) کی سچی خبریں دیں گے کیونکہ وہ سچی خبریں دینے والے علیم و بصیر انسان ہیں۔)

واللہ لو کنت فیھا ذا سمع و بصر و ید و رجل لتنصبت فیھا تنصب الجمل ولا رقلت بھا ارقال العجل
(البدایہ والنھایہ' ۲: ۲۴۴)

(خدا کی قسم اگر میں اس وقت طاقتور ہوتا اور میرے ہاتھ پاؤں سلامت اور دیکھنے سننے کی قوتیں بحال ہوتیں تو میں اونٹ کی طرح سینہ سپر ہو جاتا اور

بچھڑے کی طرح تیز دوڑ کر ان میں
شامل ہو جاتا۔)

یالیتنی شاھدا نجواء دعوتہ
حین العشیرہ تبغی الحق خذلانا

(اے کاش! میں ان کی دعوت الی الحق کے وقت زندہ اور حاضر ہوتا جبکہ ان
کا اپنا خاندان بھی حق و صداقت کا ساتھ چھوڑ دے گا۔)"

اس نوعیت کا یہ پہلا خطبہ نہیں تھا ایسے حقیقت افروز اور دلکشا خطبات وہ
اکثر ارشاد فرماتے رہتے تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کے بارے میں لوگوں کو
آگاہ کرتے رہتے تھے۔

و کانت تجمع الیہ قریش فی ھذا الیوم فیخطبھم و یذکرھم بمبعث النبی ﷺ و یعلمھم بانہ من ولدہ و یامرھم باتباعہ والایمان بہ

(زرقانی علی المواھب ' ۱: ۷۵)
(محمد رسول اللہ ﷺ :۱۵)

قریش جمعہ کے دن اکٹھے ہو جاتے تھے چنانچہ کعب انہیں خطبہ دیتے اور حضور ﷺ کی آمد و بعثت کا ذکر کیا کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ وہ ان کی اولاد میں سے ہیں اور حکم دیا کرتے تھے کہ اگر ان کا زمانہ پالیں تو فوراً ان پر ایمان لے آئیں اور ان کی اتباع کریں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے پاس ان معلومات کا ذریعہ کیا تھا وہ کس
اساس پر ایسی خبریں دیتے اور مستقبل کی باتیں بتایا کرتے تھے۔
اس کا جواب زرقانی میں ہے۔

وعلمہ ھو بہ من الوصیۃ المستمرۃ من آدم علیہ السلام ان من کان فیہ ذالک النور لا یضعہ الا فی المطھرات لان ختام لانبیاء منہ

(زرقانی ' ۱: ۷۵)

اس علم کی بنیاد وہ وصیت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی تھی کہ جس ہستی میں یہ نور محمدی درخشاں ہو گا وہ اسے پاکیزہ پیکروں ہی

کے سپرد کرے گا اور وہ نور والا خاتم
الانبیاء ہوگا۔

و کان بین موت کعب بن لوی و مبعث رسول اللہ ﷺ خمس مائۃ عام و ستون سنۃ
(البدایہ والنھایہ ۲: ۲۴۴)

(یہ پانچ سو ساٹھ سال پہلے کی باتیں ہیں) حضرت کعب بن لوی کی موت کے ۵۶۰ سال بعد حضور ﷺ کی بعثت ہوئی۔

حضرت کعب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آٹھویں دادا ہیں یہاں پہنچ کر جناب عمر کا نسب حضور ﷺ کے نسب مبارک کے ساتھ مل جاتا ہے۔
(محمد رسول اللہ ﷺ :۱۵ از محمد رضا)

(۹) قصی بن کلاب بن مُرہ بن کعب

مُرہ، کعب کے بیٹے تھے انہیں یہ نام دشمن پر ہیبت و دہشت طاری کرنے کے لیے دیا گیا تھا۔ مرہ تلخ اور انتہائی کڑوی چیز کو کہتے ہیں، یہ سفاک دشمنوں کے حق میں واقعی کڑوے اور بہت تلخ تھے۔ مزاج میں تلخی اور سختی کے باعث دشمن ان سے خم کھاتے اور سامنے آتے ہوئے دہلتے تھے۔

وھو الجد السادس لرسول اللہ ﷺ والجد السادس ایضا لابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ وفی مُرۃ یجتمع نسب الامام مالک بنسب رسول اللہ ﷺ
(محمد رسول اللہ ﷺ، محمد رضا:۱۵)

حضرت مُرہ حضور نبی اکرم ﷺ کے چھٹے دادا ہیں اسی طرح آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھی چھٹے دادا ہیں۔ اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا نسب مبارک بھی یہاں پہنچ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک نسب کے ساتھ مل جاتا ہے۔

(۱) مُرہ کے بیٹے کِلاب تھے۔ ان کا اصل نام عروہ، مہذب یا حکیم تھا۔ مگر انہیں کِلاب کے نام سے مشہور کیا گیا تھا۔ کلاب، کلب کی جمع ہے۔ کلب چیر پھاڑ کرنے والے خوفناک کتے کو کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے اس دور میں عرب اپنے بیٹوں کے لیے ایسے خوفناک

نام بڑی بے تکلفی سے تجویز کر لیتے تھے۔ لوی زبردست جنگلی سانڈ کو کہتے ہیں۔ مرہ میں تلخی کے معنی پائے جاتے ہیں ایک شخص کو اسی قسم کا تعجب لاحق ہوا تو اس نے سوال کیا۔

لم تسمون ابناء کم بشر الاسماء نحو کلب و ذئب و عبدکم باحسن الاسماء نحو رزق و مرزوق و رباح۔ فقال: انما نسمی ابنائنا لاعدائنا وعبدنا لانفسنا یرید ان الابناء عدۃ للاعداء و سهام فی نحورهم فاختاروا لهم هذه الاسماء

(زرقانی علی المواهب '۱: ۷۴)

تم اپنی اولاد کے اتنے برے نام کیوں رکھتے ہو؟ جیسے کتا اور بھیڑیا اور اپنے غلاموں کے بڑے اچھے اور خوبصورت نام رکھتے ہو؟ جیسے آسودہ حال' دولت مند' مفید اور نفع رساں۔ اس نے جواب دیا بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے اور غلاموں کے نام اپنے لئے رکھتے ہیں۔ (مطلب یہ تھا کہ بیٹوں کو دشمنوں سے ٹکر لینے کے لیے تیار کرتے ہیں اور ایسے خوفناک نام تجویز کرتے ہیں تاکہ خود اولاد اور دشمنوں دونوں پر اس کے نفسیاتی اثرات ہوں۔)

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ مرہ شکاری کتوں کے شوقین تھے شکار کے لیے بہت سے کتے اپنے پاس رکھتے تھے۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔

(۲) کلاب بن مرہ' حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے تیسرے دادا ہیں۔ اس طرح یہاں پہنچ کر حضور ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کا نسب اور حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نسب' دونوں آپس میں مل جاتے ہیں۔

کلاب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے عربی مہینوں کے نام رکھے جو آج تک جاری و ساری ہیں۔

(۳) قصی نے بھی باپ ہی کی طرح نام پیدا کیا۔ اور عرب کے طول و عرض میں اپنی عظمت کا پھریرا لہرا دیا اور قریش کو وہ عزت و شہرت اور اجتماعیت بخشی جو انہیں پہلے حاصل

نہیں تھی۔

قصی کے لغوی معنی "دور" کے ہیں۔ ان کا اصل نام زید تھا۔ جب ان کے والد کلاب کا انتقال ہوا تو ان کی والدہ فاطمہ نے ربیعہ بن حرام سے نکاح کر لیا وہ انہیں ملک شام لے گیا یہ چونکہ بچے تھے اس لئے انہیں بھی والدہ کے ہمراہ وطن سے دور جانا پڑا اس لیے ان کا نام "قصی" پڑ گیا۔

قصی بڑے ہی جہاندیدہ' بزرگ اور دانا انسان تھے۔ اپنے پیش رو بزرگوں کی طرح اکثر نورِ محمدی ﷺ کی آمد اور قرب زمانہ بعثت کا ذکر کرتے رہتے تھے اور انہیں اشتیاق دلاتے تھے کہ وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائیں۔

کان یجمع قومہ یوم العروبۃ فذکرھم و یامرھم بتعظیم الحرم و یخبرھم انہ سیبعث فیھم نبی
(شرح الزرقانی' ۱: ۷۳)

جمعہ کے روز اپنی قوم کو جمع کر کے نصیحت کرتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ حرم شریف کی تعظیم کریں اور بتاتے تھے کہ عنقریب ان میں ایک نبی تشریف لانے والے ہیں۔

قصی وہ پہلے دور اندیش سردار ہیں جنہوں نے قریش کی منتشر افرادی قوت کو مجتمع کرنے کی طرف سنجیدگی سے توجہ دی اور انہیں اطراف و جوانب سے اٹھا کر مکہ میں آباد کرنے کے لیے زمین الاٹ کی پلاٹ اور قطعات دیئے تاکہ وہ مکانات تعمیر کر کے حرم کعبہ کے قریب آباد ہوں اور جب انہیں ضرورت پڑے یہ ان کے لیے دست و بازو ثابت ہوں۔ ان کی یہ تدبیر کارگر رہی اور قریش کو حرم شریف کی کلیدی اسامیوں پر بالادستی حاصل ہو گئی۔

انہوں نے سیادت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی منصوبہ بندی کی' عوام اور حجاج کی ضروریات کا جائزہ لیا' لوگوں کو پیش آمدہ مشکلات کی فہرست تیار کی پھر ان کے حل کے لیے باقاعدہ رفاہی اور اصلاحی پروگرام وضع کئے جو تاریخ میں سقایہ' رفادہ' ندوہ اور حجابت کے نام سے مشہور ہیں۔

ان رفاہی کاموں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سقایہ:۔ آج کل کعبہ مکرمہ کے نزدیک زمزم کا کنواں موجود ہے جس میں پانی کی کثرت اور برکت کے باعث کسی کو قلت کا احساس نہیں ہوتا۔ صرف وہاں کے زائرین ہی سیراب نہیں ہوتے بلکہ اپنے ملکوں میں بھی تبرک کے طور پر لے جاتے ہیں۔ اس وقت یہ کنواں معلوم نہیں تھا۔ بنو جرہم نے اسے بند کر دیا ہوا تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ زمزم کا کنواں کہاں ہے اس لئے پانی کی شدید قلت تھی اور حجاج و زائرین کو بے حد تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

قصی نے اس تکلیف کو شدت سے محسوس کیا اور وسیع پیمانے پر پانی کے ذخائر کے انتظامات کئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حجاج کو بے حد سہولت حاصل ہو گئی اور پانی کی قلت اور تنگی کی شکایت جاتی رہی اس انتظام کو "سقایہ" کہتے ہیں۔

(۲) رفادہ:۔ حجاج کے لیے کھانے وغیرہ کا بھی کوئی معقول اور ان کی شایان شان انتظام نہیں تھا جس وجہ سے انہیں بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا' قصی نے قریش کو جمع کیا اور فرمایا۔

"حجاج و زائرین اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ یہ لوگ ہر لحاظ سے قابلِ احترام ہیں۔ یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ وہ یہاں آکر طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہوں اور ہم ان کا تماشا دیکھیں' یہ میزبانی کے اصولوں کے منافی ہے اور احترام کے بھی خلاف ہے۔ آپ لوگ یہاں کے معزز مکین ہیں یہاں کے رہائشی اور مقیم ہونے کے حوالے سے ہمارا فرض بنتا ہے کہ آنے والوں کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے دیں' اس کی احسن صورت یہی ہے کہ ہم تمام قبائل پر لازم کر دیں کہ وہ ہر سال رضاکارانہ طور پر زیادہ سے زیادہ چندہ دیا کریں۔ جس سے آنے والے زائرین کی ضیافت و دعوت ہو سکے اور وہ اضافی خرچ سے بچ جائیں۔"

تمام لوگوں نے اس تجویز کو پذیرائی بخشی اسے بخوشی قبول کیا اور چندہ دینے کی حامی بھری اس طرح حجاج کے لیے مفت کھانے کا انتظام ہونے لگا۔ اس انتظام کو "رفادہ" کہتے ہیں۔

(۳) ندوہ:۔ اجتماعی اور قومی نوعیت کی تقریبات کے لیے ان کے پاس کوئی جگہ اور منصوبہ بندی نہیں تھی قصی نے اس کمی اور ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لوگوں کو "دار الندوہ" قائم کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک عمارت مختص کی گئی جسے آج کی اصطلاح میں اسمبلی ہال کہہ سکتے ہیں۔ قومی سطح کے فیصلے اور مشورے وہاں ہونے لگے اور انفرادی اور اجتماعی مشکلات کے حل کے لیے لوگ وہاں اپنے مسائل پیش کرنے لگے۔ اس طرح اس عمارت نے عدالت کی حیثیت بھی اختیار کر لی شادی بیاہ کی تقریبات بھی وہاں انجام پذیر ہونے لگیں۔ اس طرح ان کی معاشرتی اور قبائلی زندگی میں اس عمارت کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی اور وہ اسے اپنی زندگی کا ناگزیر حصہ سمجھنے لگے۔ اسے "ندوہ" کہتے ہیں۔

(۴) حجابت:۔ کعبہ اللہ اور مسجد حرام کی تعمیر اور تزئین کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ حالانکہ صورتِ حال کے پیش نظر اس چیز کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور وہ اوّلیں توجہ کی متقاضی تھی تاکہ وقت پر مسجد اور کعبہ کی صفائی اور مرمت ہوتی رہے اور دیکھ بھال کے لئے جو ضروری امور ہیں ان کی طرف باقاعدہ توجہ رہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک نظام وضع کیا گیا جسے "حجابہ" کہتے ہیں۔

حضرت قصی کو رفاہ عامہ کے ان کاموں کی بدولت عوام میں بے حد پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ انہیں ایک طرح کا سربراہ مملکت تسلیم کر لیا گیا اور وہ بلا شرکت غیرے سب کے حکمران بن گئے اور وفات تک ان تمام امور کے نگران و سرپرست رہے۔

كان قصي اول بني كعب اصاب ملكا اطاع له به قومه و كانت اليه الحجابة و السقاية و الرفادة و الندوة و اللواء فحاز شرف مكة كله

(البدایہ والنھایہ ۲:۲۰۷)

حضرت قصی کعب کی اولاد میں پہلے شخص تھے جو حکومت کے سربراہ بنے اور ان کی قوم نے مکمل طور پر انہیں اپنی اطاعت کا یقین دلایا۔ چنانچہ حجابہ، سقایہ، رفادہ، ندوہ اور لواء (جنگ کے لئے جھنڈا لہرانے) کے تمام انتظامات

بھی انہی کے ہاتھ میں تھے اس طرح انہوں نے مکہ میں مکمل شرف اور اقتدار حاصل کر لیا۔

بنی دارا لازاحۃ الظلمات و فصل الخصومات سماھا دار الندوۃ اذا اعضلت قضیۃ اجتمع الرؤساً من کل قبیلۃ فتشوروا فیھا و فصلوھا ولا یعقد عقد لواء ولا عقد نکاح الا بھا

(البدایہ والنھایہ '۲:۲۰۷)

انہوں نے نزاعات کا فیصلہ اور ظلم کے ازالہ کے لئے ایک عمارت تیار کی جس کا نام "دارالندوہ" رکھا جب بھی کوئی مقدمہ پیش ہوتا تمام قبیلوں کے سردار اکٹھے ہو جاتے باہم مشورہ کرتے اور فیصلہ دیتے۔

جنگ کے لئے جھنڈا یہیں سے لہرایا جاتا اور نکاح بھی یہیں کیا جاتا تھا۔

شراب کی لت بہت بری ہے پورا عرب اس کی زد میں آچکا تھا دخت رز کے رسیا' علانیہ محفلیں جماتے' خم لنڈھاتے اور جام گردش میں لاتے تھے جب دور چلتے تو اخلاق و ناموس کی دھجیاں اڑ جاتیں' فضائیں سائیں سائیں کرنے لگتیں اور نوجوانوں کی مستی خرمستی میں بدل جاتی۔

قصی نے اس آتش سیال کی تباہ کاریوں کو بھانپ لیا انہوں نے اپنی اولاد کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ اس منحوس بلا کے سائے سے بھی بچیں اور اس سے کلیتاً پرہیز کریں انسانیت اور اخلاق کی بقا اسی میں ہے۔

ان کے نصائح آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

(۱) من اکرم لئیما شارکہ فی لومہ

جو شخص کمینے کی عزت کرتا ہے وہ اس کی کمینگی میں حصہ دار بن جاتا ہے۔

(۲) من طلب فوق قدرہ استحق الحرمان

جو اپنی حیثیت سے زیادہ مانگتا ہے وہ محروم رہتا ہے۔

(۳) الحسود هو العدو الخفی — حاسد مار آستین ہوتا ہے۔

(۴) من لم تصلحه الكرامة اصلحه الهوان — جس کو عزت راس نہیں آتی پھر اسے ذلت ہی ٹھیک کرتی ہے۔
(پھولوں سے نفرت کرنے والے پتھروں سے ٹھوکریں کھاتے ہیں۔)

(۱۰) عبد مناف بن قصی

عبد مناف، قصی بن کلاب کے بیٹے تھے ان کا اصل نام مغیرہ تھا۔ اس نام کے آخر کی "ۃ" مبالغہ کے لئے ہے۔ جس کا معنی ہے دشمن پر تابڑ توڑ حملے کرنے والا۔

محققین کا خیال ہے مغیرہ ان کا لقب تھا جو دشمنوں کو مرعوب و خوفزدہ کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ اصل نام عبد مناف ہی تھا جو اناف سے مشتق ہے اس کا معنی ہے ایسا شخص جو بہت ہی بلند مرتبہ، افضل اور قوم میں معزز و قابل تکریم ہو۔

عبد مناف بڑے ہی فیاض، دریادل اور غریب نواز انسان تھے۔ سائل کو کبھی محروم اور خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔ حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت میں بھی یکتا تھے۔ جو رخ پرنور کو دیکھتا انگشت بدنداں رہ جاتا، اسی لئے لوگ ان کو "قمرالبطحاء" بطحاء کا چاند کہا کرتے تھے۔

و يدعى القمر بجماله ...... و كان فيه نور رسول الله ﷺ (زرقانی، ۱: ۷۳) — خوبصورتی کی وجہ سے انہیں "چاند" کہا جاتا تھا، ان کی پیشانی میں "نور محمدی" جلوہ گر رہتا تھا۔

شاید اسی حسن وجمال اور سیادت و کرامت کی وجہ سے ایک عربی شاعر نے کہا ہے۔

كانت　قريش　بيضة　فتفلقت
فالمح　خالصة　لعبد　مناف

(زرقانی، ۱: ۷۳)

"قریش ایک انڈے کی مانند تھے جو پھٹ گیا اور اس میں سے عبد مناف ایک

خالص زردی کی صورت میں نمودار ہوئے۔ وہی اس کا مغز بھی تھے۔"

عبد مناف کے والد قصی بڑی باوقار اور جلالت مآب شخصیت کے مالک تھے۔ قریش میں انہوں نے نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا ان کے چار بیٹے تھے۔ تین بیٹے عبد' عبدالعزیٰ اور عبد مناف تو اپنی قابلیت' زور بازو' شرافت و نجابت اور دولت و ثروت کی وجہ سے شہرت اور اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے وہ خاصے مالدار تھے اس لئے والد ہونے کے ناطے انہیں چوتھے بیٹے عبدالدار کی بڑی فکر تھی۔ وہ سب بھائیوں میں مالی اعتبار سے کمزور' کم آمیز اور خاموش طبع تھے۔ اس وجہ سے قصی نے عمر کے آخری لحات میں عبدالدار کو اپنا جانشین نامزد کر دیا اور حجابہ' رفادہ' سقایہ اور ندوہ جیسے اہم مناصب ان کے سپرد کر دیئے تاکہ معاشرے میں ان کا مقام بھی اونچا ہو جائے اور وہ اپنے بھائیوں سے مال و دولت اور مرتبے کے لحاظ سے کم تر نہ رہیں۔

ابتدا میں تو مفاہمت رہی سب نے عبدالدار کی سیادت و سربراہی تسلیم کر لی۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں یہاں تک کہ مخالفت تک نوبت پہنچ گئی اور دونوں گروہوں نے تلواریں سونت لیں۔

تین بھائی ایک طرف تھے انہوں نے مطالبہ کیا کہ شریک اقتدار ہونا ان کا موروثی حق ہے لہٰذا انہیں بھی اس میں سے حصہ دیا جائے لیکن دوسری طرف عبدالدار کا موقف یہ تھا کہ والد نے انہیں اپنا جانشین نامزد کیا ہے۔ اس لئے وہی اس منصب کے حقدار ہیں۔

نزاع و مناقشت نے طول کھینچا' جھگڑا بڑھا اور پورا عرب دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ کچھ قبائل عبدالدار کے ساتھ مل گئے اور کچھ قبائل نے باقی بھائیوں کی حمایت کا اعلان کر دیا اور دونوں دھڑے اپنے اپنے فریق کی حمایت میں مرنے مارنے پر اتر آئے۔ عبد مناف کا پرجوش گروہ صحن کعبہ میں اکٹھا ہوا انہوں نے عزم و جذبہ کے ساتھ خوشبو میں ہاتھ ڈبوئے اور ارکان کعبہ کو چھو کر حلف اٹھایا کہ وہ اپنا حق لے کر رہیں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔

و فرقة بايعت بنى عبد مناف و ایک گروہ نے بنو عبد مناف کی بیعت

حالفوهم علی ذالک و وضعوا ایدیھم عند الحلف فی جفنۃ فیھا طیب ثم لما قاموا مسحوا ایدیھم بارکان الکعبۃ فسموا حلف المطیبین

(البدایہ والنھایہ '۲:۲۰۹)

کی اور حلف اٹھایا۔ حلف اٹھاتے وقت خوشبو میں ہاتھ ڈبوئے پھر جب کھڑے ہوئے تو ارکان کعبہ کو چھوا اس لئے ان کا نام "خوشبو والے لوگوں کا حلف" پڑ گیا۔

زبردست جنگ کے آثار پیدا ہو گئے 'برابر کا جوڑ تھا' ہر فریق اپنی جگہ جرأت و استقلال کا پیکر نظر آرہا تھا اور اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن اہلِ دانش کی مداخلت اور حکمتِ عملی سے جنگ کا خطرہ ٹل گیا جہاندیدہ اور مآل اندیش افراد نے جنگ کے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا اور فریقین کو مصالحت پر آمادہ کر لیا چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ رفادہ اور سقایہ کا انتظام بنو عبد مناف سنبھالیں اور لواء اور ندوہ بنو عبد الدار ہی کے پاس رہنے دیں۔

اس طرح مناصب کی مساوی تقسیم سے معاملہ رفع دفع ہو گیا اور جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔ عبد مناف نے حسن انتظام کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اپنے پرائے سب قائل ہو گئے اور ان کی قابلیت و سیادت کا دلوں پر سکہ بیٹھ گیا۔ تمام لوگوں نے اعتراف کیا کہ وہ واقعی عظیم قائد' مدبر رہنما اور باصلاحیت منتظم ہیں۔ نظم و ضبط اور بصیرت و تدبر کے بے مثال مظاہرے دیکھ کر قریش بھی ان کی قیادت پر مطمئن ہو گئے اور ان کی ذات پر فخر کرنے لگے۔

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں۔

انہ وجد کتابۃ فی حجر 'انا المغیرۃ بن قصی امر بتقوی اللہ وصلۃ الرحم

(زرقانی '۱:۷۳)

انہوں نے ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا "میں قصی کا بیٹا مغیرہ ہوں اور صلہ رحمی اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہوں"۔

عبد مناف، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چوتھے دادا تھے اس لئے یہاں پہنچ کر ان کا نسب بھی حضور اکرم ﷺ کے نسب شریف کے ساتھ مل جاتا ہے۔ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نانویں دادا ہیں۔

(۱۱)　ہاشم بن عبد مناف

عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑا ہاشم اور سب سے چھوٹا مطلب تھا، تیسرے کو نوفل اور چوتھے کو عبد شمس کہتے تھے۔

چاروں بھائی نہایت زیرک، امور جہانبانی سے آگاہ، بین الاقوامی تعلقات کے ماہر، شاہی آداب اور درباری طور طریقوں سے واقف اور بادشاہوں کے مزاج شناس تھے۔ ان کے پاس آنے جانے کی وجہ سے انہیں درباروں میں بادشاہوں کا خاصا قرب حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اپنے اثر و رسوخ، فہم و تدبر اور علم و تجربہ سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مختلف ممالک میں بادشاہوں سے تجارتی مراعات حاصل کیں اور ان سے خوب نفع کمایا۔

چنانچہ ہاشم نے شاہانِ غسان اور شاہِ روم سے ملکِ شام میں، عبدِ شمس نے نجاشی سے حبشہ میں، نوفل نے کسریٰ سے عراق میں اور مطلب نے حمیر سے یمن میں تجارتی اجازت نامے حاصل کئے اور کثرت سے مال تجارت لے کر ادھر ادھر آنے جانے لگے جس سے ان کی دولت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور کاروبار خوب پھلا پھولا ایک طرح سے یہ درآمد برآمد کا کاروبار تھا جو اس دور کے حوالے سے بہت نفع بخش تھا۔　　(الکامل لابن اثیر، ۱:۱۶)

ہاشم اور مطلب دونوں بھائیوں کی آپس میں بے حد محبت تھی۔ یہ دونوں یکجان دو قالب تھے اور شکل و صورت میں بھی دوسرے بھائیوں سے مختلف تھے۔ حسن و جمال میں حیرت انگیز حد تک بے مثل اور پرکشش ہونے کے باعث اہلِ عرب ان دونوں کو "بدران" یعنی دو چاند کہا کرتے تھے۔

و کان یقال لھاشم والمطلب　　ہاشم اور مطلب کو ان کی خوبصورتی کی

"البدران" لجمالهما وجہ سے بدران کہہ کر پکارا جاتا تھا۔
(الکامل فی التاریخ لابن لاثیر' ۲: ۱۷!)

باقی دونوں بھائی ہاشم کے معاملے میں کچھ اتنے جذباتی نہیں تھے بلکہ در پردہ اس سے خار کھاتے اور بغض رکھتے تھے۔ جس نے بعد میں علانیہ دشمنی کی صورت اختیار کرلی اور تباہی و بربادی کی نئی اور خوفناک داستانیں رقم کیں۔ یہ دشمنی عاقبت نااندیشی' جاہ پسندی' حرص و ہوس اور حسد و رقابت کا ناخوشگوار نتیجہ تھی جو حقیقت و صداقت کو دل وجاں سے تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور انانیت کی تسکین یا ہوسِ اقتدار کی خاطر اسے ہوا دی گئی۔ اسے اعتراف حق سے کام لے کر دلوں سے نکالنے کی بجائے خوب پالا گیا۔ جب وہ پاگل دیو کی طرح بوتل سے باہر آئی تو اس نے ہستی کے کتنے ہی خرمنوں کو اجاڑ ڈالا اور کتنے ہی گلستانوں کو ویران کردیا اس کے کچھ واقعات بعد میں بیان کئے جائیں گے۔

ہاشم کا اصل نام "عمرو" تھا۔ قدرت نے سخی اور فیاض دل عطا فرمایا ہوا تھا۔ اس لئے قوم کے غم میں پریشان رہتے۔ جب بھی قوم کو قحط اور بھوک کا سامنا ہوتا تو ہمیشہ امداد کے لئے میدان میں آتے۔ یہ ان کا دائمی معمول تھا اور وہ اس میں فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

عرب کی پیداواری زمین کا طبعی مزاج کچھ اس قسم کا تھا کہ بارش کی ذرا سی تاخیر کے باعث قحط کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اور لوگوں کی جان پر بن جاتی تھی۔ اس لئے خشک سالی کی تلوار ہمیشہ سروں پر لٹکتی رہتی تھی اور سخاوت پیشہ لوگوں کے لئے سخاوت وفیاضی کے مواقع نکلتے رہتے تھے جو سچے سخی تھے وہ ایسے مواقع اور ہنگامی حالات کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

ریاکار اور مصنوعی سخی ایک دوبار کے بعد اصلیت کی طرف لوٹ جاتا ہے مگر پیدائشی سخی کبھی سخاوت سے منہ نہیں موڑتا خواہ اسے کتنی ہی بار آزمائش کے میدان میں اترنا پڑے بلکہ وہ ہربار نئے ولولے اور جذبے کے ساتھ سامنے آتا ہے اور خوشی

محسوس کرتا ہے۔ اس کی خوشی طبع سخا پیشہ کے مطابق عمل کرنے میں ہوتی ہے اس لئے وہ عطاو بخشش سے بالکل نہیں گھبراتا بلکہ ہربار بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔

حضرت ہاشم اسی قسم کے پیدائشی اور فطری سخی تھے ہر موقع پر مخلوق خدا کی خدمت کے لئے کمر کس کر میدان میں آجاتے اور سب جمع پونجی لٹا دیتے تھے۔

ایک دفعہ اسی معمول نے انہیں "عمرو" سے ہاشم بنا دیا۔ ہوا یوں کہ بارش رک گئی خشک سالی نے عوام کو بے حال و پریشان کر دیا۔ آہستہ آہستہ فاقوں تک نوبت آگئی عمرو سے غرباء و مساکین اور مفلوک الحال عوام کی یہ حالت نہ دیکھی گئی کچھ اونٹ ذبح کئے گوشت کا شوربہ بنایا روٹی پکوا کر توڑ توڑ کر شوربے میں بھگوئی اور اسے ثرید کی شکل دے دی پھر بھوکے لوگوں کو دعوت عام دی اور بلایا کہ آکر ثرید کھالیں جب بھوکے پیٹوں میں روٹی گئی تو ان کے تن ناتواں میں جان آگئی زبان سے دعائیں نکلیں اور بیک زباں چلائے خدا ہاشم کو سلامت رکھے جس نے ہمیں یہ روٹی توڑ کر شوربے میں بھگو کر کھلائی ہے۔

"ہاشم" توڑنے والے کو کہتے ہیں چونکہ انہوں نے عوام کو اپنے ہاتھوں سے روٹی توڑ توڑ کر کھلائی تھی اس لئے انہیں عوام کی طرف سے یہ حقیقت افروز لقب ملا جو قیامت تک ان کی اس حسین صفت انسان دوستی اور پاکیزہ خصلت کی یاد تازہ کرتا رہے گا۔ (زرقانی ' ۱: ۷۲)

حضرت ہاشم بھی نور نبوت کے امانت داروں میں سے تھے اس لئے ان پر حسن نچھاور ہوتا تھا اور حقیقت شناس لوگ اس نور کو لوٹنے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔

و کان نور رسول اللہ ﷺ فی وجھہ یتوقد شعاعہ و یتلألأ ضیاؤہ ولا یراہ حبرا لاقبل یدہ ولا یمر بشئی الاسجد الیہ
(زرقانی ' ۱: ۷۳)

اور نور محمدی کی شعاعیں ان کے چہرے پر درخشاں اور کرنیں ضوفشاں رہتی تھیں جب بھی کوئی پادری دیکھتا تو ہاتھ چوم لیتا تھا۔ حضرت ہاشم جدھر سے گذرتے اشیاء ان کے حضور جھک

جاتیں اور سجدہ کرتیں۔

جو خواتین حسن کی بڑی قدر دان تھیں وہ محض اس لئے حضرت ہاشم سے شادی کرنا چاہتی تھیں کہ وہ ناقابلِ یقین حد تک حسین اور نہایت دلکش انسان تھے۔

کچھ خواتین حسن و جمال کی طالب ہونے کے ساتھ حقیقت شناس بھی تھیں وہ اس لازوال حسن کے منبع و مصدر کو بھی پہچانتی تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ اس نورِ محمدی کا عکس ہے جو بصورتِ امانت ان کی ذات میں ودیعت ہے وہ ان سے شادی اس لئے کرنا چاہتی تھیں کہ اس نور سے فیضیاب ہوں اور اس کے امانت داروں کی برگزیدہ صف میں شامل ہو جائیں۔

شاہ روم ہرقل توراۃ و انجیل کا بڑا ماہر اور بہت پڑھا لکھا بادشاہ تھا۔ ہاشم اس کے دربار میں آتے جاتے تھے اسے قرائن و احوال اور دلائل و شواہد سے پتہ چل گیا کہ ہاشم اس نور مبین کے امین ہیں اور اس دور میں اس امانت کو پیشانی مبارک میں اٹھائے پھر رہے ہیں۔ اس نے پیشکش کی کہ میری پاکباز لڑکی بڑی ہی حسین ہے۔ میں آپ کی شخصیت' شرافت اور تقویٰ و طہارت سے بے حد متاثر ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسے آپ کی زوجیت میں دے دوں۔ اس لئے آپ میرے ملک میں تشریف لے آئیں۔

بعث اليه هرقل ملكُ الروم و قال ان لی ابنة لم تلد النساء اجمل منها ولا ابهی وجها فاقدم علی حتّی ازوجکها فقد بلغنی جودكُ و کرمكُ وانما اراد بذالكُ نور المصطفی الموصوف عندهم فی الانجیل

(زرقانی' ۱: ۷۳)

روم کے بادشاہ ہرقل نے جناب ہاشم کی طرف پیغام بھیجا کہ میری ایک نادرہ روزگار بیٹی ہے آج تک کسی عورت نے ایسی حسین اور خوبصورت لڑکی نہیں جنی۔ آپ فوراً چلے آئیں میں اس کے ساتھ آپ کا نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے پتہ چلا ہے آپ بڑے ہی سخی اور کریم الطبع انسان ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں اس کا ارادہ اس نورِ مصطفیٰ کو حاصل کرنا تھا' جس کا

ذکر انجیل میں کیا گیا تھا۔

عبد مناف کی وفات کے بعد بڑا بیٹا ہونے کے ناطے باپ کی جانشینی ہاشم کے حصے میں آئی جب رفادۃ و سقایہ کا انتظام انہوں نے سنبھالا تو ان کے حسن تدبیر کی سارے عرب میں دھوم مچ گئی۔ چونکہ طبیعت پہلے ہی سخی اور غریب نواز تھی اس لئے انہوں نے حجاج اور غریب عوام پر جود و کرم کی بارش کر دی۔ احسان مند طبیعتوں پر اس کا اثر ہونا لازمی تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص کی زبان پر ہاشم کا نام جاری ہو گیا۔ یہ کیفیت امیہ بن عبد شمس کی حاسد طبیعت پر برق خاطف بن کر گری اور اس کا آرام و سکون لٹ گیا۔

امیہ' حضرت ہاشم کا بھتیجا اور مرتبے میں بہت چھوٹا تھا مگر مزاج میں خست تھی اس لئے ہاشم کی قدر و منزلت برداشت نہ کر سکا اس لئے اس نے ایسی حرکات شروع کر دیں جس سے ہاشم کی بنی ہوئی ساکھ خراب ہو جائے اور عزت خاک میں مل جائے۔ وہ حسد کے باعث بہت ہی پست سطح پر اتر آیا اس نے اپنے سر ہمہ کو ساتھ ملایا اور اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا چونکہ عربوں میں دستور ہے کہ وہ نسبی برتری ثابت کرنے کے لئے دوسرے کو چیلنج کرتے ہیں اس لئے میں بھی ہاشم کے ساتھ مناظرہ کروں گا وہ میدان میں آکر اپنی برتری ثابت کرے وگرنہ سخاوت کی نمائش سے باز آجائے اور سستی شہرت حاصل کرنے کا یہ طریقہ ختم کر دے۔ سنجیدہ مزاج ہاشم کے نزدیک یہ ایک بے معنی سی بات تھی۔ اس طفلانہ حرکت کا اس نے کوئی نوٹس نہ لیا اور خاموش رہا مگر دوستوں نے کہا امیہ کی طبیعت میں چھچھوراپن ہے جواب ضروری ہے وگرنہ وہ بات کو بڑھادے گا۔

مقابلہ کی صورت یہ قرار پائی کہ کاہن خزاعی کو ثالث بنایا جائے وہ جو فیصلہ دے وہ فریقین کو قبول ہو۔ چنانچہ ایک روز پنچایت میں سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ کاہن خزاعی کو بیچ میں بٹھالیا اس نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ دوستو انصاف کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جس میں اپنے پرائے' رشتہ دار اور اجنبی کو نہیں دیکھا جاتا جو شخص عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہو اس کا فرض ہوتا ہے کہ سچ بولے اور سچ کے سوا کچھ نہ

کہے۔ اس وقت میرا بھی یہی منصب ہے۔ اس لئے میں سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔

دوستو! حقیقت یہی ہے کہ ہاشم کا حسب و نسب آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس وقت وہ دنیا کا معزز ترین انسان ہے۔ نسب میں اس سے برتر ہونے کا دعویٰ کرنے والا بالکل جھوٹا اور افترا پرداز ہے۔ میں اس پر تاوان ڈالتا ہوں کہ ہاشم کو پچاس اونٹنیاں دے اور اس کے لئے سزا تجویز کرتا ہوں کہ دس سال کے لئے ملک چھوڑ دے۔ امیہ پر یہ بات بجلی بن کر گری۔ اس کی ساری شیخی دھری کی دھری رہ گئی اور شوخی کرکری ہو گئی' برتری کا خواب پریشان ہو گیا' منہ لٹکا کر اٹھا' پچاس اونٹنیاں دیں اور دس سال کے لئے ملک شام چلا گیا۔

فکانت ھذہ اول عداوۃ وقعت بین ھاشم وامیۃ

یہ پہلی عداوت تھی جو ہاشم اور امیہ کے درمیان واقع ہوئی۔

(الکامل' ۲:۱۷)

ہاشم بین الاقوامی تجارت کے ماہر تھے۔ کاروباری نکتے انہیں ازبر تھے اور وہ اچھے کاروبار کے لئے نت نئی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ اس دور میں سفر کا تصور بھی سوہان روح تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی صعوبتوں اور دشواریوں کا تصور کر کے لوگ کانپ جاتے تھے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ' جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ ان دشوار ترین حالات میں انہوں نے دو تجارتی سفروں کا انتظام اور آغاز کیا۔ ایک سفر موسم سرما میں اور ایک موسم گرما میں کیا جاتا تھا۔ جب تجارتی قافلے روانہ ہوتے تو پورے مکہ میں میلے کا سماں ہوتا اور جب مال لے کر واپس آتے تو پورے شہر میں گہما گہمی ہو جاتی۔ ان سفروں نے عرب کی معیشت پر گہرا اثر ڈالا اور ان کی کایا پلٹ دی۔ انہیں ان سفروں کے ساتھ بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی۔

قرآن مجید نے سورۃ القریش میں اسی کا ذکر کیا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ○ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ○ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ○ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ

قریش کے انس والفت کے باعث جو انس انہیں موسم سرما اور موسم گرما کے دونوں تجارتی سفروں کے ساتھ

وَاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝
(القریش'۱۰۶)

ہے (یہ انس ان کے حق میں راستے کے خطرات نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور ان خطرات کو ان کے رب نے مٹایا ہے) انہیں چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے ان کی بھوک کو مٹایا اور خوف کو امن سے بدلا ہے۔

ایک عربی شاعر نے ہاشم کی سخاوت اور تجارتی اسفار کا ذکر اپنے اشعار میں اس طرح کیا ہے۔

عمرو الذی هشم الثرید لقومه
قوم بمکة مسنتین عجاف
سنت الیه الرحلتان کلاهما
سفر الشتاء و رحلة الاصیاف

(ابن ہشام'۱:۱۳۶)

"ہاشم وہ شخص ہے جس نے مکہ مکرمہ میں اپنی قحط زدہ اور بھوک سے نڈھال قوم کے لئے ثرید تیار کیا اور موسم سرما اور موسم گرما میں دو تجارتی اسفار کی بنیاد ڈالی۔"

ایک ایسا ہی تجارتی سفر درپیش تھا ہاشم پورے اہتمام کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں قیام کیا اس وقت اسے یثرب کہتے تھے۔ قبیلے کے سردار عمرو بن لبید تھے انہوں نے ہاشم کی بڑی خاطر مدارت کی اور انہیں مقام و منصب کے مطابق ٹھہرایا عمرو بن لبید بڑے ہی باحیثیت حسب و نسب والے شخص تھے۔ انہیں اپنے پائے کا کوئی لڑکا نہیں مل رہا تھا جس سے وہ اپنی عفیفہ اور طاہرہ بیٹی سلمیٰ کی شادی کر سکیں قدرت کو سنجوگ منظور تھا۔ ہاشم نے اس سلسلے میں پیشکش کی تو ان کا خاندانی پس منظر دیکھتے ہوئے عمرو بن لبید نے فوراً درخواست منظور کر لی اور شرط عائد کی کہ

لڑکی اپنی اولاد کے ہمراہ میکے ہی میں رہے گی۔ یہ شرط ہاشم نے قبول کرلی اور دونوں کی شادی ہو گئی۔ چند روز ہاشم وہاں رک کے پھر تجارت کی غرض سے ملک شام تشریف لے گئے واپسی پر بیوی کو ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ آگئے۔ جب دوسرے تجارتی سفر کا موقعہ آیا تو پھر بیوی کو ساتھ لیا اور میکے چھوڑ کر خود آگے چلے گئے۔ پھر انہیں سلمیٰ کو دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ نوجوان ہی تھے کہ سفر سے واپس آتے ہوئے مقام غزہ میں فوت ہو گئے انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔　(زرقانی '۱: ۷۳ 'الکامل ابن اثیر '۱: ۱۷)

سلمیٰ جوانی ہی میں بیوہ ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد ان کے ہاں ہاشم کا بیٹا پیدا ہوا تو قدرے ان کا غم ہلکا ہوا بیٹے میں انہیں مرحوم شوہر کی شبیہہ نظر آنے لگی۔ انہوں نے نومولود کا نام شَیبہ رکھا۔ شَیبہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بال سفید ہوں یہ جب پیدا ہوئے تو اسی وقت ان کے کچھ بال سفید تھے۔ اسے بزرگی ' سیادت اور دانائی کی علامت سمجھا گیا اور یہ بچہ پیدائش کے وقت ہی سے سب کی آنکھوں کا تارا ' اور دل کا سہارا بن گیا۔ جو دیکھتا قربان ہو جاتا ' قدرت نے دل موہ لینے والے خصائل عطا فرمائے تھے۔ حرکات و سکنات اطوار و عادات اور باتوں میں ایک شان انفرادیت رکھی تھی جو بھانپنے والے کو فوراً محسوس ہو جاتی تھی۔

ماں نونہال کی یہ شان دیکھتی تو اپنا غم بھول جاتی۔ اسے بیٹے کا مستقبل درخشاں نظر آتا ' وہ تصور میں اسے سیادت کی کرسی پر بیٹھا دیکھتی تو خوشی سے بے قابو ہو جاتی اور سینے سے چپکا کر خوب پیار کرتی۔ اسی طرح دن گذرتے رہے اور شیبہ سات سال کا ہو گیا۔

(۱۴)　عبد المطلب بن ہاشم

شیبہ اپنی گفتگو رکھ رکھاؤ اور وضع داری کے اعتبار سے اپنے ہمجولیوں میں بھی ممتاز نظر آتا تھا۔ کھیل کے دوران بھی وہ ایسے تحکمانہ انداز سے بات کرتا جیسے کسی بادشاہ کا بیٹا ہو اور باقی بچے سب اس کی رعایا ہوں۔ اسے تیر اندازی کے ساتھ بڑا شغف تھا شاید قدرت کو بھی اس کی انفرادیت منظور تھی۔ اس لئے اس چھوٹی عمر میں بھی اس کا

تیر سب ساتھیوں سے آگے اور دور جا کر گرتا تھا۔ جس نے اس میں خود اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ تیر اندازی کے مقابلے میں جب اس کی باری آتی تو بڑی شان اور حوصلہ مندی کے ساتھ آگے بڑھتا جیسے اپنے جیت جانے کا پکا یقین ہو' پھر کمان میں تیر جوڑ کر بڑے فخر سے کہتا "میں بطحاء کے سردار کا بیٹا ہوں' میں ہاشم کا بیٹا ہوں' کس میں ہمت ہے کہ میرا مقابلہ کر سکے؟" پھر تیر چلاتا اور واقعی اس کا تیر سب سے آگے جا کر گرتا۔ اس کے شاہانہ انداز اور من موہ لینے والی باتوں کی وجہ سے سلمیٰ کے بھائی یعنی شیبہ کے ماموں اس سے بہت پیار کرتے تھے خصوصاً اس کے ماموں ابوسعید کو تو اس کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ اسے اس باکمال بچے کا مستقبل بڑا درخشاں اور ساتا نظر آتا تھا' وہ جب عالم تصور میں اسے اپنے باپ ہاشم کی جگہ مسند صدارت و سیادت پر متمکن دیکھتا تو اس پر عجیب سرور کا عالم طاری ہو جاتا اور فخر سے اس کی گردن تن جاتی جیسے شیبہ نے اسے پکڑ کر آسمان پر پہنچا دیا ہو۔

شیبہ معمول کے مطابق محلے میں بچوں کے ہمراہ کھیل رہا تھا اس کے وہی انداز و اطوار تھے۔ حاکمانہ وجاہت چہرے مہرے اور حرکات و سکنات سے عیاں تھی مکہ مکرمہ کا حارثی شخص ادھر سے گذر رہا تھا وہ دیر تک یہ منظر دیکھتا رہا اور مستقبل کے تصور میں کھو گیا۔ اس نے کھڑے کھڑے ایک فیصلہ کیا وہ یہاں سے سیدھا مکہ مکرمہ میں شیبہ کے چچا اور ہاشم کے بھائی مطلب کے پاس پہنچا اور اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرنے لگا۔

میں یثرب سے آ رہا ہوں وہاں ہاشم کے بیٹے کو دیکھا ہے وہ جسمانی صحت اور شکل و صورت کے علاوہ ذہانت و فطانت اور عادات و اطوار میں بھی سب سے زیادہ مختلف ہے۔ ہاشم کا بیٹا ہونے کا اسے احساس اور فخر ہے اور وہ بڑی شان سے اس کا اظہار کرتا ہے۔ ایسے بچے کا اس بدوی ماحول میں رہنا درست نہیں۔ یہاں آ کر وہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ اس میں ایک اعلیٰ پائے کا سردار اور قائد بننے کے تمام جوہر موجود ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہے کہ تم نے اتنے عرصہ سے اپنے بھائی کی اس یادگار کی طرف کوئی توجہ نہیں دی میں کہتا ہوں وقت ضائع کئے بغیر ابھی جاؤ اور اسے فوراً لے آؤ۔

حارثی نے مطلب کے سامنے ایسی دلکش تصویر کھینچی اور ایسی ترغیب دی کہ اس کے لئے بیٹھنا دشوار ہو گیا۔ محبت کی ایسی آگ بھڑکائی کہ اشتیاق کے عالم میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور بولا! اپنا گھوڑا مجھے دو میں ابھی یثرب جاتا ہوں اور اسے لے کر آتا ہوں۔ مطلب نے گھر جا کر کسی کو بتانا بھی گوارا نہ کیا اور یثرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ بچوں میں بیٹھے ہوئے شیبہ پر اس کی نظر پڑی تو حسین و جمیل بھتیجے کو پہلی ہی نظر میں پہچان گیا وہ سب میں ممتاز اور انوکھا نظر آ رہا تھا۔ حارثی کی ایک ایک بات درست تھی شیبہ اس کے دل میں اتر گیا۔ وہ اسے لے کر اپنی بھاوج سلمیٰ کے پاس پہنچا اور آمد کا مدعا بیان کیا۔ ماں آبدیدہ ہو گئی مگر بچے کے مستقبل کا تصور کر کے دل کو تسلی دی اور بھیجنے کے لئے رضامند ہو گئی۔

چند روز بعد مطلب شیبہ کے ہمراہ یثرب سے روانہ ہوا۔ دونوں مکہ مکرمہ کی حدود میں داخل ہوئے تو تکان سے چور ہو چکے تھے۔ نازک اندام شیبہ اس طویل سفر سے مرجھا گیا تھا۔ کپڑے غبار آلود تھے' گرد سے چہرہ اٹا پڑا تھا اور وہ مضمحل نظر آ رہا تھا۔ شاید اس خستہ حالت کی وجہ سے یا ویسے ہی بطور مزاح مطلب سے جو شخص بھی پوچھتا کہ یہ کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا یہ میرا عبد (غلام) ہے۔ سارے مکہ میں دھوم مچ گئی کہ مطلب کا "عبد" آیا ہے جو بہت ہی خوبصورت ہے اور پھر سب اس "عبد المطلب" کو دیکھنے کے لئے آنے لگے اور شیبہ' عبد المطلب ہی بن گیا۔ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا اور کسی کو یاد ہی نہ رہا کہ اس کا اصل نام شیبہ تھا۔ (تاریخ ابن کثیر' ۲:۱۱)

مطلب نے چچا نہیں باپ بن کر عبد المطلب کی ذہنی اور جسمانی تربیت کی اور خدمت و نگہداشت کا حق ادا کر دیا۔ اس خصوصی توجہ' غور و پرداخت اور دلچسپی نے عبد المطلب کی صلاحیتوں کو ایسی جلا بخشی کہ وہ ہم نشینوں اور ہم عصروں پر بازی لے گیا اور سب میں منفرد نظر آنے لگا۔ عبد المطلب کے چچا مطلب کا مقصود بھی یہی تھا۔ اس نے اپنے بھائی اور عبد المطلب کے باپ ہاشم کی چھوڑی ہوئی جائیداد اور مسند صدارت اس کے سپرد کی' اور کہا! تم ہر لحاظ سے اس کے اہل ہو اب اپنی یہ موروثی سیادت اور قبائلی سرداری سنبھالو اور اس کے تقاضے پورے کرو۔ ہمارا جو فرض تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد مطلب کا انتقال ہو گیا۔

عبد المطلب کے چچا نوفل کو اپنے بھتیجے کی یہ شان و شوکت اور سیادت ایک آنکھ نہ بھائی وہ حسد و عناد کا شکار ہو گیا اور چلتی گاڑی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے لگا اس نے عبد المطلب کی ایک حویلی کے صحن پر بھی غاصبانہ قبضہ جمالیا جس سے یہ اظہار مقصود تھا کہ ہم قوت و طاقت میں تم سے زیادہ ہیں۔ اس لئے حکومت کرنے کا حق بھی ہمیں کو ہے تمہاری سرداری نہیں چلنے دیں گے۔

عبد المطلب نے جب خود کو بے یار و مددگار پایا تو یثرب کی طرف اپنے ماموں ابو اسعد کو لکھا اور اسے موجودہ صورت حال سے آگاہ کیا۔

ابو اسعد کو نوفل کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا اسی وقت اپنے قبیلے کے اسّی ۸۰ نوجوان تیار کئے اور انہیں لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

عبد المطلب ماموں کے استقبال کے لئے آیا اور درخواست کی۔

المنزل یا خال (ماموں گھر چلیں)

ابو اسعد غصہ سے بھرا ہوا تھا' جواب دیا پہلے نوفل سے دو ہاتھ کر لیں پھر گھر چلیں گے۔

وہ حجر میں آکر کھڑا ہو گیا تلوار بے نیام کی۔ تمام قریش وہاں موجود تھے۔ وہ بلند آواز سے دھاڑا!

"ہمارے بھانجے کی حویلی کا صحن جو تم نے چھینا ہے وہ اسے واپس کر دو ورنہ اس کعبۂ معظمہ کے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں اس تیغ بُرّاں سے تمہارے بخئے ادھیڑ دوں گا۔"

ابو اسعد کی آواز میں ایسی وندناہٹ اور گرج تھی جس نے سب کے پتے پانی کر دیئے اس کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ کر انہیں یقین ہو گیا کہ اگر ذرا سی لیت و لعل کی تو ابھی خون کے دریا بہہ جائیں گے اور ابو اسعد چشم زدن میں سب کو تہہ تیغ کر دے گا اس لئے نوفل نے فوراً کہا!

"ربِ کعبہ کی قسم! میں اس کی زمین واپس کرتا ہوں" (الکامل فی التاریخ' ۲:۱۱)

ابو اسعد نے وہاں موجود لوگوں کو گواہ بنایا جب معاملہ صاف اور یہ فیصلہ ہو گیا تب اس نے کہا' عبد المطلب بھانجے! اب چلو گھر چلتے ہیں۔

تین روز تک اس نے وہاں قیام کیا پھر واپس چلا گیا۔

بئرِ زمزم کی دریافت

آبِ زمزم اہلِ عرب کے نزدیک بڑا ہی متبرک اور شفا بخش پانی تھا کیونکہ اس کا چشمہ صافی جناب جبریل امین علیہ السلام کے تصرف اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مقدس ایڑیوں کی ضرب سے پھوٹا تھا' اس لئے محبت والے اسے محبت کے حوالے سے پیتے تھے اور اسے احترام و عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ کنواں خاص و عام کے لیے چشمہ فیض اور صحرائے بے آب و گیاہ میں آب رسانی اور سیرابی کا واحد ذریعہ تھا۔ لوگ اسی پر آکر پیاس بجھاتے اور دل کی تسکین پاتے تھے پھر یہاں مقیم قبیلہ بنو جرھم کو جلا وطن ہونا پڑا وہ جاتے جاتے انتقامی کاروائی کے طور پر سونے کے دو ہرن' تلواریں اور دیگر چیزیں اس کنویں میں پھینک کر اسے مکمل طور پر بند کر گئے اور نام و نشان تک مٹا گئے تاکہ بعد والے لوگ اس سے فیض یاب نہ ہو سکیں۔ بئرِ زمزم کو بند ہوئے صدیاں بیت چکی تھیں' اب نئی نسل کے ذہنوں میں اس کا دھندلا سا تصور بھی موجود نہیں تھا یا اگر تھا تو وہ اسے عزم و استقلال سے دریافت کرنے اور کوشش سے پالینے کی ہمت نہیں پاتے تھے۔ وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ ابن اسحاق' ازرقی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت عبد المطلب کعبہ معظمہ کے قریب موجود تھے کہ غنودگی سی طاری ہو گئی۔ انہوں نے خواب میں دیکھا جیسے کوئی ہاتف کہہ رہا ہو!

احفر طیبۃ! (طیبہ کو کھودو)

وہ خواب سے بیدار ہوئے مگر اس کی تعبیر سے قاصر رہے۔

دوسرے روز پھر وہی خواب آیا' اس دفعہ کسی نے کہا!

احفر برۃ (برہ کو کھودو)

وہ بیدار ہوئے، مگر اس کا مفہوم بھی نہ سمجھ سکے۔

تیسرے روز پھر خواب آیا، اس دفعہ ہاتف غیبی نے حکم دیا!

احفر مضنونۃ (مضنونہ کو کھودو)

وہ بیدار ہوئے مگر ان کی عقل میں کچھ نہ آیا کہ برہ، طیبہ اور مضنونہ کیا چیزیں ہیں؟ اور انہیں کون سی جگہ کھودنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

چوتھے روز بڑا واضح خواب آیا حکم ہوا، بئر زمزم کو کھودو! وہ مقدس پانی کا کبھی ختم نہ ہونے والا کنواں ہے جو حجاج وزائرین اور یہاں کے باشندوں کو سیراب اور ان کی پانی کی ضروریات پوری کرے گا۔ وہ تمہارے آباؤاجداد کی مقدس میراث ہے۔ اگر تم اسے کھودو گے تو پا لو گے تمہیں مایوس و پشیمان نہیں ہونا پڑے گا۔ وہ اساف و نائلہ کے چبوترے کے سامنے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے پاس ہے۔ اہم ترین نشانی یہ ہے کہ جب تم وہاں پہنچو گے تو ایک کوا زمین پہ آکر چونچ مارے گا اسی کے نیچے "چاہ زمزم" ہے۔

واضح نشانیاں معلوم کر کے جناب عبدالمطلب کو یقین ہو گیا۔ وہ قریش کے پاس گئے اور اپنا خواب بیان کیا اور حوصلہ دینے کے لئے علامات و شواہد سے بھی آگاہ کیا مگر سینکڑوں من ریت کا تصور کر کے قریش نے ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔

بے دلی سے بولے! اول تو خواب کا کوئی اعتبار ہی نہیں اور اگر یہ خواب سچا بھی ہو تو سینکڑوں من ریت ہٹانا، اس کے نیچے سے کنواں برآمد کرنا اور اسے قابلِ استعمال بنانا ایک مشکل بلکہ ناممکن بات ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

عبدالمطلب، قریش کی طرف سے کورا جواب پا کر بہت متأسف ہوئے۔ مگر چونکہ انہیں یقین تھا یہ حکم ربانی ہے اور وہ ضرور مدد کرے گا اس لئے اپنے طور پر ہی کمر ہمت باندھ کر میدان میں آنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت ان کا ایک ہی بیٹا حارث تھا، اسے ساتھ لیا اور چاہ زمزم کے محل وقوع پر پہنچے۔ وہاں جا کر دیکھا دو بتوں کے چبوترے کے سامنے قربان گاہ کے قریب ابھری کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے

ایک کوا آیا اور اس نے اوجھری سے گوبر نکال کر بکھیرنا شروع کر دیا۔ گوبر میں گندم وغیرہ کے دانے تھے وہ انہیں چننے کے لئے زمین پر ٹھونگے مارنے لگا۔ حضرت عبدالمطلب کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ نئی اور پرانی تمام نشانیاں پوری ہو گئی تھیں۔ انہوں نے بیٹے حارث سے کہا!

"کمر ہمت باندھ لو' یہی وہ جگہ ہے جس کی بشارت دی گئی ہے۔"

جب وہ جگہ کھودنے لگے تو قریش حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی اور اعتراض کرنے کے لئے آگئے کہ آپ لوگ بتوں کے چبوترے کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔ مگر حضرت عبدالمطلب نے ان کی کسی بات پر کان نہ دھرا اور باپ بیٹا سب سے بے نیاز ہو کر اپنے ہی کام میں لگے رہے۔ عبدالمطلب مٹی کھودتے تھے اور حارث زمبیل بھر کر وہ مٹی دور پھینک دیتا تھا۔ وہ اطاعت و فرمانبرداری کا پیکر بن کر شب و روز اس کام میں لگے رہے۔ آخر ان کی جدوجہد' خلوص بھری محنت اور دن رات کی عرق ریزی رنگ لائی۔ نیچے سے کنویں کی اینٹیں نظر آنے لگیں۔ حارث خوشی سے چیخ پڑا' ابا جان! کنواں مل گیا۔

آناً فاناً پورے مکہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ صدیوں پرانا مقدس کنواں مل گیا ہے۔

سب لوگ زیارت کے لئے امڈ پڑے' قریش چڑھ دوڑے اور بولے۔

یا عبد المطلب انها بئر ابینا اسماعیل و ان لنا فیها حقا فاشرکنا معک فیها	اے عبد المطلب! یہ ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے اس میں ہمارا بھی حق ہے لہٰذا ہمیں اس میں شریک کرو۔

(البدایہ والنھایہ' ۲:۲۴۵)

یہ بے جا دعوٰی سن کر حضرت عبدالمطلب کو بڑا دکھ ہوا' بولے!

بے انصافی اور ستم ظریفی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے' امداد و اعانت کے لئے کہا تھا تو کسی نے حامی نہیں بھری تھی' ایک ٹوکری تک اٹھانے کا کوئی روادار نہیں تھا' سب دیکھتے' مذاق اڑاتے اور زیر لب مسکراتے رہے کہ اچھا ہے' باپ بیٹا مرکھپ رہے

ہیں' اب کنواں مل گیا ہے تو حق جتانے کے لئے آ گئے ہیں۔

قریش اڑ گئے! خواہ کچھ ہو ہم اس میں برابر کے شریک ہیں۔

عبدالمطلب گویا ہوئے "میں اس صریح ظلم وزیادتی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں تم لوگ عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ رہے ہو۔"

اس موقعہ پر حضرت عبدالمطلب کے دل سے ایک درد بھری آہ نکلی اور انہیں کثرت اولاد کی ضرورت محسوس ہوئی۔ وہ سوچنے لگے کہ آج اگر ان کے جوان بیٹے ہوتے تو کسی کو ان کے سامنے دم مارنے اور اس طرح سینہ تان کر بات کرنے کی جرات نہ ہوتی۔ انہوں نے اسی جگہ نذر مانی کہ یا اللہ! مجھے دس جوان بیٹے عطا فرمائیں ان میں سے ایک بیٹا تیری راہ میں قربان کروں گا۔ جس طرح حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے قربان کیا تھا۔

دل ہی دل میں یہ نذر مان کر وہ قریش سے مخاطب ہوئے!

"تم کوئی ثالث مقرر کر لو' جو وہ فیصلہ دے گا' مجھے منظور ہو گا"

قریش بولے "ہم بنو سعد بن ہذیم کی کاہنہ کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں۔ اس کا ہر فیصلہ ہمیں منظور ہو گا۔" عبدالمطلب نے کہا مگر وہ ملک شام میں رہتی ہے ہمیں خواہ مخواہ صحرائی سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں گی اس لئے کوئی ایسا حکم مقرر کرو جو یہیں رہتا ہو۔" مگر قریش نہ مانے اور اصرار کیا کہ کاہنہ کا فیصلہ ہی قابل قبول ہو گا۔

مجبور ہو کر سفر کی تیاری کرنا پڑی بیس آدمی عبدالمطلب کے اور بیس قریش کے لئے اس طرح چالیس افراد کا یہ قافلہ صحراء کی طرف روانہ ہو گیا۔ قدرت کو کچھ دکھانا منظور تھا خلاف توقع یہ عربی قافلہ راستہ بھول گیا صحرائے عرب کی یہ خصوصیت ہے کہ جو راستہ بھول جائے پھر اس کا راہِ راست پر آنا بہت مشکل ہوتا ہے اسے پھر موت ہی اس مشکل سے نجات دلاتی ہے۔ دانہ پانی ختم ہو گیا آنکھوں کے سامنے موت کے سائے لہرانے لگے دھوپ کی تمازت نے رہی سہی ہمت بھی سلب کر لی' بھاگے دوڑے' مگر راستہ نہ ملا ایک شخص اکتا کر بولا' اب ادھر ادھر گھومنے' خاک چھاننے اور سر پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں' سب لوگ گڑھے کھود کر ان میں لیٹ جائیں' جب کوئی مر

جائے تو دوسرا اس پر مٹی ڈال دے' اس طرح کم از کم ہمیں قبریں تو میسر آ جائیں گی۔ اور پھر انہوں نے ایسا ہی کیا' سب دم سادھ کر موت کے انتظار میں لیٹ گئے۔ اچانک عبدالمطلب کھڑے ہو گئے ان کے تابناک چہرے سے نئے عزم کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ بڑی جرأت واستقامت سے بولے!

دوستو! اس طرح نامردوں کی طرح جان دینا بڑی ہی بزدلی اور شرم کی بات ہے جب تک جسم میں جان ہے ہمیں جدوجہد جاری رکھنی چاہیے' ممکن ہے پانی مل جائے اور ہم اس صحرا سے نکلنے اور جان بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اس بات نے ان کے تن ناتواں میں زندگی کی لہر دوڑا دی' وہ اپنی قبروں سے باہر آ گئے اور عزم و ہمت کے ساتھ از سر نو پانی کی تلاش کے لئے تیار ہو گئے اور اپنی سواریوں کی طرف لپکے' جونہی حضرت عبدالمطلب نے اپنی اونٹنی اٹھائی تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ اس کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ یہ بالکل انہونی بات تھی جس نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ انہوں نے فوراً اپنی پیاس بجھائی' چھاگلیں بھریں' پھر بولے چلو! واپس چلیں' فیصلہ ہو گیا ہے اب کاہنہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ جس خدا نے اس لق ودق صحرا میں عبدالمطلب کو پانی دیا ہے اسی نے ان کو آبِ زمزم بھی دیا ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ اُس معاملہ میں مداخلت کریں اب یہ کنواں بھی یہی کھودیں گے۔ حضرت عبدالمطلب نے واپس آکر کھدائی کا کام تیزی سے شروع کر دیا۔ اس میں سے سونے کے دو ہرن' تلواریں اور دوسری چیزیں بھی نکل آئیں۔ جو بنو جرھم نے اس کے اندر پھینکی تھیں۔ آبِ زمزم کی دریافت سے مکی زندگی میں انقلاب آگیا اور انہیں بہت سی سہولتیں میسر آگئیں جن سے وہ محروم تھے۔

(دلائل النبوت' بیہقی' السفر الاول:۸۶)

حضرت عبدالمطلب کے خصائص

حضرت عبدالمطلب' کعبۃ اللہ کے خادم و متولی' نور محمدی کے امین و وارث اور امورِ حج و زیارت کے نگران و ذمہ دار ہونے کی وجہ سے بڑے ہی جہاندیدہ اور

صاحبِ معرفت تھے۔ آپ سے اکثر برکات اور فیوض وانوار کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔ ان کے عقائد صائب' نظریات متوازن اور خیالات بڑے ہی پاکیزہ تھے۔ سلیم الفطرت لوگ انہیں سنتے تو ان کی پاکیزگی' حقانیت اور صداقت کے قائل ہو جاتے تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ جاہلی عصبیت اور رسم و رواج کے خونی پنجے ان کی معاشرت کے رگ و ریشے میں گڑے ہوئے تھے اور بد عقیدگی و گندگی کے جراثیم ان کے خون میں سرایت کئے ہوئے تھے اس لئے تعلیمات عبدالمطلب سے متاثر ہو جانے کے باوجود وہ عملی طور پر ان کو قبول نہیں کرتے تھے۔ تا آنکہ ان تعلیمات کو اسلام نے عام کیا اور اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ اسلامی تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں اور جو بھی سلیم الفطرت ہے یہ اس کے دل کی آواز ہیں۔ اور عبدالمطلب ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو سلیم الفطرت ہیں اسی لئے تو انہوں نے انہیں حق جانا ہے اور لوگوں کے سامنے ان کی تبلیغ کی ہے۔

حضرت عبدالمطلب کے فیوض و برکات اور خصائص و امتیازات کی ایک جھلک یہ ہے:۔

وکان عبدالمطلب یفوح منہ رائحۃ المسک الاذفر وکان نور رسول اللہ یضیئ فی غرتہ وکانت قریش اذا اصابھا قحط شدید تأخذ ید عبدالمطلب فتخرج بہ الی جبل ثبیر فتتقربون بہ الی اللہ و یسالونہ ان یسقیھم الغیث فکان یغیثھم ویسقیھم ببرکۃ نور رسول اللہ ﷺ غیثا عظیما

(زرقانی' ۱: ۸۲)

حضرت عبدالمطلب خوشبو سے مہکتے رہتے تھے ان سے کستوری جیسی بڑی ہی دلاویز خوشبو آتی تھی اور "نور محمدی" مقدس پیشانی میں چمکتا رہتا تھا قریش جب بھی قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر "کوہ ثبیر" پر لے جاتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر دعا کرتے کہ وہ انہیں ان کی برکت سے بارش عطا فرمائے چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کے نور پاک کی برکت اور وسیلہ سے

انہیں اللہ تعالیٰ موسلا دھار بارش سے
سیراب کر دیتے تھے۔

اس دور میں دو چار افراد ہی تھے جن کے فکر و نظر کا قبلہ درست تھا۔ ان میں سے ایک حضرت عبدالمطلب بھی تھے۔

کان یامر اولادہ بترک الظلم والبغی ویحثھم علی مکارم الاخلاق و ینھاھم عن دنیات الامور ویوثر عنہ سنن جاء بھاالقران والسنۃ کالوفاء بالنذر والمنع من نکاح المحارم و قطع ید السارق و النھی عن قتل الموؤدۃ و تحریم الخمر و الزنا و ان لا یطوف بالبیت عریان

(زرقانی علی المواہب' ۱:۸۲)

اپنی اولاد کو حکم دیتے تھے کہ ظلم و زیادتی نہ کریں' انہیں اعلیٰ اخلاق کی ترغیب دیتے اور پست حرکتوں سے روکتے تھے۔ ان سے ایسی باتیں بھی منقول ہیں جن کا حکم قرآن و حدیث نے دیا' مثلاً یہ کہ جو نذر مانی ہو اسے پورا کیا جائے' محرم خواتین کے ساتھ نکاح سے اجتناب کیا جائے' چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں' بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے پرہیز کیا جائے' شراب اور بدکاری کو حرام جانا جائے' برہنہ حالت میں کعبہ شریف کا طواف نہ کیا جائے۔

نور محمدی ﷺ کی برکت سے ان کی قوت ارادی' توکل واعتماد اور حوصلہ مندی کا اظہار اس وقت بھی ہوا جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر دیا لیکن آپ نے اس موقعہ پر بڑے تدبّر و شعور' حلم و حوصلہ اور استقلال و استقامت سے حالات کا سامنا کیا اور قوم کو ہراساں نہ ہونے دیا اور ثابت کر دیا کہ وہ ایک باتدبیر حکمران اور صاحبِ بصیرت سردار ہیں۔

ابرہہ کا حملہ

"ابرہہ" یمن کا حکمران تھا سرکش و مغرور حکمرانوں کی طرح اسے بھی ذاتی

نمائش کا خیال آیا وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اسی کے گرد گھومیں اور صبح و شام اسی کا طواف کریں کسی کو اس کی ذات میں دلچسپی لینے اور دل میں اس کی عقیدت بسانے کے سوا اور کوئی کام نہ ہو۔ سوچنے لگا لوگ مکہ میں فقط ایک کعبہ کی زیارت کے لئے ہزاروں کی تعداد میں جاتے ہیں ان کا جوش و خروش' حیرت انگیز جذبہ' عقیدت سے لبریز ولولہ اور والہانہ پن دیدنی ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک کچا کوٹھا ہے اس پر کالا غلاف چڑھا ہوا ہے' اس میں آرائش و زیبائش نام کی کوئی چیز نہیں' اگر میں اپنے ملک یمن میں انتہائی خوبصورت دیدہ زیب اور آراستہ و پیراستہ محل بنالوں' اور پھر اہل عرب کو دعوت دوں کہ کعبہ کی بجائے وہ اس کی زیارت اور حج کے لئے آئیں تو مجھے یقین ہے وہ اس سادہ عمارت کی بجائے میرے محل کی زیارت کو ترجیح دیں گے اور دل و جان سے اس کا حج کرنے کے لئے آنے لگ جائیں گے۔ دل میں اس خام خیال کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا۔ ماہر ترین کاریگر صاحب ہنر فنکار اور مانے ہوئے معمار کام پر لگا دیئے۔ انجینئرز اور مہندسین کو حکم دیا کہ اپنی تمام فنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں اور ایسا محل تیار کریں جو کسی نے نہ دیکھا ہو جو بھی اس کا نظارہ کرے دنگ رہ جائے اور اس کی رعنائی و زیبائی میں کھو جائے۔ تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کام میں تیزی پیدا کرنے کے لئے مزدوروں کو حکم دیا گیا کہ سورج نکلنے سے پہلے محل وقوع پر پہنچ جایا کریں جو دیر کرے گا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا دہشت کی فضاء قائم کرنے کے لئے اس ظالمانہ حکم پر عمل بھی کیا۔

ملکہ بلقیس کے محل کے کھنڈرات قریب ہی تھے۔ وہاں سے منقش پتھر منگوائے گئے۔ رخام' سنگ مرمر' سنگ یشب' یاقوت' زر و جواہر' چاندی' آبنوس اور تعمیر و آرائش میں کام آنے والی اشیاء اور دیگر خام مال کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ معماروں نے اپنے فن کے خوب جوہر دکھائے۔ یہاں تک کہ ایک نہایت ہی عالیشان' شفاف اور روشن محل تیار ہو گیا۔ جب ابرہہ نے اس کا جائزہ لیا تو اسے مقصد کے عین مطابق اور تسلی بخش پایا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب عرب اس کی زیارت کے لئے ضرور آئیں گے اس نے ہر پہلو پر غور کر کے فیصلہ کیا کہ اتنے حسین و جمیل اور آراستہ و پیراستہ محل

کے حج کی دعوت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ عربوں کا فرض بنتا ہے کہ عمارت کعبہ کو بھول جائیں اس محل کو ترجیح دیں اور اسی کو قبلہ مقصود بنائیں۔ اس نے عرب کے طول و عرض میں اعلان کرا دیا کہ حج اور زیارت کے لئے ایک بہتر عمارت تعمیر کر لی گئی ہے اس لئے آئندہ زائرین ادھر کا رخ کریں اور حج کرنے کے لئے مکہ نہ جائیں۔ عربوں کے اندر اس اعلان سے بڑا اشتعال پیدا ہوا۔ بنوکنانہ کے ایک شخص کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے ابرہہ کو سبق سکھانے کی ٹھان لی۔ یمن گیا اور موقعہ پا کر وہاں غلاظت اور گندگی بکھیر دی ہر طرف تعفن پھیلا دیا اشیاء کو درہم برہم کر دیا۔ جب ابرہہ کو پتہ چلا کہ ایک عربی باشندے نے اسکے محل کی توہین کی ہے تو آگ بگولا ہو گیا۔ اشتعال میں آ کر قسم کھالی کہ وہ بھی اس گھر کی اسی طرح بے حرمتی کرے گا جس طرح اس کے محل کی کی گئی ہے اور اسے منہدم کر دے گا۔

اس نے ساٹھ ہزار فوج کو تیار ہونے کا حکم دے دیا۔ جب حضرت عبدالمطلب کو علم ہوا کہ ابرہہ آ رہا ہے اور اس کے عزائم خطرناک ہیں تو بہت فکرمند ہوئے لیکن اطمینان تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا۔ ابرہہ نے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر اپنے فوجیوں کو کھلی تباہی کا حکم دے دیا وہ گئے اور گرد و نواح سے جانور پکڑ کر لے آئے ان میں حضرت عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی تھے۔ ابرہہ نے اپنے ایک امیر حناطہ کو بھیجا کہ وہ امیر عرب عبدالمطلب سے جا کر ملے اور بتائے۔

انی لم ات لحربکم انما جئت لهدم هذا البيت فان لم تعرضوا دونه بحرب فلا حاجة لی بدمائكم

(ابن ہشام' ۱:۴۸)

میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نہیں آیا میرا مقصد فقط اس گھر کو گرانا ہے۔ اگر تم مجھ سے تعرض نہ کرو تو مجھے تمہارے خون بہانے سے کوئی دلچسپی نہیں۔

حناطہ بڑی ترنگ میں مکہ کی طرف آیا اسے نشہ تھا کہ وہ ایک عظیم فوج کے مالک اور یمن کے تاجدار کا نمائندہ ہے مگر جب حضرت عبدالمطلب کے سامنے پہنچا۔

و نظر الی وجہ عبد المطلب خضع و تلجلج لسانہ وخر مغشیا علیہ فکان یخور کما یخور الثور عند ذبحہ فلما افاق خر ساجدا لعبد المطلب و قال اشھد انک سید قریش حقا

(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ' ۱:۸۵)

اور حضرت عبد المطلب کے نورانی اور ضیا بار چہرے پر نظر پڑی تو ساری شیخی بھول گیا۔ عظمت و وجاہت کے اس پیکر کو دیکھ کر کپکپی طاری ہو گئی' زبان لڑکھڑا گئی اور رعب حسن سے بے ہوش ہو گیا۔ گویا اس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا اور ایسی آواز نکالنے لگا جیسی آواز ذبح کے بعد بیل نکالتا ہے۔ جب حواس ٹھکانے آئے عبد المطلب کے سامنے سجدے میں گر گیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی قریش کے سردار ہیں۔

جب اچھی طرح سنبھل گیا تو پیغام دیا شاہ یمن نے بھیجا ہے کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے فقط کعبہ کو گرانا چاہتے ہیں اور آپ مجھ سے آکر ملیں۔ حضرت عبد المطلب بے تکلف ابرہہ کے سامنے پہنچ گئے۔

و کان عبد المطلب اوسم الناس واجملھم واعظمھم فلما راہ ابرھۃ اجلہ واعظمہ واکرمہ عن ان یجلسہ تحتہ

(ابن ہشام' ۱:۴۹)

حضرت عبد المطلب عربی حسن وجمال اور عظمت و جلال کی ایک نمائندہ مثال تھے جب ابرہہ نے اس پیکر جمال کو دیکھا تو مبہوت ہو گیا۔ عزت و تکریم سے پیش آیا اور گوارا نہ کیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح انہیں نیچے بٹھائے۔

یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ اس کے برابر تخت پر بیٹھیں اس لئے خود نیچے اتر کر آپ کے پاس قالین پر بیٹھ گیا۔ المواہب اور سیرت حلبیہ وغیرہ میں یہ بھی مروی ہے کہ

ابرہہ کا ہاتھی بھی حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکتے ہوئے نور محمدی ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زبان دی اور ہاتھی نے قابل فہم زبان میں اس نورِ محمدی ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ ابرہہ آپ کی شخصیت سے بے حد مرعوب و مسحور تھا' بولا! فرمایئے کس مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں؟

آپ نے فرمایا: تمہارے فوجی میرے اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں وہ واپس کر دیں۔ ابرہہ انگشت بدنداں رہ گیا' حیرت سے بولا میں تو آپ کی شخصیت ووجاہت سے بے حد متأثر ہوا تھا مگر آپ کی بات سن کر میری ساری عقیدت ختم ہوگئی ہے آپ نہیں جانتے کہ میں آپ کی عقیدتوں کے مرکز کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اور آپ کو دو سو اونٹوں کی پڑی ہے چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کعبہ کے موضوع پر مذاکرات کرتے مگر اونٹوں کو بیچ میں لاکر آپ نے انتہائی سطحیت کا ثبوت دیا ہے۔

حضرت عبدالمطلب مسکرائے' فرمایا تم یہ راز نہیں سمجھ سکو گے میں فقط اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے ان کی سلامتی چاہتا ہوں۔ کعبہ کا مالک اور ہے' جو خود اس کی حفاظت کرلے گا اور تجھے بھی پتہ چل جائے گا۔ ابرہہ کو واقعی کچھ پتہ نہ چلا وہ اس معنی خیز جواب کو تو نہ سمجھ سکا البتہ اس نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کردیئے۔

عبدالمطلب نے مکہ آکر اپنے عوام کو حکم دیا وہ گھر بار چھوڑ دیں اور پہاڑوں پر نکل جائیں آپ نے پہاڑ پر پہنچ کر دعا کی۔

لاهم ان العبد يمنع رحله فامنع حلالك لا يغلبن صليبهم و محالهم غدوا محالك و انصر على آل الصليب و عابديه اليوم آلك (ابن ھشام' ۱:۵۱)	اے اللہ! ہر بندہ اپنے گھر بار کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر بار کی حفاظت کر۔ کل تیری قوت وطاقت پر ان کی قوت اور صلیب ہرگز غالب نہ آئے۔ صلیب کے پجاریوں اور ماننے والوں پر آج اپنے بندوں کی مدد فرما
فاستدارت دارة غرة رسول الله (ﷺ) على جبهته كالهلال	پس آپکی پیشانی پر نور محمدی کا دائرہ چاند کی طرح گھوما اس میں زبردست

واشتد شعاعها علی البیت الحرام مثل السراج	روشنی پیدا ہوئی۔ جو پھیلتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ کعبۃ اللہ تک پہنچ گئی۔
(زرقانی ۱:۸۵)	

حضرت عبدالمطلب نے جب یہ نورانی منظر دیکھا تو فرمایا!

یا معشر عرب! خوش ہو جاؤ تمہاری دعا قبول ہو گئی ہے۔ اس وقت نور مبارک کی یہ چمک اس بات کی علامت ہے کہ کامیابی اور خوشی تمہیں نصیب ہو گی اور تمہارا دشمن ذلیل وہلاک ہو گا۔ دوسرے روز ابرہہ نے ہاتھیوں کی صفیں درست کیں سب سے بڑے سفید ہاتھی کو آگے کھڑا کیا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ آگے بڑھیں مگر ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا انہوں نے سر پر زور سے آنکس مارا۔ مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پیٹ میں لوہے کا کیل چبھویا مار مار کر لہولہان کر دیا مگر ہاتھی اسی طرح اڑا رہا۔ انہوں نے اس کا رخ دوسری طرف کیا تو وہ چل پڑا مگر جونہی کعبہ کی طرف موڑا وہ پھر رک گیا۔ اب یہی صورت بن گئی اگر اسے یمن' شام یا مشرق کی طرف موڑتے تو چل پڑتا اور جب کعبہ کی طرف رخ کرتے تو رک جاتا ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا راز ہے۔

حضرت عبدالمطلب' مسعود ثقفی اور عمرو' پہاڑ پر کھڑے یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے۔ اچانک عمرو نے حضرت عبدالمطلب کی توجہ ایک طرف مبذول کرائی۔

انظر هل تری شیئا قال عبد المطلب اری طیرا تأتی من قبل البحر قطعا قطعا وهی صفر اصغر من الحمام سود الروس حمر الا رجل و المناقیر	دیکھو تمہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا ہاں! میں پرندوں کی ڈاریں دیکھ رہا ہوں جو سمندر کیطرف سے آ رہی ہیں۔ ان کے رنگ زرد' سر کالے اور پاؤں اور چونچیں سرخ ہیں یہ قامت میں کبوتر سے چھوٹے ہیں۔
(دلائل النبوۃ۔ ابو نعیم' ۱۰۶)	

ہر پرندے کے پاس مسور کے دانے کے برابر تین تین کنکریاں تھیں۔ یہ خدائی لشکر ٹڈی دل اور شہد کی مکھیوں کی طرح ابرہہ کے لشکر پر چھا گیا اور اسے ہر طرف

سے گھیر لیا پھر اس نے لشکر پر کنکریوں کی بارش کردی جسے وہ لگی جسم کو چھیدتی ہوئی نیچے تک چلی گئی۔ اس نے گرانڈیل طاقتور جسموں کو چھلنی کردیا۔ گوشت پوست اڑا دیا اور وہ اس طرح ریزہ ریزہ ہو گئے جیسے چبایا ہوا بھوسا ہوتا ہے (**کَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ**)

ابرہہ بھی بھاگ اٹھا لیکن ہر منزل پر وہ ٹوٹتا اور بکھرتا رہا تا آنکہ جب اپنے گھر پہنچا تو سینہ پھٹ گیا اور دل باہر آگیا۔ اس کا وزیر ابویکسوم حبشہ کی طرف بھاگا اس کے سر پر پرندوں کا ایک غول منڈلاتا رہا اسے کچھ پتہ نہیں تھا جب وہ نجاشی کے سامنے پہنچا تو ان پرندوں نے کنکریاں پھینک دیں اور وہ نجاشی کے سامنے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا اس طرح اس نے اپنی آنکھوں سے اس عذاب کا منظر دیکھ لیا جس میں ابرہہ اور اس کا لشکر مبتلا ہوا تھا۔

(شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ: ۸۹) (ابن ہشام ۱: ۵۴) (الطبقات الکبریٰ ۱: ۹۳)

حضرت عبدالمطلب کی شادی

حافظ ابوسعید نیشاپوریؒ نے ابوبکر بن ابی مریم اور سعید بن عمرو انصاری کے ذریعے سے حضرت کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کا نور مبارک حضرت عبدالمطلب میں منتقل ہوا اور وہ جوان ہو گئے تو ایک دن حطیم میں سو گئے۔ اٹھے تو آنکھ میں سرمہ اور بالوں پر تیل لگا ہوا تھا اور حسن و جمال میں بڑا اضافہ ہو چکا تھا انہیں بڑی حیرت ہوئی ان کے والد انہیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے سن کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جوان کی شادی کا حکم دیا ہے چنانچہ انہوں نے پہلا نکاح قیلہ سے کیا پھر ان کی وفات کے بعد فاطمہ سے نکاح کیا تو ان کے نصیب میں نور محمدی ﷺ آیا اور ان کے بطن سے حضرت عبداللہ متولد ہوئے۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

عدی بن نوفل نے حضرت عبدالمطلب کو بڑے غرور سے طعنہ دیا۔

یا عبد المطلب استطیل علینا	اے عبدالمطلب! ہمیں اکڑ کر دکھاتے
وانت فذلا ولدلکٌ فقال ابا لقلۃ	ہو حالانکہ تم اکیلے ہو تمہاری اولاد

تعیرونی! فو اللّٰہ لئن اتانی اللّٰہ عشرۃ من الولد ذکورًا لأنحرن احدھم عند الکعبۃ

(محمد رسول اللہ' ۴۰)

نہیں-آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا! حسرت اور عاجزی سے بارگاہ رب العزت میں دعا کی! اے اللہ! دس جوان بیٹے عطا فرما ان میں سے ایک تیری راہ میں قربان کروں گا' (دشمنوں کی اکڑ توڑ دے۔)

جب چاہِ زمزم کھودا جا رہا تھا اس وقت انہوں نے یہ دعا کی تھی چند سال پہلے کی ہوئی دعا کی قبولیت آج عملی صورت میں ان کے سامنے جلوہ گر تھی وہ سرور و انبساط اور شکر و عاجزی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ بچھے جا رہے تھے۔ مسرّت کے آنسو رواں تھے اور وہ سراپا عجز و نیاز اور پیکر بندگی بنے اپنے رب کریم کا شکر ادا کر رہے تھے جس نے انہیں یہ روز سعید دکھایا تھا اور دس حسین و جمیل بیٹے عطا فرمائے تھے جو صحت مند' توانا' بارعب اور سرو رواں کی طرح بالا قامت تھے۔ جو انہیں دیکھتا یا تو رشک و حسد سے جل جاتا یا خوشی سے پھولے نہ سماتا۔ وہ خیر خواہ اور بدخواہ کی پہچان بن گئے تھے۔ بدخواہ کی بھنویں سکڑ جاتیں اور خیر خواہ کی باچھیں کھل جاتیں۔

حضرت عبد المطلب نے سب کو پاس بلایا اور اپنی بے بسی کے ایام کہنہ کی داستان سنا کر اپنی نذر کا ذکر کیا۔ سب اطاعت و خلوص کی تصویر بن گئے گردنیں جھکا دیں اور نیاز مندی سے بولے! ہم حاضر ہیں جسے چاہیں قربان کر دیں۔ حضرت عبد المطلب نے سادن کعبہ کو حکم دیا قرعہ ڈالو جس کے نام قرعہ نکلا اسے قربان کر دوں گا۔ عباس' حمزہ' ابو طالب' ابولہب' حارث' ضرار' مقوم' زبیر' غیداق اور عبد اللہ سب بھائی ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ بعض نے قثم اور مغیرہ دو ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی بہنیں صفیہ' ام حکیم' عاتکہ' امیمہ' اروی اور برہ بھی دھڑکتے دلوں کے ساتھ دوسری قطار میں کھڑی ہو گئیں۔ سب کی نظریں ایک ہی نقطے پر مرکوز تھیں دیکھیں کس بھائی کے نام قرعہ نکلتا ہے۔ سب عزیز اور پیارے تھے مگر جو سب سے پیارا اور سب سے چھوٹا تھا اس کے نام قرعہ نکل آیا۔ یہ حضرت عبد اللہ تھے۔

حضرت عبدالمطلب کی جان ہوا ہو گئی مگر زباں سے اف تک نہ کی یہ وعدہ خلافی اور شان تسلیم ورضا کے منافی بات تھی۔ اس لئے چپکے سے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور مذبح کی طرف چل پڑے۔ قریش اور ان کے بیٹے چیخ پڑے۔ سردار! اگر آپ نے اولاد ذبح کرنے کی ریت ڈال دی تو یہ ایک رسم پڑ جائے گی ہر کوئی اظہار بندگی کے لئے جواں اولاد کو ذبح کرنا اور اس کی قربانی دینا ضروری خیال کرنے لگ جائے گا اس لئے آپ مہربانی کریں ایسی ریت نہ ڈالیں جس کا ایفاء بعد میں مشکل ہو جائے۔ کوئی ایسا حل تلاش کریں جس سے آپ کی نذر بھی پوری ہو جائے اور عبداللہ کی جان بھی بچ جائے۔ عبداللہ بہنوں کا لاڈلا اور ان کی آنکھوں کا تارا تھا۔ انہوں نے مسئلے کے حل پر بہت زور دیا اور والد گرامی کو مجبور کیا کہ وہ کوئی اور قابل عمل صورت نکالیں قربانی کی رسم ڈالنا موزوں نہیں۔ آخر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی متبادل صورت بھی تو نکل آئی تھی۔ حضرت عبدالمطلب بڑے ہی زیرک' دانا ومدبر اور نکتہ رس انسان تھے۔ دماغ پر زور دیا' ممکنہ صورتوں کا جائزہ لیا' لیکن انصاف پسند دماغ نے کسی صورت کو بھی قبول نہ کیا۔ ان سے بے وفائی کی بو آتی تھی۔ اچانک نہاں خانہ دل میں بجلی کا ایک کوندا لپکا جیسے اندھیرے میں جگنو چمکا ہو اور دل و دماغ نے اسے آزمانے کا فیصلہ کر لیا بولے! ہمارے ہاں آج کل ایک آدمی کی دیت (خون بہا) دس اونٹ ہے۔ آپ دس اونٹوں کے ساتھ عبداللہ کا قرعہ ڈال کر دیکھیں اگر اونٹوں کا نام نکل آئے تو بہتر و گرنہ دس اونٹوں کا اضافہ کر دیں۔ قرعہ ڈالا گیا' عبداللہ کے نام نکلا' انہوں نے دس اونٹوں کا اضافہ کر دیا۔ پھر قرعہ ڈالا' اس دفعہ بھی عبداللہ کا نام نکلا۔ پھر دس اونٹوں کا اضافہ کر دیا گیا اس طرح نو دفعہ ہوا ہر بار عبداللہ کا نام نکلا مگر جب اونٹوں کی تعداد سو ہوئی تو اونٹوں کا قرعہ نکل آیا۔ بھائی بہنوں نے سکھ کا سانس لیا' مگر حضرت عبدالمطلب کی تقوٰی شعار اور انصاف پسند طبیعت نے اسے قبول نہ کیا۔ فرمایا تین دفعہ اور قرعہ ڈالوں گا اگر ہربار اونٹوں کا قرعہ نکلا تو یقین کروں گا کہ میرا رب راضی ہو گیا ہے اور اس نے سو اونٹوں کے بدلے میرے عبداللہ کی قربانی منظور فرمالی ہے۔ جب مزید تین بار قرعہ

ڈالا گیا تو ہر بار اونٹوں ہی کے نام نکلا' حضرت عبد المطلب کو اطمینان ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد' ۱:۸۹) (دلائل بیہقی' ۸۷)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔

كانت الدية يومئذ عشرا من الابل و عبدالمطلب اول من سن دية النفس مائة من الابل' فجرت فى قريش والعرب مائة من الابل واقرها رسول الله ﷺ على ما كانت عليه

(الطبقات الکبریٰ' ۱:۸۹)

اس زمانے میں فی کس دیت دس اونٹ تھی۔ حضرت عبدالمطلب پہلے شخص تھے جنہوں نے سو اونٹ دیت مقرر کی پھر قبیلہ قریش بلکہ پورے عرب میں یہی دیت مقرر ہو گئی اور حضور ﷺ نے بھی اسے برقرار رکھا۔

نجات بخشنے والے اس مسرت افروز واقعہ کے بعد حضرت عبد اللہ لوگوں میں ذبیح کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ یہ لقب ان کے لئے نشانِ امتیاز اور خاندان بھر کے لئے وجہ افتخار بن گیا اور عبداللہ تمام قبیلے میں پہلے سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔

اس لقب کی شان انفرادیت یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اسے شرف قبولیت سے نوازا اور اس پر اظہار خوشنودی فرمایا۔

حضرت امیر معاویہ ؓ راوی ہیں۔

ہم نیاز مندانِ بارگاہِ نبوی' ادب و نیاز کے ساتھ اپنے کریم آقا کے حضور بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی آیا' قحط کی چیرہ دستیوں کی داستان خونچکاں اس کے اداس اور پژمردہ چہرے پر جلی عنوان سے لکھی ہوئی تھی۔ بصد حسرت و یاس گویا ہوا۔

آقا! آبادیاں قحط کی لپیٹ میں آگئی ہیں' پانی نایاب ہو گیا ہے' جانور' مال مویشی کمزور ہو گئے ہیں' بچے بھوک سے نڈھال ہیں اور چارہ اناج نہ ہونے کی وجہ سے مر رہے ہیں۔

فعد علی مما افاء اللہ علیکَ یا ابن الذبیحین

اے حضرت اسماعیل ذبح اور عبد اللہ ذبح کے بیٹے! اللہ پاک نے آپ کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں' ان میں سے مجھے بھی کچھ عطا فرمایئے!

فتبسّم رسُول اللہ ﷺ ولم ینکر علیہ

حضور ﷺ نے یہ لقب سن کر تبسم فرمایا اور برا نہ منایا۔

(زرقانی' ۱:۹۷)

اس برق تبسم کا مطلب یہ تھا کہ آپ کو اس لقب پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے جس کا اظہار و ابلاغ درست ہے اور اس کو خاندانی اعزاز کے طور پر قبول کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ کا نکاح اور وفات

حضرت عبدالمطلب کو لاڈلے بیٹے عبداللہ کے بچ جانے اور اونٹوں کی صورت میں قربانی قبول ہو جانے کی اتنی خوشی تھی جسے وہ نہاں خانہ دل میں چھپا کر نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ تدابیر سوچنے لگے اس سمندر کو کہاں انڈیلیں اور اس کا اظہار کس طرح کریں۔ آخر ایک شفیق باپ کے حوالے سے انہیں ایک ہی ترکیب سوجھی کہ اس کا گھر آباد کر دیں۔ جشن شادی کے ساتھ ساتھ جشن شادمانی کا بھی اہتمام و مظاہرہ ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ کے لئے قریش کے تمام قبائل' بنو عبد مناف' بنو عبد شمس اور مخزوم کی تمام جوان دوشیزائیں آس لگائے بیٹھی تھیں۔ ان کی پیشانی میں تاباں نور نبوی ﷺ سب کے لئے سب سے زیادہ وجہ کشش تھا۔ وہ اس کے حصول کیلئے تمام جائداد اور مال و متاع کی قربانی کیلئے بھی آمادہ تھیں۔ اس کے علاوہ شوق فراواں کا باعث حضرت عبداللہ کی ذاتی وجاہت بھی تھی۔ وہ قریش کے جوان رعنا اور مردانہ حسن و جمال کا ایک مکمل نمونہ تھے اس لئے ان کا شریک حیات بننا خاندانی افتخار بھی تھا۔

کان عبد اللہ احسن فتی یری فی قریش و اجملھم و کان نور النبی

حضرت عبداللہ پورے قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل نظر آنے

ﷺ یری فی وجھہ کالکوکب الدری حتی شغفت بہ نساء قریش و لقی منھن عناء

(سیرت حلبیہ' ۱:۳۸)

والے نوجوان تھے۔ نورِ نبوی ﷺ ان کے رخ انور میں روشن ستارے کی طرح چمکتا تھا اسی وجہ سے قریش کی لڑکیاں ان کے ساتھ شادی کرنے کی آرزو مند تھیں اور حضرت عبداللہ کو ان کی وجہ سے خاصی دقت کا سامنا تھا۔

پتہ نہیں یہ خواہش کتنے دلوں میں دبی ہوئی تھی اور حرف مدعا بن کر زبانوں پر نہیں آ رہی تھی۔ مگر جب یہ پتہ چلا کہ اب حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کے نکاح کے لئے سوچنے لگے ہیں تو سب میدان میں آگئیں اور حضرت عبداللہ کی خواستگار بن گئیں۔ قریش کی خواہش مند دوشیزاؤں کے علاوہ ایک ایسی خاتون کا نام بھی ملتا ہے جو علم و فضل کا پیکر اور تقویٰ و طہارت کا مجسمہ تھی۔ راوی اسکا نام قیلہ بنت نوفل یا فاطمہ بنت مر بتاتے ہیں۔ ممکن ہے یہ ایک ہی شخصیت ہو۔ اس خاتون نے حضرت عبداللہ سے کہا آپ کے فدیہ میں سو اونٹ قربان کئے گئے تھے۔ میں اتنے ہی اونٹ دینے کے لئے تیار ہوں۔ آپ مجھ سے نکاح فرمالیں۔ مگر حضرت عبداللہ راضی نہ ہوئے۔ آپکی شادی ہو جانے کے بعد اس عورت نے وضاحت کر دی۔

اے عبداللہ! میں کوئی بد قماش عورت نہیں' تمہاری پیشانی میں نورِ نبوی ﷺ تاباں دیکھا تھا صرف اس لئے تمہاری طرف مائل ہوئی تھی۔

حضرت عبدالمطلب کے سامنے اب سب سے اہم مسئلہ کسی موزوں لڑکی کی تلاش تھی۔ یعنی یہ کہ بیٹے کی شان و حیثیت کے مطابق رشتہ کہاں سے لیا جائے۔ آخر ان کی نظر مدینہ کے قبیلہ بنو زھرہ پر جاکر رکی اس کا ایک تاریخی پس منظر بھی تھا۔

اس تاریخی واقعہ کے راوی خود حضرت عباسؓ ہیں۔ فرماتے ہیں۔

میں اور میرے والد حضرت عبدالمطلب یمن گئے۔ ایک یہودی کے پاس ٹھہرے۔ وہ بڑا دانا' قیافہ شناس اور پرانی کتب کا عالم تھا۔ والد گرامی سے مخاطب ہوا۔

تم کون ہو؟

"قریشی ہوں" عبد المطلب نے جواب دیا۔

قریش کی کس شاخ سے تعلق ہے؟ اس نے پوچھا۔

"بنو ہاشم سے" عبد المطلب نے کہا۔

یہ سن کر وہ چونک پڑا اور بولا!

"کیا آپ مجھے اپنی ناک دیکھنے کی اجازت دیں گے؟ اس نے کہا"

"عبد المطلب نے اجازت دے دی۔"

اس نے بڑے غور سے دونوں نتھنے دیکھے اور پھر جچے تلے انداز میں اپنی رائے دی۔ تمہارے ایک ہاتھ میں حکومت اور دوسرے ہاتھ میں نبوت ہے۔ یہ دونوں صفتیں قبیلہ بنو زہرہ میں اکٹھی ہو جائیں گی۔

کیا تم نے ان سے رشتہ قائم کیا ہے؟

ابھی تک تو نہیں کیا عبد المطلب نے جواب دیا۔

اس خاندان سے رشتہ قائم کرو یہ میری نصیحت ہے۔

حضرت عبد المطلب کے ذہن پر یہ واقعہ نقش ہو گیا۔ اب حضرت عبد اللہ کے لئے جب رشتہ ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ان کے ذہن میں وہ نقش تازہ ہو گیا انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اسی خاندان کے ساتھ ناطہ جوڑیں گے۔ قبیلہ بنو زہرہ کے نامور سردار "وہب" وفات پا چکے تھے۔ ان کے بھائی وہیب اب ان کے جانشین اور پورے خاندان کے سربراہ تھے۔ ان کی بھتیجی اور وہب کی باکمال و نیک بخت صاحبزادی حضرت آمنہ انہی کی زیر نگرانی اور زیر کفالت پرورش پا رہی تھی۔ جن کے عروج اور بخت و اقبال کے سامنے ہفت سماوات بھی سرنگوں ہونے والے تھے۔ انہیں قدرت نے ایک ایسے اعزاز کے لئے منتخب فرما لیا تھا جو نہ کسی کو نصیب ہوا اور نہ آئندہ نصیب ہوگا۔

سعادت و فیروز مندی اور رفعت و شادمانی کی ملکہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے مقدس روپ میں سمائی ہوئی اس سعادت و فیروز بختی اور عظمت و رفعت کو حاصل

کرنے کیلئے عبد المطلب وہاں پہنچ گئے اور وہیب سے حضرت عبد اللہ کے لئے آمنہ بیٹی کی خواستگاری کی۔ اس رشتے کو وہیب نے بڑے فخر وانبساط کے ساتھ قبول کیا۔

وہیب کی اپنی سگی بیٹی "ہالہ" تھی۔ حضرت عبد المطلب نے اسے اپنے لئے مانگا کیونکہ وہ اس خاندان کے ساتھ مکمل منسلک ہونا چاہتے تھے۔

جناب وہیب نے اس رشتے کو بھی شرف قبول بخشا۔ اور بیک وقت دونوں نکاح ہو گئے۔

حضرت حمزہ اور صفیہ جناب "ہالہ" ہی کی اولاد ہیں۔

(سیرۃ حلبیہ' ۱: ۴۳-۴۴) (الطبقات' ۱: ۹۵)

ابو نعیم' خرائطی اور ابن عساکر نے بطریق عطاء حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالمطلب اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو لے کر ایک کاہنہ کے پاس سے گزرے جو تورات' انجیل اور کتب سابقہ کی عالمہ تھی۔ اس کا نام فاطمہ شمعیہ تھا۔ اس نے حضرت عبداللہ کے چہرے (پیشانی) پر نور محمدی چمکتا ہوا دیکھا تو حضرت عبداللہ کو نکاح کی دعوت دی مگر آپ نے انکار کر دیا' پھر مذکور ہے کہ آپ کا نکاح جب حضرت آمنہؓ سے ہو گیا اور نور محمدی ﷺ ان کے بطن میں منتقل ہو گیا تو ایک روز حضرت عبداللہ اسی فاطمہ نامی کاہنہ کے پاس سے دوبارہ گزرے' اس نے آپ کی طرف توجہ تک نہ کی' حضرت عبداللہ نے پوچھا کیا بات ہے اس وقت مجھے دعوت نکاح دیتی تھی اور آج توجہ تک نہیں کرتی اس خاتون نے جواب دیا جس نور کی خاطر میں آپ کی طرف راغب ہوئی تھی وہ کوئی اور خوش نصیب لے گئی اب مجھے آپ سے شادی کی حاجت نہیں۔ میری خواہش تھی کہ وہ نورِ مبارک میرے نصیب میں ہوتا مگر اب ایسا ممکن نہیں رہا۔ وہ نور آپ سے جدا ہو چکا ہے۔

قیل انہ لما تزوج آمنۃ لم تبق امراۃ	بتایا گیا ہے کہ جب حضرت آمنہ کے
من قریش من بنی مخزوم و عبد	ساتھ حضرت عبداللہ کا نکاح ہو گیا تو
شمس و عبد مناف الا مرضت اسفا	قریش کے قبائل بنو مخزوم' بنو عبد

علی عدم تزوجها بہ
(سیرۃ حلبیہ' ۱:۳۸)

شمس اور بنو عبد مناف کی وہ لڑکیاں جو نکاح کی خواہش مند تھیں غم سے بیمار ہوگئیں اور نکاح سے محروم رہ جانے پر انہیں سخت صدمہ پہنچا۔

حضرت عبد المطلب عظیم المرتبت اور سراپا یمن و سعادت بہو کو گھر لے آئے۔ محمد بن سائب کلبی سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ نے شادی کے بعد حضرت آمنہ کے پاس صرف تین دن قیام کیا اور بعد ازاں دستور عرب کے مطابق قافلہ تجارت کے ساتھ ملک شام روانہ ہوگئے۔ شادی اوائل ماہ رجب میں پیر کے دن عمل میں آئی۔ انہی تین دنوں کے دوران وہ بابرکت گھڑی بھی آئی جب نور محمدی کی گراں بار اور درخشاں امانت حضرت آمنہ کے سپرد ہوئی اور ان کی مقدس پیشانی اس نور سے جگمگا اٹھی جو حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ مروی ہے کہ جس رات حضور ﷺ کا نور حضرت آمنہ کے بطن میں منتقل ہوا وہ شب جمعہ تھی۔

اس انتقال نور کے بعد حضرت آمنہ بنت وہب کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں اور آپ نے کیا روح پرور بشارتیں سنیں ہم ان کا ذکر بعد میں کریں گے۔ دستور قریش کے مطابق حضرت عبد اللہ کو تجارت کی غرض سے قافلہ کے ہمراہ ملک شام جانا پڑا۔ سامان بیچا' اپنا کام مکمل کیا واپس آرہے تھے کہ راستے میں بیمار پڑ گئے۔ جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اپنے قافلے سے کہا میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔ یہاں اپنے اخوال بنو مخزوم کے ہاں ٹھہر جاتا ہوں۔ آپ لوگ جائیں۔

حضرت عبد اللہ وہاں ایک مہینہ رہے۔ مگر صحت یاب نہ ہو سکے اور انتقال فرما گئے۔ اپنے والد گرامی حضرت عبد المطلب کے اخوال بنی عدی بن نجار کے ہاں مدفون ہوئے (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡن) قدرت کو یہی منظور تھا کہ اس کا محبوب جب اس دنیا میں تشریف لائے تو باپ کا سایہ اس کے سر پر نہ ہو۔ یہ ازل سے مقدر تھا اور کتب قدیمہ میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ نبی آخر الزمان یتیم پیدا ہوں گے اور یہود و نصاریٰ کے

ہاں اس آخری نبوت کی صداقت کی ایک علامت یہ بھی تھی جو پوری ہو گئی۔

واپسی پر حضرت عبد المطلب اپنے بیٹے عبداللہ کو قافلے کے ہمراہ نہ پاکر بیقرار ہو گئے۔ فوراً اپنے بیٹے حارث کو بھیجا کہ جا کر چھوٹے بھائی کو لے آئے مگر وہاں پہنچ کر انہیں اندوہناک خبر کے سوا کچھ نہ ملا۔

جب حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تک اپنے شوہر کے انتقال اور اپنی بیوگی کی روح فرسا خبر پہنچی تو دنیا آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ غمِ فرقت سے نڈھال ہو کر گر پڑیں۔ ہوش آیا تو دردِ نہاں اور جذباتِ غم اشعار میں ڈھل گئے۔

عفا جانب البطحاء من ابن هاشم

و جاور لحدا خارجا فی الغماغم

"وادی بطحا کا گوشہ ہاشم کے بیٹے کے وجودِ مسعود اور مترنم آواز سے خاموش اور خالی ہو گیا ہے۔ اور وہ کفنوں میں لپٹا ہوا، دور جا کر قبر میں مقیم ہو گیا ہے"

دعته المنايا دعوة فاجابها

وما ترکت فی الناس مثل ابن هاشم

"موت نے اسے پکارا تو وہ اس کی طرف چلا گیا، اس موت نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی نہیں چھوڑا وہ بے مثل صفات کا حامل انسان تھا۔"

عشية راحوا يحملون سريره

تعاوره اصحابه فی التزاحم

"وہ ایک حسرت ناک شام تھی جب لوگ اسے چارپائی پر لے کر چل دیئے احباب کا ہجوم تھا جو اسے باری باری کندھا دے کر لے جا رہا تھا۔"

فان يک غالتها المنايا وريبها

فقد کان معطاء کثير التراحم

"اگر موت اور اس کی چیرہ دستی نے اسے ہلاک کر دیا ہے (تو لوگ یاد رکھیں) وہ ایک دریا دل، فیاض، کریم دوست اور نہایت مہربان انسان تھا۔"

(الطبقات، ۱: ۱۰۰)

و لعبد اللہ یوم توفی خمس وعشرون سنۃ　　جس روز حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا ان کی عمر پچیس برس تھی۔

(الطبقات' ۱:۹۹)

حضرت عبداللہ نے ترکہ میں بکریوں کا ایک ریوڑ اور پانچ اونٹ چھوڑے۔ اس کے علاوہ ایک کنیز چھوڑی جس کا نام "ام ایمن" تھا۔ اس خاتون نے نبیٔ آخر الزمان ﷺ کو گود کھلایا اور بہت خدمت کی جس کا حضور ﷺ نے بعد میں اعتراف بھی فرمایا اور اس کی بہت قدر افزائی فرمائی۔

فہرست تصاویر

مذکورہ تصاویر کتاب کے آخر "حصہ نہم" میں ملاحظہ فرمائیں

حصہ سوم

ولادت باسعادت

باب۔ اول

نور محمدی ﷺ کا عالم بشریت میں انتقال

اس حسنِ مطلق نے دنیا کے نظاروں کو اس قدر حسین بنایا ہے کہ انسان اس دلکش اور جاذب نظر ماحول میں بار بار گم ہو جاتا ہے۔ کبھی زمین کی دلفریب رعنائیاں اس کے دامنِ دل کو کھینچتی ہیں تو کبھی افلاک کی دلکش وسعتیں۔ کبھی ہواؤں کی جاودانِ جانفزا کیفیتیں اس کے لئے راحتِ جاں بنتی ہیں تو کبھی فضاؤں میں گونجنے والے نغمات حسن۔ یہ کائنات آب وگل حسن وعشق کے ہنگاموں کا مرکز ہے، جس میں حسن کبھی گل ولالہ کی نرم ونازک پنکھڑیوں سے عیاں ہوتا ہے اور کبھی ان کی دلفریب مہک سے۔ نغماتِ حسن کبھی آبشاروں میں سنائی دیتے ہیں اور کبھی دریاؤں اور نہروں کے سکوت میں۔ کہیں باغات کی دلکش رونقیں چہرۂ حسن کو بے نقاب کرتی ہیں، کہیں صحراؤں کی خاموشیاں۔ کہیں سمندروں کا بہاؤ حسن میں ڈھلتا دکھائی دیتا ہے، کہیں سبزہ زاروں کا پھیلاؤ۔ الغرض ہر سو، حسن کی جلوہ سامانیاں ہیں اور نگاہ ودل خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ عالمِ آفاق کے نغماتِ حسن کی صدائے بازگشت انفسی کائنات کے نہاں خانوں میں سنائی دے رہی ہے اور کائناتِ خارجی کی بے کراں وسعتوں میں بھی۔ غرضیکہ حسیں خواہشات ہر سو مچل رہی ہیں۔ یہی خواہشات خوگرِ حسن بھی ہیں اور پیکرِ حسن بھی۔ تخیلات بھی حسن سے سکون پاتے ہیں، تصورات بھی اسی کے مشتاق ہیں۔ اہل دل کبھی حسن کو جلوت میں تلاش کرتے ہیں، کبھی خلوت میں۔ کوئی جلوۂ حسن میں مست ہے، کوئی تصور حسن میں بے خود۔ اس کارگہِ حیات میں ہر کوئی حسن کا متلاشی ہے۔ کوئی ذوق وشوق کے مرحلے میں ہے تو کوئی جذب وکیف کے مقام پر۔ کوئی سوز وساز مستی میں ہے، کوئی وجد وحال میں۔ لیکن شبستانِ عشق میں ہر کسی کو نورِ حسن ہی کی کوئی نہ کوئی شعاع میسر ہے۔ دل کہتا ہے کہ حسن کے دلفریب جلوے جو اس قدر کثرت سے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں، کہیں نہ کہیں ان کا منبع ضرور

ہو نہ۔ کہیں نہ کہیں وہ سرچشمۂ حسن یقیناً موجود ہو گا جہاں سے سب کے سب جمالیاتی سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ ہر خوب سے خوب تر کا وجود اور حسین سے حسین تر کا نشاں یہ بتلاتا ہے کہ کہیں نہ کہیں حسن و رعنائی کا آخری نظارہ بھی ہو گا۔ تلاشِ حسن کا سفر کہیں نہ ختم ہوتا ہو گا۔ آنکھیں کہتی ہیں' بے شک کہیں وہ آخری تصویرِ حسن بھی ہو گی جسے دیکھ کر جذبۂ تسکین بھی سکون پا جائے۔ روح پکارتی ہے' بلاشبہ کہیں وہ حریمِ ناز بھی ہو گا جہاں سب بے چینیاں ختم ہو جائیں اور راحتیں تکمیل کو پہنچ جائیں۔

آؤ! اس حسن کی تلاش میں نکلیں اور اس جمال کو اپنائیں جس کی ادائے حسن سے جہانِ رنگ و بو میں ہر سو حسن و جمال کی جلوہ آرائی ہے۔ آؤ! بادۂ عشق کے رہ نوردو' اس صحرائے حیات میں دیکھو! وہ طور پر سے ایک عاشق کی ندا آ رہی ہے۔ فضائے طلب میں اس کی صدائے عشق بلند ہو رہی ہے' روح کے کانوں سے سنو' آواز آ رہی ہے:

رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ ؕ میرے رب! اپنے چہرۂ حسن کو بے نقاب کر' میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔
(الاعراف' ۷: ۱۴۳)

نظارۂ حسن کی طلب کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ علیہ السلام نے کس حسن کو پکارا ہے؟ اسی حسن کو جو حسنِ مطلق ہے' جو حسنِ ازل ہے' جو حسنِ کامل ہے' جو حسنِ حقیقت ہے' جو ہر حسن کا منبع و مصدر ہے' جو ہر حسن کی اصل ہے۔ حسین جس کے حسن کا تصور نہیں کر سکتے۔ جمیل جس کے جمال کا گمان نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی حسن لازوال سے اس کا جلوۂ حسن مانگا ہے۔

آپؑ کو حریمِ ناز سے کیا جواب ملتا ہے:

لَنۡ تَرٰىنِیۡ۔ ہمیں جلوہ حسن کا نظارہ کرانے سے انکار نہیں۔ مگر تیری آنکھ میں تابِ نظارہ نہیں۔

پھر۔۔۔ عشق کی بے تابی دیکھ کر' اس نے حسنِ ذات کی بجائے حسنِ صفات کا صرف ایک نقاب الٹا۔ مگر:

جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی (صفاتی) تجلی کا اظہار فرمایا تو اس نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔	فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (الاعراف، ۷:۱۴۳)

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتوِ صفات

روح بیتاب پکارنے لگی۔ اے حسنِ مطلق! میں نے اقرار کرلیا کہ میں تیرے حسن کو بے نقاب نہیں دیکھ سکتی۔ آنکھیں ترس گئیں ہیں۔ یہ نظارہ کسی پیکرِ محسوس میں رکھ دے تو اسے ہی دیکھ لیں۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

اے لامکاں میں بسنے والے حسنِ تمام! عالمِ مکاں میں بھی اپنے حسنِ کامل کی جلوہ سامانی کر۔ تو عالمِ ہویت میں تو نور فگن ہے۔ مطلعِ بشریت کو بھی اپنے پرتوِ حسن و نور سے روشن کر۔ تو حسنِ بے مثال ہے 'لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ' کا مصداق تیرا ہی جمال ہے۔ کسی کے حسنِ سراپا کو اپنی شانِ مظہریت سے نواز تاکہ عاشقانِ صادق عالمِ ہست و بود میں تیرے حسن کا نقشِ کامل دیکھ سکیں۔ تیرے نور کا مظہرِ اُتم دیکھ سکیں۔ حریمِ ناز سے صدا آتی ہے، اے حسن و جمالِ حق کے متلاشی۔ تیری تلاش تجھے مل چکی، تیرا سوال پورا ہو چکا، تیری مراد بر آچکی۔ یوں تو ہر سو میرے ہی حسن کے جلوے ہیں:

تم جدھر پھرو گے ادھر ہی اللہ کا جلوہ ذات ہے۔	فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ، ۲:۱۱۵)

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

لیکن محمد ﷺ کا حسنِ سراپا عالمِ خلق میں میرے پرتوِ حسن کی کامل جلوہ گاہ ہے۔ محمد ﷺ کے مطلعِ ذات پر میرا آفتابِ حسن شباب پر ہے۔ اس پیکرِ نور کو دیکھ

یہی مظہرِ حسنِ حقیقت اور یہی مظہرِ جمالِ مطلق ہے۔

میں نے وجود محمدی ﷺ کو نور کی صورت میں اس وقت پیدا فرمایا جب کائناتِ ہست و بود اور عالمِ رنگ و بو میں کچھ بھی نہ تھا' عرش سے فرش تک کسی نوری یا مادی وجود کا کوئی نقش و نشان نہ تھا' ابھی نظام کن فیکون کا اجراء بھی نہ ہوا تھا۔ میں نے اپنی شانِ خلاقیت کا سب سے پہلا مظہر نور محمدی ﷺ کو بنایا۔ یہی نور میرے نظامِ خلق و تکوین کا پہلا نقش تھا۔ یہی نور میرے پرتوِ حسن و جمال کا پہلا محل تھا' یہی نور میری توجہ ذات کا پہلا مرکز تھا۔ اس وقت عالم امر و خلق میں سوائے اس نور محمدی ﷺ کے کچھ بھی نہ تھا۔ سو میں نے مدتوں تک اسے اپنے حجاباتِ عظمت میں رکھا۔ اور براہ راست اپنے انوارِ ذات سے اس کی پرورش و تربیت فرمائی۔ پھر طویل زمانوں کے بعد (جن کا عرصہ اور مدت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) جب ارواحِ انبیاء کی تخلیق عمل میں آچکی تو اس نورِ محمدی ﷺ کو عالمِ ارواح میں منتقل کیا گیا۔ پھر اسے وہیں شرف نبوت سے بہرہ یاب فرما کر ارواحِ انبیاء کے لئے منبع فیض بنایا گیا۔ ارواحِ انبیاء کو اس نور کی معرفت کروائی گئی' ان سے اس کی نبوت کی تصدیق کروائی گئی اور اس کے توسط سے انہیں بھی نعمت نبوت سے شرفیاب فرمایا گیا۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں اس حقیقت کے کثرت سے اشارات ملتے ہیں۔

جب انبیاء کرامؑ کو عالمِ ارواح میں خلعتِ نبوت سے مشرف فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرائی اور ان پر ایمان لانے کا پختہ عہد لیا۔ یہ ان کی "تقریبِ حلفِ نبوت" تھی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا

اور (اے محبوب وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت سے سرفراز کروں۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تمہاری کتابوں

اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ○
(آل عمران ۳: ۸۱)

کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور بالضرور اس رسول پر ایمان لانا اور لازماً اس کی مدد کرنا۔ (مزید تاکید کے طور پر فرمایا) کیا تم سب (انبیاء) نے اقرار کیا اور کیا (میرا عہد قبول کر کے) یہ بھاری ذمہ داری تم نے اٹھالی ہے؟ سب انبیاء نے عرض کیا کہ ہم نے اقرار کرلیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم سب ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

۲۔ امام قسطلانیؒ نے آیت متذکرہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ان اللّٰہ لما خلق نور نبیّنا محمّد ﷺ امرہ ان ینظر الی انوار الانبیاء علیھم السلام فغشیھم من نورہ ما انطقھم اللّٰہ بہ فقالوا یا ربّنا من غشینا نورہ فقال اللّٰہ تعالٰی ھذا نور محمّد بن عبد اللّٰہ ان امنتم بہ جعلتکم انبیاء قالوا اٰمنا بہ وبنبوّتہ فقال اللّٰہ تعالٰی اشھد علیکم قالوا نعم فذالک قولہ تعالٰی واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیّین۔۔ وانا معکم من

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد ﷺ کا نور تخلیق فرمایا تو بعد میں (کسی وقت) اسے حکم دیا کہ انوارِ انبیاء (یعنی ارواحِ انبیاء) کی طرف متوجہ ہو۔ پس حضور ﷺ نے انبیاء کی ارواح کو (اپنے) نور سے ڈھانپ لیا انہوں نے عرض کیا۔ اے رب ہمیں کس کے نور نے ڈھانپ لیا ہے؟ اللہ نے فرمایا۔ یہ محمد بن عبداللہ کا نور ہے۔ اگر تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ تو تمہیں نبی بناؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے

الشَّاھدین○

(المواھب اللدنیہ ۱:۸)

(الزرقانی ۱:۴۰)

کہا۔ ہم اس پر اور اس کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں خود تمہارے نبوتِ محمدی پر ایمان لانے پر گواہ ہوجاتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ اس امر کی طرف قرآن حکیم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے اور جب اللہ نے انبیاء سے یہ وعدہ لیا (کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت عطا کروں پھر تمہاری طرف یہی آخر الزماں رسول آئے جو تمہاری تصدیق کرنے والا ہے تو تمہیں اس پر (پھر) ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی)۔۔ اور اب میں خود تمہارے ساتھ تمہارے اس اقرار پر گواہ ہوں۔

۳۔ امام عبد الرزاقؒ نے المصنّف میں اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

یارسول اللہ ﷺ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شیٔ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یاجابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ فجعل ذالک النّور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ

یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں

تعالیٰ ولم یکن فی ذالک الوقت لوح ولا قلم ولا جنۃ ولا نار ولا ملک ولا سماء ولا ارض ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا انس

معنی کہ نورِ الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ بہشت تھی اور نہ دوزخ تھا اور نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمان تھا اور نہ زمین تھی اور نہ سورج تھا اور نہ چاند تھا اور نہ جنّ تھا اور نہ انسان تھا۔

فلما اراد اللہ ان یخلق الخلق قسم ذالک النور اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاوّل القلم، من الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول حملۃ العرش ومن الثانی الکرسی ومن الثالث باقی الملائکۃ ثم قسم الجزء الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الاوّل السمٰوٰت ومن الثانی الأرضین ومن الثالث الجنۃ والنار

پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور یعنی نور محمدی کے چار حصے کئے۔ ایک حصے سے قلم پیدا کیا، دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش، پھر چوتھے کے چار حصے کئے، ایک سے حاملان عرش کو پیدا کیا، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے، پھر چوتھے کے چار حصے کئے ایک سے آسمان بنائے، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے جنت و دوزخ

(المواہب اللدنیہ، القسطلانی، ۱:۹)
(السیرۃ الحلبیہ للامام حلبی، ۱:۵۰)
(الزرقانی علی المواہب، ۱:۴۶)

(۱) امام عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری المتوفی ۲۱۱ھ نے معمر، ابن جریج، امام مالک، سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرھم سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق وغیرھما نے روایت کیا ہے۔

(۲) امام زرقانی شرح المواہب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نورِ محمدی ﷺ کے نور

الٰہی سے خلق ہونے کا معنی یہ نہیں کہ خود نورِ الٰہی اس نور کا مادۂ تخلیق تھا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے نورِ محمدی ﷺ کو بلاواسطہ اپنے تعلق ارادہ سے اپنے نور زات کے براہِ راست فیض کے ساتھ خلق فرمایا اور "مِنْ نُوْرِہٖ" میں اضافت تشریفیہ ہے۔ جیسے سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا "اِذَا نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ" (جب میں آدم میں اپنی روح پھونک لوں۔۔ تو تم سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا)

(۳) امام زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ نورِ محمدی ﷺ سے پہلے قلم' لوح' عرش اور حاملانِ عرش کے بعد باقی ملائکہ کی تخلیق کے بیان سے صحیح مسلم کی اس حدیث کی وضاحت ہو جاتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے "خلقت الملائکۃ من نور" (ملائکہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں) اسی طرح ابو الشیخ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے "خلقت الملائکۃ من نور العزۃ" (ملائکہ نورِ عزت سے پیدا کئے گئے ہیں) نور عزت کی اضافت بھی اسی طرح تشریفی ہے جیسے ابتدا میں نور محمدی ﷺ کے لئے "من نورہ" کے الفاظ میں نور الٰہی سے تخلیق ہونے کا تشریفاً ذکر آیا ہے۔

درحقیقت یہ ساری تقسیم اسی ایک ہی نور کا پرتو اور فیضان ہے۔ جس کا نام نورِ محمدی ﷺ ہے اور وہی کائنات کی مخلوقِ اولین ہے۔ اسی طرح حاملانِ عرش کا بھی نورِ محمدی ﷺ سے تخلیق ہونا بیان ہوا ہے۔ ابو یعلی' ابن مردویہ' ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت عباسؓ سے اور ابن المنذر نے حسان بن عطیہ اور ہارون بن ریاب سے روایت کیا ہے کہ یہ حاملانِ عرش آٹھ ہیں۔ ابن جریر' ابن زید سے روایت کرتے ہیں کہ اس وقت عرش کو ان میں سے چار ملائکہ نے اٹھا رکھا ہے اور قیامت کے دن ان حاملین کی تعداد آٹھ پوری ہو جائے گی۔

نورِ محمدی ﷺ کے کائنات میں سب سے پہلے تخلیق کئے جانے اور آپ کو تخلیقِ آدم سے بھی پہلے شرفِ نبوت سے بہرہ یاب کئے جانے کے مضامین بہت سی احادیث میں آئے ہیں جنہیں مختلف الفاظ میں امام بخاری نے اپنی تاریخ میں' امام مسلم نے صحیح میں امام احمد بن حنبل نے مسند میں امام حاکم نے مستدرک میں' امام ترمذی نے سنن میں' امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں' امام بغوی نے شرح السنہ میں' خطیب تبریزی نے مشکوٰۃ المصابیح میں اور

امام دیار بکری نے **تاریخ الخمیس** وغیرہ میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو نعیم' بزار' طبرانی' ابن حبان' ابو حیان' ابن سعد' ابن عساکر' خوانطی' خطیب بغدادی' حافظ ابو بکر' امام زرکشی' امام عسقلانی' امام قسطلانی' امام زرقانی' امام سیوطی اور امام ابن جوزی وغیرھم نے بھی ایسی بہت سی احادیث کی تخریج کی ہے اور ان پر اعتماد کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام محمد الفاسی نے مطالع المسرات میں' قاضی عیاض المالکی نے الشفاء میں' امام ابن حجر مکی نے **الفتاوی الحدیثیہ** میں' ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح اور شرح الشفاء میں' امام عبد الغنی نابلسی نے الحدیقۃ الندیہ میں' شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تفہیمات الٰہیہ میں ان احادیث کو نقل کر کے ان سے استناد کیا ہے۔

امام شعرانی' امام آلوسی' امام نبہانی' حتیٰ کہ مولانا اشرف علی تھانوی اور بہت سے دیگر متاخرین نے بھی ان احادیث و روایات کو اپنی کتب میں نہ صرف نقل کر کے ان کی توثیق و تائید کی ہے بلکہ مستقل ابواب قائم کر کے انہیں ثابت کیا ہے۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ کے نور مبارک کی کائنات ہست و بود میں اولیں تخلیق اس کے عالم ارواح میں ملکوتی قیام اور عالم اجساد میں ناسوتی سفر کا ذکر' ائمہ حدیث' اہل سیر و اصحاب فضائل اور علماء محققین کے ہاں آج تک تواتراً ہوتا چلا آ رہا ہے اور اسی پر متقدمین و متاخرین کا اعتقاد و اعتماد رہا ہے۔

(۴) حضرت عرباض بن ساریہؓ سے مروی ہے۔

سمعت النبی ﷺ یقول انی عند اللہ لخاتم النبیین وان ادم لمنجدل فی طینتہ

(مسند احمد بن حنبل' ۴ : ۱۲۷-۱۲۸)

(دلائل النبوۃ للبیہقی' ۱ : ۸۷)

(مستدرک الحاکم' ۲: ۶۰۰)

میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور (اس وقت) سے خاتم النبیین قرار پاچکا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی خاکی تشکیل کے مرحلے میں تھے۔

امام حاکم اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

هذا حديث صحيح الاسناد	اس حدیث کی تمام اسناد صحیح ہیں۔

(المستدرک)

امام بغویؒ نے شرح السنۃ میں اور خطیب تبریزی نے مشکوۃ المصابیح میں "باب فضائل سید المرسلین ﷺ" میں بھی روایت کیا ہے۔

(۵) جامع ترمذی میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' جسے صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے باب "فضائل سید المرسلینؐ" میں روایت کیا ہے۔

قال قالوا یارسول اللہ متٰی وجبت لکَ النّبوۃ قال و اٰدم بین الروح والجسد	فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے حضور ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ فرمایئے آپ کے لئے نبوت کب واجب اور ثابت کر دی گئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس وقت جبکہ ابھی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یعنی ان کی تخلیق بھی عمل میں نہیں آئی تھی۔
جامع الترمذی: ۳۳۷۷ (مستدرک الحاکم' ۲: ۶۰۹) (مشکوۃ المصابیح' ۵۱۳)	

حدیث مذکورہ کا معنی یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ تخلیق آدم سے پہلے نبوتِ محمدی کا ثبوت محض علم الٰہی میں تھا' عالم خارج میں نہ تھا۔ کیونکہ اس معنی سے تو آنحضرت ﷺ کی کوئی امتیازی فضیلت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ علم الٰہی میں تو تمام انبیاء کی نبوتیں تھیں' اس میں حضور ﷺ کا کون سا امتیاز تھا۔ حالانکہ یہاں تو حضور ﷺ کی نبوت کی امتیازی خصوصیت بیان ہو رہی ہے۔ مزید یہ کہ "علم الٰہی میں آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا کب سے تھا" یہ سوال تو سائلین کے ذہن میں بھی نہ تھا۔ کیونکہ اس امر کے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کائنات کی ہر چیز تخلیقِ کائنات سے پہلے علم الٰہی میں تھی۔ صحابہ کرام کا سوال تو یہ ہے کہ "متٰی وجبت لکَ النبوّۃ" (آپ کے لئے نبوت کس وقت ثابت اور واجب ہوئی) ثبوت وجود کو مستلزم ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے

کہ خلقتِ محمدی ﷺ تو ساری کائنات سے پہلے ہو چکی تھی لیکن شرف نبوت سے حضور کو کس وقت ہمکنار کیا گیا۔ جس کا جواب حضور ﷺ یہ دے رہے ہیں کہ میں اس وقت سے نبی ہوں جب آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی عمل میں نہ آئی تھی۔

ہمارے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت علامہ انور شاہ کشمیری کی بیان کردہ اس حدیث کی شرح سے ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

ای کان النبیّ ﷺ نبیا وجرت علیہ احکام النبوۃ من ذالک الحین بخلاف الانبیاء السّابقین فان الاحکام جرت علیھم بعد البعثۃ

(العرف الشذی علی جامع الترمذی، ۲: ۲۰۲)

یعنی نبی ﷺ اس وقت بھی نبی تھے اور آپ پر احکام نبوت جاری ہو چکے تھے بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان پر احکام نبوت کا اجرا بعثت کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی نبوت مع احکام تخلیق آدم سے بھی پہلے واقع ہوئی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:۔

سألتہٗ ﷺ سوالا روحانیا عن معنی قولہ کنت نبیا وادم منجدل بین الماء والطّین، لفاض علی روحی من روحہ الکریمۃ الصورۃ المثالیۃ التی کانت قبل ان یوجد فی عالم الأجسام وانّ فیضانھا فی الحضرۃ المثالیۃ کان عند کون ادم منجدل بین الماء والطین وانّ لہ ﷺ ظھوراً تامّاً فی تلک الحضرۃ وھو المعبّر عنہ بالنبوّۃ فی ھذا الحدیث

(تفہیمات الٰہیہ، ۲: ۳۰۰)

میں نے حضور ﷺ سے ان کے ارشاد کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے خمیر میں تھے کے بارے میں روحانی طور پر سوال کیا تو حضور ﷺ کی روح طیبہ میری روح پر اس صورت مثالی کے ساتھ جلوہ گر ہوئی جس میں وہ عالم اجسام میں آنے سے پہلے موجود تھی اور اس کا فیضان عالم مثال میں تخلیق آدم سے بھی پہلے جاری تھا۔ حضور ﷺ کو اس عالم میں بھی ظہور تام حاصل تھا۔ جس کو اس حدیث میں

نبوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ کشمیری نے اس سلسلے میں حضرت جامیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

انّہ علیہ السلام کان نبیا قبل النشأۃ العنصریۃ۔
حضور ﷺ وجود عنصری پانے سے بھی پہلے نبی تھے۔

(العرف الشذی علی جامع الترمذی ۲:۲۰۲)

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد صحابہ کے اس سوال کے جواب میں تھا۔ (متی وجبت) کہ آپ کو نبوت کب حاصل ہوئی۔ لہٰذا حضور کے جواب کا معنی بھی یہی ہوگا کہ مجھے نبوت اس وقت سے حاصل ہے جب کہ آدم علیہ السلام ابھی اس حالت میں تھے۔ (مرقاۃ المفاتیح۔۔۔از ملا علی قاریؒ)

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ حدیث مذکورہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "اس سے نبوت میں حضور ﷺ کا حضرت آدم علیہ السلام پر تقدم اور سبقت ثابت ہوتی ہے۔" **(لمعات التنقیح)**

امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں "یہ حدیث تخلیقِ آدم علیہ السلام سے قبل خارج میں نبوت محمدی ﷺ کے ثبوت اور ظہور کی دلیل ہے" (المواہب اللدنیہ)

اس امر کی مزید وضاحت خود ایک حدیث صحیح سے بھی ہو جاتی ہے۔ جس میں آپ نے اپنے "وصفِ ختمِ نبوت" کے بارے میں بیان فرمایا کہ وہ تخلیق آدم سے پہلے عند اللہ لکھا جا چکا تھا۔ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

انّہ قال انّی عند اللّٰہ مکتوب خاتم النبیّین و انّ اٰدم لمنجدل فی طینتہ وساُخبرکم باوّل امری دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ و رویا امی الّتی راَت حین وضعتنی قد خرج لھا نور اضاء لھا منہ قصور

حضور ؐ نے فرمایا۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت سے خاتم النبیّین لکھا جا چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی خمیر سے پہلے مٹی میں تھے اور میں تمہیں بتاؤں کہ میری نبوت کے بارے میں پہلی خبر ابراہیم علیہ السلام

الشّام

(مسند احمد، بیہقی، حاکم، ابن عساکر، صحیح ابن حبان اور شرح السنۃ وغیرہ)

کی دعا تھی اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت تھی اور اس کے علاوہ میری والدہ کا وہ خواب تھا جو انہوں نے میری ولادت سے پہلے دیکھا تھا اور انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا جس کے سبب شام کے محلات روشن ہوگئے

امام احمد بن حنبل ؒ نے یہ حدیث "سأخبرکم" تک روایت کی ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ مطلق شرفِ نبوت اور وصفِ ختمِ نبوت میں فرق ہے۔ وصفِ ختمِ نبوت کے ثبوت کے لئے تمام انبیاء و مرسلین کے بعد مبعوث ہونا شرط تھا۔ اس لئے اس وصف کے ذکر میں "انی عنداللّٰہ مکتوب خاتم النبیّین" (کہ میں اللہ کے ہاں خاتم النبیین لکھا جاچکا تھا) کے الفاظ بیان فرمائے۔ لیکن مطلقاً شرفِ نبوت کے لئے بعدیت اور آخریت یعنی سب کے بعد اور آخر میں آنے کی شرط نہ تھی۔ اس لئے اس شرف کا فی الواقع ثابت ہونا بیان فرمایا گیا۔ اگر یہ فرق نہ ہوتا تو پہلی حدیث میں بھی صحابہ کے سوال کے جواب میں یہ کہا جا سکتا تھا۔۔۔ کہ میں خدا کے ہاں نبی لکھا جاچکا تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ثبوتِ نبوت کے لئے فرمایا کہ میرے لئے نبوت واجب اور ثابت ہوچکی تھی اور ختم نبوت کے لئے فرمایا کہ میں خاتم النبیّین لکھا جاچکا تھا۔ ان دونوں ارشادات میں اندازِ بیان اور اسلوب کا فرق اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہا ہے کہ نبوتِ محمدی ﷺ کو وجود کے اعتبار سے اولیت حاصل ہے اور محدثین کرام کی تصریحات بھی اسی مفہوم کی مؤید ہیں۔

۶۔ مذکورہ بالا مفہوم حضرت میسرہ الفجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ صحیح سے بھی ثابت ہے روایت کرتے ہیں:۔

قلت یارسول اللّٰہ ﷺ متی

میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ،

کنت نبیّا قال ﷺ وادم بین الروح والجسد
(مسند احمد بن حنبل، ۵:۵۹،
مستدرک الحاکم، ۲:۶۰۸-۶۰۹) التاریخ الکبیر للبخاری، ۷:۳۷۴

کب سے نبی ہیں آپ نے فرمایا میں اس وقت سے نبی ہوں جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مرحلے میں تھے۔

اسے طبرانی بیہقی اور ابونعیم نے بھی روایت کیا ہے۔
۷۔ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح بیان کیا ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کی اسناد کو قوی اور صحیح تسلیم کرتے ہیں۔
عامر الشعبیؒ روایت کرتے ہیں:

قال رجل یا رسول الله ﷺ متیٰ استنبت قال وادم بین الروح والجسدحین اخذ منی المیثاق
(رواہ ابن السعد، المواہب للقسطلانی، المعتمد الاول الخصائص للسیوطی، ۱:۴)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو کب نبی بنایا گیا تھا؟ حضور ﷺ نے فرمایا آدم علیہ السلام اس وقت روح اور جسم کے درمیان تھے۔ جبکہ مجھ سے نبوت کا میثاق لیا گیا۔

اس حدیث کے بعد تامل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ حدیث کی شرح خود حدیث نے کردی ہے۔ اس میں سوال کے الفاظ بھی بڑے واضح ہیں کہ "آپ کو منصب نبوت پر کب فائز کیا گیا" اور جواب بھی بڑا واضح ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ میثاق نبوت اس میثاق انبیاء سے بالکل مختلف تھا۔ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔
۸۔ بزار، طبرانی اور ابونعیم نے بھی بطریق شعبی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

قال، قیل یا رسول اللّٰہ متی کنت نبیّا؟ قال وادم بین الروح والجسد
(الخصائص الکبریٰ، ۱:۴)

انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کب سے نبی ہیں۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا اس وقت سے جب کہ آدم

ابھی جسم و روح کے مرحلہ میں زیر تکمیل تھے۔

ابن سعد نے یہی الفاظ حضرت ابن ابی الجدعاء رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کئے ہیں۔

۹۔ ابو نعیم نے بطریق صنابحی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرسلاً یہ الفاظ حدیث روایت کئے ہیں۔

متٰی جعلت نبیا؟ قال و آدم منجدل فی الطین

(الخصائص الکبری '۱: ۴)

یارسول اللہ آپ کو نبی کب بنایا گیا' آپ نے فرمایا اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی خاکی خمیر کی حالت میں تھے۔

۱۰۔ ایک اور حدیث صحیح اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ اس مسئلے کو بیان کرتی ہے جسے امام احمد بن حنبل" مسند میں 'امام بخاری" تاریخ میں 'امام حاکم" صحیح مستدرک میں 'امام ابو نعیم" دلائل میں 'ابن ابی حاتم تفسیر میں اور قاضی عیاض" الشفاء میں تخریج کرتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

کنت اوّل النّبیّین فی الخلق واٰخرھم فی البعث

(دلائل النبوۃ: ۱۲)

میں خلقت کے اعتبار سے تمام انبیاء سے پہلا نبی ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری نبی ہوں۔

۱۱۔ امام علی بن برہان الدین الحلبی " روایت کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ ﷺ سأل جبریل علیہ السلام فقال یا جبریل کم عمرت من السنین؟ فقال یا رسول اللّٰہ لست اعلم غیر ان فی الحجاب الرابع نجما یطلع فی کل سبعین الف سنۃ مرۃ رأیتہ اثنین وسبعین الف مرۃ فقال: یا جبریل وعزۃ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبریل امین سے دریافت فرمایا: جبرئیل بتاؤ تمہاری عمر کتنی ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کیا آقا عمر کا تو مجھے صحیح اندازہ نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ (ساری کائنات کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حجاباتِ عظمت

ربی جل جلالہ انا ذالک الکوکب

(السیرۃ الحلبیہ' ۱:۳۰)

میں سے) چوتھے پردۂ عظمت میں ایک (نورانی) ستارہ چمکا کرتا تھا اور وہ ستارہ ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا تھا۔ آقا میں نے اپنی زندگی میں وہ نورانی ستارہ بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ حضور ﷺ (تبسم کناں ہوئے اور) فرمانے لگے اے جبرئیل مجھے اپنے رب ذوالجلال کی عزت کی قسم وہ (چمکنے والا ستارہ) میں ہی ہوں۔

۱۲۔ امام ابن القطان اور امام حلبیؒ روایت کرتے ہیں جسے حضرت امام زین العابدینؓ نے اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

انّ النّبی ﷺ قال کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق ادم علیہ الصلوٰۃ والسلام باربعۃ عشر ألف عام

(احکام ابن القطان' ۱:۱۰)

السیرۃ الحلبیہ' ۱:۳۰'

نشر الطیب:۱۷)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں حضرت آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کی بارگاہ میں نور کی صورت میں موجود تھا۔

یہاں ایک سوال ذہنوں میں ابھر سکتا ہے کہ پچھلی روایت میں مذکور ہے کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے نور محمدی ﷺ کو ۷۲ ہزار مرتبہ چمکتے ہوئے ستارے کی صورت میں دیکھا ہے اور ہر دو مرتبہ کی زیارت کے دوران ۷۰ ہزار سال کا زمانہ بیان ہوا ہے۔ اس طرح تخلیق آدم علیہ السلام سے بہت مدت پہلے نور محمدی ﷺ کا ظہور معلوم ہو رہا ہے۔ جبکہ دوسری روایت کے مطابق (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے)

تخلیق آدم علیہ السلام سے صرف ۱۴ ہزار سال قبل کا ذکر آیا ہے۔ ظاہراً دونوں میں اختلاف ہے۔ ہم اس کا جواب مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس عدد (۱۴ ہزار سال) میں کم کی نفی ہے' زیادتی کی نہیں۔ پس اگر زیادتی کی روایت پر نظر پڑے تو شبہ نہ کیا جائے' رہ گئی یہ بات کہ مدت کی تخصیص کیوں کی گئی تو ممکن ہے اس مجلس میں (جس میں حضور ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی) کوئی تذکرہ ہی ایسا ہو رہا ہو' یعنی کسی حوالہ سے چودہ ہزار سال کی مدت کا ذکر یا سوال ہوا ہو اور حضور ﷺ نے اسی ضمن میں ارشاد فرما دیا ہو۔ (نشر الطیب:۱۷)

گویا یہ مدت کسی خاص پس منظر میں بیان ہوئی ہوگی اور سیدنا جبرئیل امین علیہ السلام کی بیان کردہ مدت ان کی اپنی عمر کے تناظر میں بیان ہوئی ہوگی مگر دونوں مدتوں سے حقیقت میں نور محمدی ﷺ کا اصل زمانۂ تخلیق یا صحیح عرصۂ حیات معلوم نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس نے نور محمدی ﷺ کو کب اور کتنا عرصہ قبل تخلیق فرمایا۔ البتہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ والی روایت سے (جسے امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے) زمانہ تخلیق کا اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ جب نور محمدی ﷺ کو خلق کیا گیا تو اس وقت کائناتِ پست و بالا اور عالم ہائے مکان ولامکان میں سے کچھ بھی نہ تھا بلکہ جملہ نوری و مادی مخلوقات کا سلسلہ تخلیق بھی خلق نور محمدی ﷺ سے شروع ہوا گویا نظام "کُنْ فَیَکُوْن" کا نقشِ اول نورِ محمدی ﷺ سے ہے اور پھر اسی سے سلسلہ ایجاد و تخلیق کی افزائش ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنی تخلیق کے بعد جنت اور عرش الٰہی کی زیارت کے لئے نگاہ اٹھائی تو ہر دو جگہ "نام محمد ﷺ" کو پہلے سے لکھا ہوا پایا۔

۱۳۔ عن میسرۃ قال: قلت یا رسول اللّٰہ متی کنت نبیا؟ قال: لما خلق اللّٰہ تعالی الأرض واستوی الی السّماء فسواھنّ سبع سمٰوات

حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے بارگاہ نبوت ﷺ میں عرض کیا کہ حضور! آپ کب سے شرف نبوت کے ساتھ مشرف ہو چکے تھے؟

وخلق العرش، کتب علی ساق العرش: محمّد رسول اللّٰہ خاتم الأنبیاء، وخلق اللّٰہ تعالیٰ الجنّۃ التی أسکنہا اٰدم وحوا، فکتب اسمی علی الأبواب، والأوراق، والقباب، والخیام، واٰدم بین الروح والجسد، فلما أحیاہ اللّٰہ تعالیٰ نظر الی العرش فرأی اسمی، فأخبرہ اللّٰہ تعالی انہ سیّد ولدک، فلما غرھما الشیطان تابا واستشفعا باسمی الیہ

(الوفاء باحوال المصطفیٰ، ۱: ۳۳)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمانوں کی طرف قصد فرمایا اور ان کو سات طبقات کی صورت میں تخلیق فرمایا اور عرش کو ان سے پہلے بنایا تو عرش کے پائے پر محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء لکھا اور جنت کو پیدا فرمایا جس میں بعد ازاں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ٹھہرایا تو میرا نام نامی جنت کے دروازوں پر اس کے درختوں کے پتوں اور اہل جنت کے خیموں پر لکھا حالانکہ ابھی آدم علیہ السلام کے روح و جسم کا باہمی تعلق نہیں ہوا تھا پس جب ان کی روح کو جسم میں داخل فرمایا اور زندگی عطا فرمائی تب انہوں نے عرش معظم کی طرف نگاہ اٹھائی تو میرے نام کو عرش پر لکھا ہوا دیکھا اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ یہ تمہاری اولاد کے سردار ہیں۔ جب ان کو شیطان نے دھوکہ دیا انہوں نے بارگاہ الٰہی میں توبہ کی اور میرے نام سے ہی شفاعت طلب کی۔

۱۴۔ ویروی' انہ لما خلق اللّٰہ تعالیٰ ادم ألهمه ان قال یا ربّ لم کنیتنی ابا محمّد قال اللّٰہ تعالیٰ یا ادم أرفع رأسک فرفع رأسہ فرای نور محمّد ﷺ فی سرادق العرش فقال یا ربّ ما ھذا النور قال ھٰذا نور نبی من ذرّیتک اسمه فی السماء احمد وفی الأرض محمّد لولاہ ما خلقتک ولا خلقت سماء ولا أرضا

(المواھب اللدنیہ ۱:۹)

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو آپ کو نام کے ساتھ ابو محمد کی کنیت سے بلایا۔ آپ نے عرض کیا باری تعالیٰ میری یہ کنیت کیسے ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا سر اٹھاؤ۔ آپ نے اوپر دیکھا تو عرش پر نور محمدی ﷺ جلوہ گر تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا باری تعالیٰ یہ نور کس کا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد ﷺ کا نور ہے۔ یہ تیری اولاد میں سے ہوں گے ان کا نام آسمانوں میں احمد ﷺ ہے اور زمین پر محمد ﷺ ہے اگر میں اسے پیدا نہ کرتا تو نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔

۱۵۔ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: لما اصاب ادم الخطیئة رفع رأسه فقال: رب بحق محمّد الا غفرت الیه۔ فاوحٰی اللّٰہ تعالیٰ الیه: وما محمّد ومن محمّد؟ فقال: رب' أنک لما اتممت خلقی رفعت رأسی الی عرشک' فاذا علیه مکتوب لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے بارگاہ باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ حضرت محمد ﷺ درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرمادیجئے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد

فعلمت انہ أکرم خلقک علیک اذ آزنت أسمہ مع أسمک قال: نعم قد غفرت لک، وھو آخر الانبیاء من ذریتک، ولولاہ ما خلقتک

(الوفاء باحوال المصطفٰی، ا: ۳۳)

ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ ابھی میں نے ان کو (دنیا میں) پیدا بھی نہیں کیا؟ عرض کیا اے رب! میں نے اس طرح پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی طرف سے روح میرے اندر پھونکی میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے نام پاک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہے جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہوگا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا! اے آدم تم سچے ہو۔ واقعی محمد ﷺ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔

۱۶۔ عن کعب الأحبار قال: لما أراد اللہ تعالی ان یخلق محمد ﷺ أمر جبرئیل علیہ السلام ان یأتیہ فأتاہ بالقبضۃ البیضاء التی ھی

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ کے پیکر بشری کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو حکم

موضع قبر رسول اللہ ﷺ فعجنت بماء التسنیم ثم غمست فی أنہار الجنۃ وطیف بہا فی السمٰوات والأرض فعرفت الملائکۃ محمدا وفضلہ قبل ان تعرف آدم ثم کان نور محمد ﷺ یری فی غرۃ جبھۃ آدم۔ وقیل لہ: یاآدم ھذا سید ولدک من الأنبیاء والمرسلین فلما حملت حواء بشیث انتقل عن آدم الی حواء وکانت تلد فی کل بطن ولدین إلا شیثا فإنھا ولدتہ وحدہ کرامۃ لمحمد ﷺ ثم لم یزل ینتقل من طاھر الی طاھر الی ان ولد ﷺ ولما توفی آدم کان شیث علیہ الصلوۃ والسلام وصیا علی ولدہ ثم أوصی شیث ولدہ بوصیۃ آدم ان لایضع ھذا النور الا فی المطھرات من النساء ولم تزل ھذہ الوصیۃ جاریۃ تنقل من قرن الی قرن الی ان اذی اللہ النور الی عبد المطلب وولدہ عبداللہ (المواھب اللدنیہ ۱: ۱۲) الوفاء باحوال المصطفیٰ ۱: ۳۴-۳۵

دیا کہ ایسی مٹی میرے پاس لے آؤ جو میرے محبوب پاک کے جسم اقدس اور جسد اطہر کی تخلیق کے لائق ہو تو وہ سفید مٹی کی ایک مٹھی روضہ اطہر والی جگہ سے لے کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوئے تو امر خداوندی سے اس کو تسنیم کے پانی سے گوندھا گیا۔ جنت کی لہروں میں سے دھویا گیا پھر نور نبوت اس میں رکھ کر) اس کو عرش وکرسی، لوح و قلم اور آسمانوں اور زمینوں میں ہر جگہ پھرایا گیا تاکہ ہر شے حضور ﷺ کے شرف و کمال کو پہچان لے۔ آپ ہی سے مروی ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد نورِ محمدی ﷺ کو ان کی پشت میں ودیعت کیا گیا جو کہ آدم علیہ السلام کی پیشانی سے جھلکنے والے انوار سے محسوس ہوتا تھا اور ان سے کہا گیا اے آدم یہ تیری نسل میں پیدا ہونے والے انبیاء و مرسلین کے سردار ہیں۔ جب حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر میں حضرت شیث علیہ السلام منتقل ہوئے تو وہ نور بھی حضرت حوا کے بطن اقدس کی طرف منتقل ہو گیا وہ ہر

دفعہ دو جڑواں بچوں کو جنم دیتی تھیں
ماسوائے حضرت شیث علیہ السلام کے
کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے جد
امجد ہونے کی برکت سے تنہا پیدا
ہوئے اور سب بھائیوں سے مرتبہ
وکمال کے لحاظ سے یکتا بنے پھر نبی
الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور انور
یکے بعد دیگرے پاک پشتوں اور پاک
رحموں میں منتقل ہوتا رہا تاآنکہ آپ
کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور ایک
روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ
السلام نے حضرت شیث علیہ السلام کو
وصیت فرمائی کہ تمہاری پشت میں
حضرت محمد ﷺ کا نور مبارک ہے
اسے پاکیزہ رحم میں منتقل کرنا سوائے
پاک عورتوں کے کسی کا رحم اس نور کا
مسکن اور ٹھکانہ نہیں بن سکے گا۔ سو
یہ وصیت نسلاً بعد نسل حضور ﷺ
کے نسب مبارک کا ہر فرد اپنے بیٹے کو
کرتا رہا تاآنکہ یہ نور تمام زمانوں میں
پاکیزہ پشتوں اور پاکیزہ رحموں سے
منتقل ہوتا ہوا حضرت عبدالمطلب کے
بیٹے حضرت عبد اللہ کی پشت مبارک
تک، آن پہنچا۔

وقال العبّاس: یا رسول اللہ انی أرید ان أمتدحک۔ فقال لہ: قل لا یفضض اللّٰہ فاکَ، فأنشا یقول:

من قبلها طِبت فی الظلال وفی — مستودع حیث یخصف الورقُ

ثم هبطت البلاد لا بشر انت — ولا مضغة ولا علقُ

بل نطفة ترکب السفن وقد — ألجم نسرا وأهله الغرق

وردتَ نار الخلیل مکتتما — تجول فیها ولست تحترقُ

تُنقل من صلب الی رحم — اذا مضی عالم بدا طِبق

حتی احتوی بیتک المهیمن من — خندف علیاء تحتها النُطقُ

وانت لما وردت اشرقت الارض — وضائت بنورک الأفق

فنحن فی ذاک الضیاء وفی النور — وسبل الرشاد نخترق

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ۱:۳۵)

حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کی شان اقدس میں درج ذیل نعتیہ اشعار کہے ہیں۔

جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام اپنے اپنے جسموں کو (جنت میں) پتوں سے ڈھانپ رہے تھے۔ اس وقت سے بہت پہلے آپ ﷺ مسرت وشادمانی کے ساتھ ذکر الٰہی میں مصروف تھے۔

(ان کے جنت سے زمین پر اتارے جانے کے بعد) آپ بھی ان کے ہمراہ زمین پر تشریف لے آئے جب کہ آپ ﷺ نہ تو قبل ازیں بشری صورت میں تھے اور نہ ہی گوشت اور علق کی حالت میں۔

(بشریت کے) ظہور کے بعد آپ احسن صورت میں محفوظ مقامات کے اندر ایک سوار کی طرح جلوہ فرما رہے۔ گھوڑے کو لگام لگا کر تیار رکھا ہوا تھا جس کی اگلی منزل پر پہنچتے اور پچھلی روپوش ہو جاتی۔

آپ ﷺ کا ہر مسکن (ہر قسم کی آلودگی اور خطرات سے) محفوظ تھا۔ جیسے خندقوں اور بلند

چٹانوں سے گھرا ہوا ہو۔ لیکن آپ ان مقامات میں بھی اس کائنات کی زبان بن کر رہے۔
آپ ﷺ مقدس اصلاب سے پاکیزہ ارحام کی جانب منتقل ہوتے رہے۔
جب ایک دور گزرتا تو دوسرا شروع ہو جاتا۔
جب آپؐ (سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی گود میں) بزم آرائے جہاں ہوئے تو تشریف آوری کے باعث زمین پُر نور ہو گئی اور فضائیں جگمگا اٹھیں۔
ہم آپ کی ضیاپاشی اور نورانیت کے صدقے ہی تو راہ ہدایت پر گامزن ہیں۔

خلاصہ کلام

حضرت عباسؓ نے نور محمدی ﷺ کے عالم ملکوت سے عالم ناسوت تک کے سفر کی اجمالی تاریخ بڑے پیارے انداز میں بیان کردی ہے۔ مذکورہ بالا احادیث اور روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ نور محمدی ﷺ جسے کائنات کے وجودِ اوّل کے طور پر باری تعالیٰ نے ہر شے سے قبل تخلیق فرمایا اور اسے غیر معلوم عرصہ تک اپنے حضور میں رکھ کر انوارِ ذات سے فیض یاب فرمایا۔ پھر اس نورِ مقدّس سے عالم ارواح میں ارواح انبیاء فیض یاب ہوتی رہیں۔ جب سلسلۂ بشریت کا آغاز ہوا تو اس نورِ محمدی ﷺ کو سیّدنا آدم علیہ السلام کی پشتِ مبارک میں بطورِ امانت رکھ دیا گیا۔ یہاں سے اس عظیم نور کو عالمِ ملکوت سے عالمِ بشریت میں منتقل کردیا گیا اور اس کا ناسوتی سفر شروع ہوا جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی مبارک گود پر آکر اختتام پذیر ہوا۔

باب۔ ۲

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

مخدومۂ کائنات حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس نور نبوت کی امین قرار پانے کے بعد عرصۂ دراز تک مجھے احساس تک نہ ہوا کہ میرے جسم میں ایک نیا وجود پرورش پا رہا ہے اور میں کچھ عرصہ بعد ماں بننے والی ہوں۔ خواتین جن تغیرات سے دوچار ہوتی ہیں' میں ان سے بالکل محفوظ رہی۔

لقد علقت به فما وجدت له مشقة حتى وضعته

(طبقات ابن سعد' ۱:۹۸)

میں بار دار ہو گئی تھی لیکن اول سے آخر تک میں نے کوئی دقت اور مشقت محسوس نہ کی۔

بلکہ لطافت و سہولت کا یہ عالم تھا کہ اس عظیم امانت کا علم ہی نورانی بشارات کے ذریعے ہوا' پہلے اس کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق سے مروی ہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

أتاني آتٍ وانا بين النائم واليقظان هل شعرت أنكِ قد حملت بسيد هذه الأمة و نبيها

(طبقات ابن سعد' ۱:۹۸)

سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت تھی کہ کوئی آنے والا آیا (فرشتہ) اس نے کہا! کیا آپ کو علم ہے کہ آپ اس امت کے سردار اور اس کے نبی کی والدہ بننے والی ہیں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو جس روز سے نور محمدی عطا ہوا اسی روز سے بشارات و ہدایات کا تانتا بندھ گیا۔ ان کو قدم قدم پر رہنمائی ملنے لگی تاکہ آگاہ ہو جائیں کہ آنے والا وجود مسعود کسی معمولی ہستی کا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان کا اسم گرامی تک بتا دیا گیا اور یہ بھی کہ زمین و آسمان کی کائنات میں ان کا کیا مقام ہے' فرماتی ہیں!

أتاني فقال قولي اذا ولدتيه أعيذه

بالواحد من شرّ کل حاسد ثم سمّیہ محمدا فان اسمہ فی التوراۃ و الأنجیل أحمد یحمدہ أھل السماء و أھل الأرض و فی القران محمد و القران کتابہ

(سیرت حلبیہ ۱:۶۲)

میرے پاس آنے والا آیا (فرشتہ) اس نے ہدایت کی! جب اس کی ولادت ہو جائے تو یہ دعا پڑھنا! میں ہر حاسد و بد خواہ کے شر سے اسے اللہ وحدہ لاشریک کی پناہ و حفاظت میں دیتی ہوں۔ پھر اس کا نام "محمد" رکھنا کیونکہ ان کا نام تورات و انجیل میں احمد ہے' زمین والے اور آسمان والے سب ان کی تعریف کریں گے۔ قرآن میں ان کا نام محمد ہے اور قرآن ان کی کتاب ہے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند

یہ ایک منفرد نورانی ولادت تھی جس میں عجیب واقعات اور انوار و تجلیات کے ساتھ حسین و جمیل بہشتی خواتین کا بھی ظہور ہوا جنہیں "حور عین" کہتے ہیں ان کے ہمراہ حضرت آسیہؓ اور حضرت مریمؑ بھی تشریف لائیں اور جشن ولادت میں شرکت کے ساتھ اپنی موجودگی سے حضرت آمنہ کو دلاسا دیا اور باور کرایا کہ وہ ایک بہت ہی عظیم و بے مثال ہستی کی ماں بننے کا شرف حاصل کرنے والی ہیں۔

حضرت آمنہ کا اپنا بیان ہے۔

رأیت نسوۃ کالنخل طوالاً کانھنّ من بنات عبد مناف یحدقن بی ما رأیت أضوأ منھن وجوھا و کان واحدۃ من النّساء تقدمت الیّ فاستندت الیھا وکان واحدۃ

میں نے کھجور کی طرح لمبی خواتین کو دیکھا جیسے قبیلہ عبد مناف کی عورتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا میں نے ان سے زیادہ روشن چہرے والی خوبصورت

تقدمت الی و ناولتنی شربۃ من الماء اشد بیاضا من اللبن وابرد من الثلج وأحلی من الشھد فقالت لی أشربی فشربت ثم قالت الثانیۃ ازدادی فأزددت

(زرقانی علی المواھب' ۱: ۱۱۲)
(الانوار المحمدیہ' النبہانی: ۳۴)
(السیرۃ النبویہ' دحلان)

عورتیں نہیں دیکھیں ان میں سے ایک آگے بڑھی میں نے اس کے ساتھ ٹیک لگا دی۔ پھر دوسری آگے بڑھی اس نے پینے کے لئے ایک پاکیزہ مشروب پیش کیا جو دودھ سے زیادہ سفید' برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا بڑے پیار سے بولی' پی لو' میں نے پی لیا۔ دوسری بولی اور پیو! میں نے اور پیا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میرے استفسار پر ان خوبصورت عورتوں نے مجھے بتایا کہ وہ حضرت آسیہ'' ' حضرت مریم'' ہیں اوران کے ساتھ جنتی حوریں ہیں۔

اس ساعت سعید میں سارا گھر بقعۂ نور بن گیا انوار و تجلیات نے نہ صرف اس مکان کو بلکہ کائنات کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیا اور ہر چیز چاندنی میں نہا گئی۔ اس موقع پر عناصر کائنات ہی نہیں ساکنان عرش بھی حرکت میں آگئے۔ ہر شے رقصاں تھی اور ہر طرف دھوم مچی ہوئی تھی کہ اس نور کا ظہور ہونے والا ہے جو ظلمتوں کو اجالے اور تاریکیوں کو روشنیاں عطا کرے گا' دلوں کو انوار اور نگاہوں کو بصیرتیں بخشے گا' وہ بے مثال ہوگا اور باکمال بھی' نہ اس جیسا کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔

اُم عثمان فاطمہ بنت عبداللہ الثقیفہ'' اس موقع پر حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں۔ انہوں نے عجیب ایمان افروز مشاہدات کئے فرماتی ہیں۔

"میں نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت حاضر تھی میں نے دیکھا کہ ہر شے نور میں ڈوب گئی" گویا کائنات میں نور کا سیلاب آگیا تھا' اجرام سماوی زمین

کی طرف جھک رہے تھے جیسے اسے بوسہ دینا چاہتے ہوں۔ یہ انقلاب صرف احساس نہ تھا بلکہ ایک حقیقت کی نمود تھی۔

بیہقی' طبرانی' ابونعیم اور ابن عساکر نے عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا ہے۔

حدّثتنی امّی انها شهدت ولادة آمنة امّ رسول اللّٰه ﷺ لیلة ولدته قالت: فما شئی أنظر الیه فی البیت الا نور وانی لأنظر الی النجوم تدنو حتی أنّی لاقول لیقعن علیّ' فلما وضعت خرج منها نور أضاء له البیت والدّار حتی جعلت لاأری إلا نورًا

(الخصائص الکبریٰ' ۱: ۷۸)

(زرقانی علی المواہب' ۱: ۱۱۶)

(السیرۃ الحلبیہ' ۱: ۹۴)

وہ فرماتے ہیں مجھ سے اپنی والدہ (فاطمہ بنت عبد اللہ) نے بیان کیا کہ میں حضور ﷺ کی ولادت کے وقت حضرت آمنہؓ کے پاس موجود تھی' میں نے اس وقت جس چیز کو بھی دیکھا اسے نور ہی نور پایا اور میں نے دیکھا کہ ستارے قریب آتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ میں سوچنے لگی کہ یہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ پس جب حضرت آمنہؓ نے حضور ﷺ کو جنم دیا تو ان سے نور نکلا جس سے گھر اور سب در و دیوار منور ہو گئے۔ حتیٰ کہ ہر طرف نور ہی نور دکھائی دینے لگا۔

اسی طرح حضرت آمنہ خود اپنا مشاہدہ بیان فرماتی ہیں۔

لمّا ولدتهٗ خرج منی نور أضاء له قصور الشام فولدته نظیفا

(طبقات ابن سعد' ۱: ۱۰۲)

ولادت کے وقت میں نے محسوس کیا کہ ایک نور مجھ سے خارج ہوا ہے جس کی روشنی میں شام کے محلات بھی نظر آنے لگے بوقت ولادت آپ بالکل پاک صاف تھے۔

دوسری روایت ہے۔

رأيت كأن شهابا خرج مني أضاءت له الأرض

(طبقات ابن سعد '۱: ۱۰۲)

میں نے دیکھا نور کا ایک شعلہ مجھ سے جدا ہوا اس سے پوری زمین روشن ہو گئی گئی۔

حضرت سیدہ آمنہ ہی کا بیان ہے۔

رأيت ثلاثة أعلام مضروبات علما بالمشرق وعلما بالمغرب وعلما على ظهر الكعبة

(السیرۃ الحلبیہ '۱: ۱۰۹)

(السیرۃ النبویہ ' دحلان '۱: ۳۹)

(الانوار المحمدیہ 'النبہانی: ۳۳)

میں نے تین گڑے ہوئے جھنڈے دیکھے' ایک جھنڈا مشرق میں گڑا ہوا تھا' ایک مغرب میں اور ایک کعبہ معظمہ کی چھت پر لہرا رہا تھا۔

اس مقام پر ہم امام جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب الخصائص الکبریٰ کے باب "ما ظهر في ليلة مولده ﷺ من المعجزات والخصائص" میں سے ایک جامع بیان نقل کرتے ہیں جس میں اس موضوع سے متعلق اکثر احادیث اور روایات آگئی ہیں:۔

و أخرج إبن سعد و إبن عساكر' عن إبن عباس أن آمنة قالت: لقد علقت به فما وجدت له مشقة حتى وضعته' فلما فصل مني خرج معه نور أضاء له ما بين المشرق الى المغرب' ثم وقع على الأرض معتمدا على يديه' ثم أخذ قبضة من تراب فقبضها و رفع رأسه إلى

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہؓ نے فرمایا: میں حاملہ ہو گئی لیکن حمل کے دوران میں نے ابتداء سے ولادت کے آخری لمحات تک کوئی مشقت محسوس نہ کی۔ جب آپ ﷺ کا تولد ہوا' تو ساتھ ہی ایک نور بھی نکلا جس سے مشرق و مغرب کے

السماء
(الخصائص الکبریٰ، ۱:۴۶)

درمیان کی ساری فضاء روشن ہوگئی۔ آپ ﷺ زمین پر اس طرح جلوہ گر ہوئے جیسے دونوں ہاتھوں کا سہارا لئے ہوئے ہوں زمین کی مٹی سے مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر مبارک اٹھایا۔

وأخرج ابو نعیم، عن عبدالرحمٰن بن عوف، عن امہ الشفاء بنت عمرو بنت عوف قالت: لما ولدت آمنة رسول اللّٰہ ﷺ وقع علی یدی فاستهل فسمعت قائلاً یقول رحمک اللّٰہ ورحمک ربک، قالت الشفاء: فأضاء لی ما بین المشرق والمغرب حتی نظرت الی بعض قصور الروم، قالت: ثم ألبسته و اضجعته، فلم أنشب ان غشیتنی ظلمته ورعب وقشعریرة عن یمینی، فسمعت قائلاً یقول: این ذهبت به قال: إلى المغرب واسفر ذالک عنی ثم عاودنی الرّعب و الظُّلمة والقشعریرة عن یساری فسمعت قائلاً یقول: أین ذهبت به؟ قال: الی المشرق، قالت: فلم یزل

اور ابو نعیم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت شفاء بنت عمرو نے بتایا: جب اللہ کے رسول ﷺ کا حضرت آمنہ کے ہاں تولد ہوا، تو وہ سب سے پہلے میرے ہاتھوں پر تشریف لائے اور آواز نکالی، میں نے کسی قائل سے سنا، وہ کہہ رہا تھا: ''آپ پر اللہ رحمت نازل فرمائے، آپ کا رب آپ پر رحمت کے پھول برسائے۔'' حضرت شفاءؓ کا بیان ہے: میرے سامنے مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ تھا، سب روشن ہوگیا، یہاں تک کہ میں نے روم کے کچھ محلات بھی دیکھ لئے۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو لباس پہنا کر لٹادیا، اسی دوران اچانک مجھ پر رعب چھا گیا اور

الحدیث منی علی بال حتی ابتعثه اللّٰہ، فکنت فی اوّل النّاس اسلاما۔

(الخصائص الکبریٰ، ۱: ۴۶-۴۷)

کپکپی کی کیفیت طاری ہو گئی اور روشنی بھی کم ہو گئی، یہ صورت حال میرے دائیں طرف رونما ہوئی، میں نے کسی کی آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا، انہیں کہاں لے گئے ہیں؟ دوسرے نے کہا: مغرب کی سمت لے گئے ہیں، پھر روشنی پھیل گئی۔ اس کے بعد پھر رعب چھا گیا، رونگٹے کھڑے ہو گئے اور پھر تاریکی چھا گئی، اس دفعہ یہ کیفیت بائیں طرف سے ظاہر ہوئی، میں نے سنا: کوئی کہہ رہا تھا، انہیں کہاں لے گئے ہیں؟ کسی نے جواب میں کہا: مشرق کی طرف لے گئے ہیں۔ حضرت شفاء ؓ کہتی ہیں، یہ عجیب و غریب صورت حال میرے ذہن پر نقش ہو گئی، یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے دعویٰ نبوت فرما دیا: چنانچہ میں سب سے پہلے مسلمان ہو گئی۔

و أخرج ابو نعیم، عن عمرو بن قتیبۃ قال: سمعت أبی و کان من أوعیۃ العلم قال: لما حضرت ولادۃ آمنۃ قال اللّٰہ لملائکتہ إفتحوا أبواب السماء کلّها

اور ابو نعیم نے عمرو بن قتیبہ ؓ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے بتایا: میرے اباجان ایک متبحر عالم تھے۔ انہوں نے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ جب حضرت آمنہ رضی اللّٰہ عنہا کے ہاں

وأبواب الجنان كلّها، و امر اللّٰه الملائكة بالحضور، فنزلت تبشر بعضها بعضا و تطاولت جبال الدنيا، و ارتفعت البحار و تباشر أهلها، فلم يبق ملك الا حضر و أخذ الشيطان فغل سبعين غلا و ألقي منكوسا في لجة البحر الخضراء، و غلت الشياطين و المردة، و ألبست الشمس يومئذ نورًا عظيمًا، و أقيم على رأسها سبعون ألف حوراء في الهواء ينتظرون ولادة محمد ﷺ و كان قد أذن اللّٰه تلك السنة لنساء الدنيا ان يحملن ذكورا كرامة لمحمد ﷺ وان لا تبقى شجرة الا حملت ولا خوف الا عاد امنا، فلما ولد النبي ﷺ امتلأت الدنيا كلها نورًا وتباشرت الملائكة وضرب في كل سماء عمود من زبرجد، وعمود من ياقوت قد أستنار به فهي معروفة في السّماء قد رأها رسول اللّٰه ﷺ ليلة الأسراء، قيل: هذا ما

ولادت کا وقت قریب آیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو اور انہیں وہاں حاضر ہونے کا حکم دیا، چنانچہ وہ اترے اور ایک دوسرے کو بشارتیں دینے لگے، دنیا کے پہاڑ فخر سے بلند ہو گئے، سمندروں میں روانی آگئی اور موجیں اٹھنے لگیں اور اہل زمین میں مبارک سلامت اور بشارت کا سلسلہ چل نکلا، ہر فرشتہ وہاں حاضر ہو گیا اور شیطان کو ستر زنجیروں میں جکڑ کر بحر اخضر کے تند و تیز پانیوں میں الٹا لٹکا دیا گیا اور دیگر سرکش شیاطین کو بھی پابند طوق و سلاسل کر دیا گیا اس روز سورج کو نور کی شاندار چادر اوڑھادی گئی اور ستر ہزار حوریں ہوا میں کھڑی کر دی گئیں جو ولادت محمدی ﷺ کا انتظار کرنے لگیں، حضور نبی اکرم ﷺ کے اعزاز میں قدرت خداوندی نے دنیا بھر کی عورتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس سال لڑکے ہی جنیں، چنانچہ نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو ساری دنیا نور سے بھر گئی، فرشتوں

ضرب لک استبشارا بولادتک وقد انبت اللّٰہ لیلۃ ولد علی شاطئی نھر الکوثر سبعین ألف شجرۃ من المسک الاذفر جعلت ثمارھا بخور أھل الجنۃ' وکل أھل السموات یدعون اللّٰہ بالسلامۃ' و نکست الأصنام کلھا' واما اللاّت والعزّی فانھما خرجا من خزانتھما وھما یقولان: ویح قریش جاء ھم الأمین جاء ھم الصدیق لا تعلم قریش ماذا أصابھا' واما البیت فاياما سمعوا من جوفہ صوتا وھو یقول: الان برد علی نوری الان یجیئنی زواری' الان اطھر من انجاس الجاھلیۃ' ایتھاالعزی ھلکت' ولم تسکن زلزلۃ البیت ثلاثۃ ایام و لیالیھن' وھذا اول علامۃ رأت قریش من مولد رسول اللّٰہ ﷺ

(الخصائص الکبری' ۱:۴۷)

نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی اور ہر آسمان میں زبرجد اور یاقوت کا ایک ایک ستون قائم کردیا گیا' جن سے ہر شے روشن ہوگئی۔ چنانچہ یہ ستون آسمان میں بہت شہرت رکھتے ہیں' جن کو حضور ﷺ نے معراج کی شب ملاحظہ فرمایا۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا یہ وہ ستون ہے جو آپ ﷺ کی ولادت پاک کی خوشی میں نصب کیا گیا تھا۔ شب ولادت اللہ تعالیٰ نے حوض کوثر کے کنارے مشکی کستوری کے ستر ہزار درخت لگائے جن کے پھل اہل جنت کے لئے خوشبو دار دھونی کا کام دیں گے۔ اس رات آسمان والے اللہ کے حضور سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے' پتھر کے بت اوندھے منہ گر گئے۔ لات اور عزیٰ کے شیطان اپنے تھان سے باہر نکلے: وہ چیخ رہے تھے کہ قریش کو کچھ پتہ نہیں ہے' وہ کس حال کو پہنچ گئے ہیں' صدیق وامین آگئے ہیں۔ بیت اللہ شریف کے اندر سے کئی روز تک یہ آواز سنائی دیتی رہی' اب میرا نور مجھے

واپس کر دیا جائے گا' میری زیارت کرنے والے از سرِنو آنے لگیں گے' مجھے جاہلیت کی نجاستوں سے پاک کر دیا جائے گا' اے عزیٰ! اب تیری موت کا وقت آگیا ہے' بیت اللہ شریف پر مسلسل تین روز تک اسی طرح لرزہ طاری رہا' یہ پہلی علامت تھی' جو سرکار نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت قریش کے مشاہدہ میں آئی۔

و أخرج أبو نعیم' عن إبن عباس قال: کان من دلالات حمل رسول اللہ ﷺ ان کل دابۃ کانت لقریش نطقت تلک اللیلۃ وقالت حمل برسول اللہ ﷺ و ربّ الکعبۃ وھو امان الدنیا وسراج اھلھا' ولم تبق کاھنۃ فی قریش ولا فی قبیلۃ من قبائل العرب الا حجبت عن صاحبتھا وأنتزع علم الکھنۃ منھا' و لم یبق سریر ملک من ملوک الدنیا الاأصبح منکوسا والملک مخرسا لا ینطق یومہ ذالک ومرت وحش المشرق الی

اور ابونعیم نے حضرت عباسؓ سے روایت کی ہے۔ حضرت آمنہؓ کے بطن اطہر میں نور نبوی ﷺ کے جلوہ گر ہونے کا پتہ اس طرح چلا کہ اس رات قریش کا ہر جانور گویا ہوگیا' اسے زبان مل گئی وہ بولنے لگا کہ رب کعبہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطنِ اطہر میں جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ وہ دنیا کے لئے امان اور کائنات کے لئے سراج منیر ہیں۔ قبائلِ عرب میں جو کاھن عورتیں تھیں' ان کے مسخر جنات اس رات ان کے پاس آنے سے قاصر ہوگئے

وحش المغرب بالبشارات' وكذالک أهل البحار بشر بعضهم بعضا له في كل شهر من شهوره نداء في الأرض ونداء في السماء أن أبشروا فقد أن لأبي القاسم ان يخرج إلى الأرض ميمونا مباركا

کاہنوں کا علم چھین لیا گیا' دنیا بھر کے بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے اور وہ خود گونگے ہو گئے' اس روز بات تک نہ کر سکے بشارات دینے کے لئے مشرق کے جانور مغرب کی طرف دوڑے' اسی طرح سمندر کی مخلوق نے بھی ایک دوسرے کو خوشخبری سنائی' زمین و آسمان میں نداء دی گئی کہ خوش ہو جاؤ کہ برکتوں اور رحمتوں والے ابوالقاسم نبی محترم ﷺ کی تشریف آوری کا وقت قریب آگیا ہے۔

قال: وبقي في بطن أمه تسعة أشهر كملا لا تشكو وجعا ولا ريحا ولا مغصا ولا ما يعرض للنساء ذوات الحمل' وهلك أبوه عبد الله وهو في بطن أمه' فقالت الملائكة: الهنا وسيدنا بقي نبيك هذا يتيما' فقال الله: انا له ولي وحافظ ونصير وتبركوا بمولده فمولده ميمون مبارك' وفتح الله لمولده أبواب السماء وجنانه' فكانت أمنة تحدث عن نفسها وتقول: اتاني

آپ ﷺ والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں نو ماہ تک جلوہ گر رہے' اس دوران انہوں نے کسی قسم کی تکلیف' قے' متلی' بے چینی اور جو عوارض عورتوں کو پیش آتے ہیں' ان میں سے کسی چیز کی شکایت نہ کی' والد گرامی پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ فرشتوں نے کہا: یا اللہ! تیرا نبی ﷺ یتیم پیدا ہو گا: اللہ پاک نے فرمایا: میں ان کا محافظ و نگہبان اور مددگار ہوں' سب نے سرکار کے مولد مبارک کے ساتھ

أنہ حین مربی من حملہ ستۃ أشھر فوکزنی برجلہ فی المنام وقال لی: یا امنۃ: انک قد حملت بخیر العالمین طرا فاذا ولدتیہ فسمیہ محمدا' فکانت تحدث عن نفاسھا وتقول لقد اخذنی ما یأخذ النساء' ولم یعلم بی احد من القوم' فسمعت وجبۃ شدیدۃ وامرا عظیما فھالنی ذالک' فرأیت کان جناح طیر ابیض قد مسح علی فوادی' فذھب عنی کل رعب وکل وجع کنت اجد' ثم التفت فاذا انا بشربۃ بیضاء لبناً وکنتُ عطشی' فتناولتھا فشربتھا فاضاء منی نور عال' ثم رأیت نسوۃ کالنخل الطوال' کانھن من بنات عبد مناف یحدقن بی' فبینا أنا أعجب واذا بدیباج ابیض قدمد بین السّماء والأرض' واذا بقائل یقول: خذوہ من أعین الناس' قالت: ورأیت رجالا قد وقفوا فی الھواء بأیدیھم اباریق فضۃ' ورأیت قطعۃ من الطیر قد اقبلت

برکت حاصل کی اور اس خوشی میں جنتوں اور آسمانوں کے دروازے کھول دیئے۔ حضرت آمنہ بیان فرماتی ہیں: جب حمل مبارک کو چھ ماہ گزرے تو خواب میں ایک ہستی تشریف لائی' اس نے اپنے پاؤں کے ساتھ چھوا اور کہا: اے آمنہ! کائنات کی افضل ترین ہستی تیرے پیٹ میں جلوہ گر ہے' جب وہ متولد ہو تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا۔ بعد کا واقعہ بیان فرماتی ہیں جب وہ لمحہ قریب آیا' اور وہ کیفیت طاری ہوئی جو ایسے موقعہ پر خواتین پر طاری ہوتی ہے' اس وقت میرے پاس کوئی نہیں تھا اچانک میں نے ایک گونج دار آواز سنی جس نے مجھ پر ہول طاری کر دیا' پھر دیکھا جیسے کسی نے سفید پرندے کے پر جیسی کوئی چیز میرے سینے پر مل دی ہے' اس سے میرا خوف جاتا رہا اور ہر تکلیف زائل ہو گئی۔ اس وقت میں پیاس محسوس کر رہی تھی' اچانک دودھ کی طرح سفید مشروب میرے سامنے پیش کیا گیا جو میں نے پی لیا' اس سے ہر چیز منور

حتى غطت حجرى' مناقيرها من
الزمرد' وأجنحتها من اليواقيت'
فكشف الله عن بصرى وابصرت
تلك الساعة مشارق الأرض
ومغاربها' و رأيت ثلاثة أعلام
مضروبات علما فى المشرق
وعلما فى المغرب وعلما على ظهر
الكعبة' فاخذنى المخاض' فولدت
محمدا ﷺ فلما خرج من بطنى
نظرت اليه فاذا انابه ساجدا قد رفع
أصبعيه كالمتضرع المبتهل' ثم
رأيت سحابة بيضاء قد اقبلت من
السماء حتى غشيته' فغيب عن
وجهى وسمعت مناديا ينادى
طوفوا بمحمد شرق الأرض
وغربها وادخلوه البحار ليعرفوه
بأسمه و نعته و صورته' و يعلمون
أنه سمى فيها الماحى لا يبقى شىء
من الشرك الا محى فى زمنه' ثم
تجلت عنه فى السرع وقت فاذا أنا
به مدرج فى ثوب صوف ابيض
وتحته حريرة خضراء' وقد قبض
على ثلاثة مفاتيح من اللؤلؤ

ہو گئی جیسے مجھ سے نور پھوٹ رہا ہو
پھر میں نے لمبی لمبی عورتیں دیکھیں
جیسے کھجور کے درخت ہوں' انہوں
نے مجھے گھیرے میں لے لیا۔ وہ عبد
مناف کی بیٹیاں لگ رہی تھیں۔ ان
مشاہدات سے میں بے حد متعجب تھی'
کہ اچانک زمین و آسمان کے درمیان
ریشمی لباس دیکھا' کسی نے کہا: اس
نومولود مبارک کو لے لو اور لوگوں کی
نگاہوں سے چھپا دو! پھر میں نے کچھ
لوگ دیکھے وہ چاندی کی صراحیاں لے
کر ہوا میں کھڑے ہو گئے۔ پرندوں کی
ایک ڈار دیکھی انہوں نے میرے
مکان کو ڈھانپ لیا' ان عجیب و غریب
پرندوں کی چونچیں زبرجد اور پر
یاقوت کے تھے اللہ پاک نے میری
نگاہوں سے حجابات اٹھا دیئے۔ میں
نے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا اور میں
نے تین جھنڈے دیکھے ایک مشرق اور
دوسرا مغرب اور تیسرا کعبہ کی چھت پر
نصب تھا۔ جب تولد کا عمل مکمل ہو گیا
تو میں نے بے مثل نومولود کو دیکھا' وہ
حالت سجدہ میں تھا' انگلی اوپر اٹھائی

الرطب، واذا قائل یقول: قبض محمد علی مفاتیح النصرۃ، ومفاتیح الریح، ومفاتیح النبوۃ، ثم اقبلت سحابۃ اخری یسمع منها صهیل الخیل وخفقان الا جنحۃ حتی غشیتہ فغیب عن عینی، فسمعت منادیا ینادی طوفوا بمحمد الشرق والغرب، وعلی موالد النبیّین واعرضوہ علی کل روحانی من الجنّ والانس والطیر والسباع وأعطوہ صفاء آدم، ورقۃ نوح، وخلۃ إبراھیم لسان اسماعیل، بشری یعقوب، وجمال یوسف، وصوت داود، وصبر ایّوب، وزھد یحی، وکرم عیسی، واغمروہ فی أخلاق الأنبیاء، ثم تجلت عنہ فاذا انا بہ قد قبض علی حریرۃ خضراء مطویۃ، واذا قائل یقول: بخ بخ قبض محمد ﷺ علی الدنیا کلها لم یبق خلق من أهلها الاّ دخل فی قبضتہ واذا أنا بثلاثۃ نفر فی ید احدھم ابریق من فضۃ، وفی ید الثانی

ہوئی تھی، جیسے کوئی نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا کر رہا ہو، پھر میں نے سفید بادل دیکھا وہ نیچے اترا اور نومولود کو چھپالیا، وہ میری نظروں سے غائب ہوگیا، میں نے کسی کی آواز سنی وہ ندا دے رہا تھا، محمد ﷺ کو مشرق ومغرب کی سیر کراؤ اور سمندروں میں بھی لے جاؤ تاکہ سب ان کے نام اور ذات وصفات کو پہچان لیں، اور جان لیں کہ ان کا نام ماحی بھی ہے یعنی مٹانے والا، یہ اپنے وقت میں شرک کی تمام نشانیوں کو مٹا ڈالیں گے۔ اس کے بعد اچانک وہ میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوئے، اس وقت سفید صوف کے لباس میں ملبوس تھے، نیچے سبز ریشم بچھا ہوا تھا۔ آبدار موتی سے بنی ہوئی تین چابیاں ان کی مٹھی میں تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا، محمد ﷺ نے فتح ونصرت، نبوت اور ہواؤں کی چابیوں پر قبضہ کر لیا ہے، پھر دوسرا بادل نمودار ہوا اس سے گھوڑوں کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے کی آوازیں آرہی تھیں، اس بادل نے

طست من زمرد أخضر، وفي يد الثالث حريرة بيضاء، فنشرها، فأخرج منها خاتما تحار ابصار الناظرين دونه فغسله من ذالك الأبريق سبع مرات ثم ختم بين كتفيه بالخاتم، ولفه في الحريرة، ثم حمله، فادخله، بين اجنحته ساعة ثم رده الي.

(الخصائص الکبریٰ، ۱:۴۷۔۴۸)

بھی انہیں ڈھانپ لیا، اور وہ میری نظروں سے غائب ہوگئے، میں نے سنا کوئی کہہ رہا تھا۔ محمد ﷺ کو مشرق و مغرب اور انبیاء کرام کے اماکن ولادت پر لے جاؤ اور جن و انس سے درندوں اور پرندوں سے اور ہر قسم کی روحانی مخلوق سے ان کا تعارف کراؤ اور انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت اور حضرت نوح علیہ السلام کی رقت اور گریہ و زاری اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت اور دوستی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زبان اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت اور حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن اور حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز اور حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا زہد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سخاوت عطا فرماؤ اور اخلاق انبیاء کرام سے معمور کر دو۔ پھر دوبارہ آپ ﷺ میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوئے، اس وقت ایک سبز پارچہ ریشم آپ ﷺ کی مٹھی

بارک میں تھا۔ کسی نے کہا: مبارک ہو! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پوری دنیا پر قبضہ کرلیا ہے اور ساری مخلوق ان کی غلامی میں آگئی ہے۔ پھر میں نے تین اشخاص دیکھے' ایک کے ہاتھ میں چاندی کی صراحی تھی' دوسرے کے ہاتھ میں سفید ریشم کا ٹکڑا تھا اس نے وہ کھولا اور اس میں سے ایک مہر نکالی' اس کی چمک دمک سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا گئیں' اس صراحی کے پانی سے اسے سات مرتبہ دھویا' پھر سرکار کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر لگادی اور ریشم کے پارچہ میں لپیٹ دیا' پھر انہیں اٹھا کر کچھ دیر کے لئے اپنے پروں کے اندر چھپالیا پھر انہیں میرے سپرد کردیا۔

ولادت کی رات وہ سہانی اور نورانی ساعت تھی جب کائنات میں معنوی انقلاب کا آغاز ہوا۔ نور کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر پوری کائنات میں موجزن تھا۔ نوری اجرام جھک جھک کر اس نوری تموّج میں اور اضافہ کر رہے تھے اور فرشتے جھانک جھانک کر اپنے اشتیاقِ دید اور شوقِ فراواں کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ کب وہ نور کا پیکر جلوہ بار ہو اور فرشتوں کے امیر اسے لے کر دیدار عام کرائیں اور کائنات کو زیارت کا شرف بخشیں۔

ستاروں کا جھکنا' انوار کا چمکنا' محلاتِ شام و بصریٰ کا نظر آنا' کوئی استعارہ' مبالغہ یا واقعہ کی تخیلاتی تصویر کشی نہیں ہے' ایسا سوچنا مقام ختمیؐ مرتبت اور شانِ محبوبیتِ کبریٰ کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ دنیاوی شان و شوکت کے حامل افراد کی آمد پر ماحول میں تغیر آجاتا ہے۔ منجمد زندگی متحرک ہو جاتی ہے' ویران جگہوں کو آرائشی محرابوں' برقی قمقموں' اور رنگین پرچموں سے سجادیا جاتا ہے۔ تاریک ویرانے منور اور سنسان مقامات آباد ہو جاتے ہیں۔ یہ دستورِ دنیا اور آئین تہذیب ہے اور ایسے پر مسرت مواقع پر یہ زیب بھی دیتا ہے۔ وہ تو کائنات کے بادشاہ' انسانیت کے محسن' تاجدارِ ارض و سما' محبوب رب العالمین اور نبی آخر الزماں ﷺ تھے اگر ان کی تشریف آوری پر غیر مرئی جہاں میں خوشی اور نور کی لہر دوڑ گئی اور اس میں غیر معمولی تموج پیدا ہو گیا اور اہل نظر نے حضور ﷺ ہی کے قرب کی برکت سے اسے دیکھ لیا یا قدرت نے انہیں گواہی کے لئے دکھا دیا تو اس میں استحالہ کون سا ہے؟ اور اسے ایک حقیقت واقعہ کے طور پر مان لینے میں کون سا امر مانع ہے؟ ان واقعات کو حقیقت پر محمول کرنا ہی قرینِ انصاف اور قرینِ قیاس ہے۔ ایمان و دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ تاویلات' استعارات اور تمثیلات و تشبیہات کا سہارا وہاں لیا جاتا ہے جہاں حقیقت متعذر اور ناممکن ہو۔ یہاں تو حقائق اور سیاق و سباق خود بول رہے ہیں کہ کسی مجاز کی ضرورت نہیں ہے۔ مقامِ نبوت کی رفعت اور شان محبوب کی انفرادیت متقاضی ہے کہ ان روایات کو توڑنے مروڑنے کی بجائے اصل واقعہ کا بیان ہی تصور کیا جائے۔

یومِ ولادت

سب متقدمین و متاخرین کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت پیر (دوشنبہ) کے روز ہوئی۔

تاریخِ ولادت

متقدمین ومتاخرین کا اجماع اسی پر ہے کہ تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول عام الفیل ہے۔ بقول قاضی سلمان منصور پوری مصنف "رحمۃ للعالمین" یہ ۲۲ اپریل ۵۷۱ عیسوی اور ہندی مہینوں کے حساب سے یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی بنتی ہے۔ جبکہ معروف سیرت نگار علامہ محمد رضا مصری مصنف "محمد رسول اللہ" اور محمد صادق ابراہیم عرجون مصنف "محمد رسول اللہ" کی تحقیق کے مطابق سن عیسوی کے حساب سے ۲۰ اگست ۵۷۰ء بنتی ہے۔ علم الہیئت کے ماہر محمود پاشا فلکی مصری اور بعض دیگر متاخرین کی تحقیق ۹ ربیع الاول کے حق میں بھی ہے۔ مگر عالم اسلام میں قدیم زمانے سے اجماع ۱۲ ربیع الاول پر ہی چلا آرہا ہے۔ اس لئے قول مختارہ کا درجہ اسی کو حاصل ہے۔

وقتِ ولادت

طلوع صبح صادق کے فوراً بعد ظہور پُرنور ہوا۔ پاکستانی نظام الاوقات کے مطابق اس روز مکہ معظمہ میں صبح صادق کا طلوع ۴ بج کر ۲۰ منٹ پر ہوا تھا۔ عرب میں آج کل جو دوسرا نظام الاوقات رائج ہے۔ اس کے مطابق اس دن طلوع صبح صادق کا وقت ۹ بج کر ۵۷ منٹ تھا اس وقت جیٹھ کی یکم تاریخ کو شروع ہوئے ۱۳ گھنٹے ۱۶ منٹ گزر چکے تھے۔

اِعلانِ ولادت

ولادت کی رات سرشام ہی سے اجرام کائنات کو الہام ہوگیا تھا کہ وہ سب سرور وانبساط کے ترانے گائیں اور آنے والی ذات کا مسرتوں کے ہجوم میں استقبال کریں۔ ساکنانِ عرش کی آمد و رفت میں بھی اضافہ ہوگیا وہ نورانی پروں کے ساتھ ہواؤں اور فضاؤں میں پریں باندھ کر ادب واحترام سے کھڑے ہوگئے۔ حوران بہشت نے کاشانۂ آمنہ کو گھیرے میں لے لیا اور ہر سو خدمت کے لئے مستعد ہوگئیں۔ فرشتوں نے مشرق و مغرب میں آمد واستقبال کے پرچم لہرادیئے۔ ستاروں اور بہاروں

نے آگے بڑھ کر قدم چومے۔

(۱) حضرت عبدالمطلبؓ فرماتے ہیں۔

میں نے ایک عجیب خواب دیکھا اس وقت میں حطیم کعبہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ میری پشت پر ایک بہت ہی بلند درخت اگا ہے جس نے آسمان کی چوٹی کو چھو لیا ہے اس کی شاخیں مشرق و مغرب میں پھیل گئیں ہیں اور اس سے نور چھن چھن کر فضاؤں کو منور کرنے لگا ہے اور پھر اس سے انوار کے ایسے سوتے پھوٹے کہ سورج کی تابانی بھی اس کے آگے ماند پڑ گئی۔ میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ وہاں جمع ہو گئے' کچھ شوق و وارفتگی کے عالم میں آگے بڑھے اور ان شاخوں کے ساتھ لٹک گئے' لیکن کچھ لوگ غصے سے بھپر گئے اور برافروختہ ہو کر آگے بڑھے ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے کلہاڑے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اس نورانی درخت کو کاٹ ڈالیں۔ اتنے میں ایک بہت ہی خوبصورت اور باوقار نوجوان نمودار ہوا اور درخت کے آگے سینہ سپر ہو گیا اس سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں جی چاہتا تھا کہ انسان اسے دیکھتا ہی رہے۔ اس نے درخت کاٹنے کی کوشش کرنے والوں میں سے کسی کی آنکھیں پھوڑ دیں اور کسی کی کمر توڑ دی۔ میں گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ ایک کاہنہ نے تعبیر بتائی کہ تمہاری نسل سے ایک شخص پیدا ہو گا جس کے جاہ و جلال اور عظمت و کمال کی پوری دنیا میں دھوم مچ جائے گی۔ (سیرت نبوی' زینی دحلان: ۳۲)

حضرت عبدالمطلب اسی صبح نور کے تڑکے صحن کعبہ میں رونق افروز تھے کہ یک دم انقلاب آگیا بت درہم برہم ہو گئے' اوندھے منہ ایسے گر پڑے جیسے نظر نہ آنے والے ہاتھوں نے انہیں زمین پر پٹخ دیا ہو اور ساتھ ہی دیوار کعبہ سے ایک دلکش آواز گونجی۔

ولد المصطفی المختار الذی تهلک بیده الکفار

(السیرۃ النبویہ' ۱:۴۱)

وہ مختار و مصطفیٰ ﷺ پیدا ہو گئے ہیں' کفار جن کے ہاتھوں شکست کھا جائیں گے۔

ابھی وہ صورت حال پر غور ہی کر رہے تھے اور اس انقلاب آفریں واقعہ پر حیرت زدہ تھے کہ اتنے میں حضرت آمنہ کا فرستادہ ان کے پاس پہنچ گیا پیغام تھا کہ قدرت نے آپ کو "پوتا" عطا فرمایا ہے۔

یہ مسرت افزا اور روح پرور خوشخبری سنتے ہی گھر پہنچے۔

فأخبرته بكل ما رأت وما قيل لها وما أمرت به

(طبقات ابن سعد '۱: ۱۰۳)

حضرت آمنہ نے اس دوران جو عجائبات دیکھے تھے اور انہیں جو ہدایات وبشارات دی گئی تھیں وہ سب حضرت عبدالمطلب کو بتادیں۔

عبدالمطلب اس عطائے ربانی پر مجسم شکر بن گئے۔ وہ اظہارِ شکر کے لئے نو مولود کو کعبۃ اللہ میں لے گئے۔ رب کے حضور جھکے' تشکر کے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا اور پھر آسمانی مہمان کو گھر لے آئے۔

(۲) حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

إنّ الله تعالىٰ أخبر موسىٰ عن وقت خروج محمّد ﷺ وموسىٰ أخبر قومه انّ الكوكب المعروف عندكم اذا تحرّك و سار عن موضعه فهو وقت خروج محمّد ﷺ و صار ذالك مما يتوارثه العلماء من بنى اسرائيل

(السيرة النبوية۔ دحلان '۱: ۴۰)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری کے وقت سے بھی آگاہ فرما دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ جب فلاں ستارہ اپنی جگہ سے حرکت کرے گا تو وہ ظہور نبی مکرم ﷺ کی ولادت کا وقت ہو گا۔ یہ آگاہی اور وصیت' علماءِ بنی اسرائیل نسل در نسل حاصل کرتے آرہے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جس صبح ولادت باسعادت ہوئی' علماءِ یہود کی صفوں میں ہلچل مچ گئی

اور وہ بے قرار ہو کر گلی کوچوں میں گھومنے اور پوچھنے لگے کہ آج کس کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے دھوم مچادی کہ "وہ نجم طلوع ہو گیا ہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبردی تھی وہ محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہو گئے ہیں۔"

(۳) ایک یہودی راہب ملک شام سے آکر مرالظہران میں آباد ہو گیا تھا۔ وہ علم و فضل کا پیکر اور کتب سماوی کا عالم تھا۔ کہا کرتا تھا۔

یوشک ان یولد فیکم مولود یا أهل مكة تدين له العرب ويملك العجم هذا زمانه فمن أدركه واتبعه أصاب حاجته ومن أدركه وخالفه أخطاء حاجته

(السیرۃ النبویہ:۴۱)

اے اہل مکہ! عنقریب، تمہارے اندر ایک بچہ پیدا ہو گا عالم عرب اس کی اطاعت کرے گا اور عجم پر اسے غلبہ عطا ہو گا۔ اس کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جو اسے پالے گا اور اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہو گا اور جو مخالفت کرے گا وہ خائب و خاسر اور نامراد ہو گا۔

حضرت عبد المطلب بھی اس کی باتوں سے بڑے متاثر تھے جب حضور ﷺ کی ولادت باسعادت پر غیر معمولی واقعات ظاہر ہوئے تو آپ اسی صبح اس راہب کے پاس تشریف لے گئے وہ اپنے گرجے سے نمودار ہوا اور خود ہی بولا۔

ولد ذالک المولود الذی کنت أحدثکم به وانّ نجمه طلع البارحة

(السیرۃ النبویہ ۱:۴۱)

جس عظیم بچے کی آمد کے تذکرے میں تم سے کیا کرتا تھا وہ پیدا ہو گیا ہے اور گزشتہ رات اس کی پیدائش کی اطلاع دینے والا ستارہ بھی طلوع ہو چکا ہے۔

اے عبد المطلب! اپنی زبان بند رکھو۔ اسے حاسدوں کے حسد سے بچاؤ اس کے بڑے دشمن پیدا ہوں گے اور اتنی مخالفت ہو گی جتنی آج تک کسی کی نہیں ہوئی۔

حضرت عبد المطلب پریشان ہو گئے کسی انجانے اندیشے نے انہیں بے قرار کر دیا۔ بے ساختہ دل کی بات زباں پر آگئی۔ اس کی عمر کتنی ہو گی؟

اے عبد المطلب! پریشانی کی ضرورت نہیں ان کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہو گی۔

(۴) ابو نعیم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میری عمر سات آٹھ سال کے قریب تھی۔ میں کہی سنی بات کو سمجھتا تھا اس صبح میں نے ایک یہودی کو سنا وہ ایک ٹیلے پر کھڑا زور زور سے چیخ رہا تھا اے جماعت یہود! بڑی اہم خبر ہے جمع ہو جاؤ! جب ہجوم ہو گیا تو ہانپتے ہوئے بولا۔

طلع نجم احمد الذی ولد به فی هذه اللیلة	ستارہ احمد طلوع ہو گیا ہے اور وہ نبی آج رات پیدا ہو گئے ہیں۔ (جن کی ولادت کا سب کو انتظار تھا)

(المواہب للعسقلانی' الخصائص للسیوطی)

(۵) امام حاکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ولادت کی رات وہ اپنے مسکن سے باہر آیا قریش کے ہاں آکر رک گیا اور پوچھا۔ کیا آج رات تمہارے ہاں کوئی بچہ متولد ہوا ہے؟ حاضرین نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ بولا۔

إحفظوا ما أقول لکم ولد هذه اللیلة نبیّ هذه الامة الاخیرة وهو منکم معاشر قریش	میری بات غور سے سنو! آج کی رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور اے قبائل قریش! وہ تمہیں میں سے ہے۔

(السیرۃ النبویہ' دحلان' ۱:۴۰)

اس کے کندھے پر مہر نبوت ہے' سابقہ کتب میں اس کی یہی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ فوراً گھروں کی طرف جاؤ اور اس کی تحقیق کرو۔

قریش کے افراد حیرت زدہ رہ گئے تجسس اور شوق کے ملے جلے جذبات لئے گھروں کو بھاگے' انہیں جلد ہی پتہ چل گیا کہ حضرت عبد المطلب کو قدرت نے پوتا عطا کیا ہے جس کی پیدائش پر بڑے خوارق اور معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ اس یہودی عالم کے پاس واپس آئے اور بتایا تمہاری بات درست ہے' عبد المطلب کے گھر پوتا پیدا

ہوا ہے۔ وہ بولا! مجھے ان کے گھر لے چلو میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہودی حضرت آمنہ کے پاس آیا اور دوشانوں کے درمیان مہر نبوت والی نشانی دکھانے کے لئے کہا۔ جب یہودی نے مہر نبوت کی نشانی دیکھی تو بے ہوش اور بدحواس ہو گیا۔ اس کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکل گئے:۔

والله ذهبت النبوة من بنی اسرائیل

خدا کی قسم! بنی اسرائیل کے گھر سے نبوت رخصت ہو گئی۔

(السیرۃ النبویہ، دحلان، ۱:۴۱)

اے قریش! تمہیں نئی زندگی مبارک ہو اس کے ذریعے تم ایسا غلبہ و اقتدار حاصل کرو گے کہ مشرق و مغرب میں اس کا شہرہ ہو جائے گا۔

اسے یعقوب بن سفیان نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کا بیان فتح الباری میں امام عسقلانی نے بھی کیا ہے۔ ان حیرت انگیز اور معجزنما واقعات کے علاوہ ولادتِ سعادت کی پورے عرب میں فوری دھوم اور شہرت کی ایک ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ اس سال اہل عرب اور قریش تاریخ کے سخت ترین قحط اور افلاس میں مبتلا تھے، حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے ساتھ ہی ملک کی تقدیر بدل گئی، تمام سختیاں اور کلفتیں دور ہو گئیں، ویران زمینوں پر بہار آگئی، ہر طرف سبزہ لہلہانے لگا اور اناج سے کھیت کھلیان بھر گئے۔

یقال لها سنة الفتح والابتهاج فان قریشا کانت قبل ذالک فی جدب وضیق عظیم، فأخضرت الأرض وحملت الأشجار وأتاهم الرغد من کل جانب فی تلک السنة

(سیرت حلبیہ، ۱:۷۸)

اس لئے اس سال کا نام ہی "فتح و مسرت" کا سال پڑ گیا کیونکہ اس سے پہلے بنو قریش ہوش اڑا دینے والے قحط اور تنگی کا شکار تھے۔ پھر زمین سر سبز ہو گئی، درخت برگ و بار سے لد گئے اور ہر طرف سے آسودگی اور خوشحالی کی نوید آنے لگی۔

باب۔ ۳

حضور ﷺ کا اسم گرامی محمد ﷺ کیوں رکھا گیا؟

اس مقام پر ہم حضور ﷺ کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے ضروری سمجھتے ہیں کہ اسم مبارک "محمد ﷺ" کا معنی اور اس کے چند اہم معارف کا بیان کر دیا جائے۔ جن کے ذکر سے مذکورہ بالا سوال کا جواب خود بخود آ جائے گا۔

محمد کا لفظ اتنا پیارا اور حسین ہے کہ اس کے سنتے ہی ہر نگاہ فرطِ ادب سے جھک جاتی ہے، ہر سر خم ہو جاتا ہے اور زبان پر درود و سلام کے زمزمے جاری ہو جاتے ہیں۔ لیکن کم لوگ جانتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی و مفہوم بھی اس کے ظاہر کی طرح حسین اور دل آویز ہے۔

لفظ محمد "حمد" سے مشتق ہے۔ "حمد" کے معانی تعریف اور ثنا بیان کرنے کے ہیں۔ خواہ یہ تعریف کسی ظاہری خوبی کی وجہ سے کی جائے یا کسی باطنی وصف کی بناء پر، تعریف کا مفہوم ادا کرنے کے لئے "شکر" کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، مگر شکر اور حمد میں فرق ہے۔ شکر سے مراد وہ تعریف ہے جو کسی کے احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے کی جائے اور حمد سے مراد مطلق تعریف و توصیف ہے جو ممدوح کی عظمت و کبریائی کو مد نظر رکھتے ہوئے کی جائے۔

لفظ محمد اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس سے مراد ہے:۔

اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ	(وہ ذات) جس کی کثرت کے ساتھ اور بار بار تعریف کی جائے۔

امام راغب الاصفہانی لفظ محمد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومحمد اذا کثرت خصالہ المحمودۃ (المفردات:۱۳۱)	اور محمد ﷺ اسے کہتے ہیں جس کی قابل تعریف عادات حد سے بڑھ جائیں۔

قرآن حکیم میں لفظ محمد کا ذکر متعدد مقامات پہ آیا ہے۔

سورہ الفتح میں ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
(الفتح ۴۸: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔

سورہ محمد میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ
(محمد ۴۷: ۲)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور اس سب پر ایمان لائے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔

سورہ آل عمران میں ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ
(آل عمران ۳: ۱۴۴)

اور محمد ﷺ تو (اللہ کے) رسول ہی ہیں۔

سورۃ الاحزاب میں ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ
(الاحزاب ۳۳: ۴۰)

محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

یوں تو حضور نبی اکرم ﷺ کے متعدد اسمائے گرامی ہیں۔ بعض محدثین کے مطابق اللہ رب العزت نے سرور کائنات ﷺ کو بھی ننانوے ناموں سے نوازا ہے جبکہ بعض کے بقول آپ ﷺ کے اسماء مبارکہ تین سو ہیں۔ صاحب "ارشاد الساری شرح صحیح البخاری" لکھتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک ہزار نام ہیں۔ ان میں سے ہر نام آپ ﷺ کی سیرت و کردار کے کسی نہ کسی انوکھے پہلو پر روشنی ڈالتا ہے لیکن جس طرح اللہ رب العزت کے ہزاروں نام ہیں مگر ذاتی نام صرف ایک' یعنی "اللہ" ہے۔ اسی طرح سرور کائنات ﷺ کے بھی سینکڑوں نام ہونے کے

باوجود ذاتی اور شخصی نام ایک ہی ہے اور وہ محمد ﷺ

اسم محمد ﷺ کا ہر حرف با معنی ہے

الفاظ مجموعۂ حروف ہوتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک حرف کو حذف کر دیا جائے تو بقیہ حروف اپنے معنی کھو بیٹھتے ہیں' مثلاً طاہر ایک بامعنی لفظ ہے اور "ط ا ہ ر" کا مجموعہ ہے اگر ان حروف میں سے پہلے حرف ط کو حذف کر دیا جائے تو بقیہ حروف "اہر" بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن اس کلیئے سے لفظ "اللہ" اور "محمد" مستثنیٰ ہیں۔ اگر لفظ "اللہ" میں سے پہلا حرف (الف) کم کر دیا جائے تو باقی "للہ" رہ جاتا ہے' جس کا مطلب ہے "اللہ کے لئے" اگر دوسرا حرف (لام) ہٹا دیا جائے تو باقی "الہ" رہ جاتا ہے' جس کا مطلب ہے "معبود" اور اگر الف اور لام دونوں کو الگ کر دیا جائے تو باقی "لہ" رہ جاتا ہے' جس کا مطلب بھی "اللہ کے لئے" ہے۔ اگر لام کو بھی ہٹا دیا جائے تو "ہ" (ہو) رہ جاتا ہے' جس کا معنی ہے "وہی" اور وہ اللہ ہی ہے۔

علیٰ ھذا القیاس لفظ "محمد" کا ہر حرف بھی بامقصد اور بامعنی ہے۔ اگر شروع کا "م" ہٹا دیا جائے تو "حمد" رہ جاتا ہے' جس کا مفہوم تعریف و توصیف ہے۔ اور اگر صرف "ح" کو کم کر دیا جائے تو "ممد" رہ جاتا ہے' یعنی مدد کرنے والا اور اگر ابتدائی "میم" اور "حا" دونوں کو حذف کر دیا جائے تو باقی "مد" رہ جائے گا۔ جس کا مفہوم ہے دراز اور بلند۔ یہ حضور ﷺ کی عظمت اور رفعت کی جانب اشارہ ہے اور اگر دوسرے میم کو بھی ہٹا دیا جائے تو صرف "د" (دال) رہ جاتا ہے' جس کا مفہوم ہے دلالت کرنے والا یعنی اسم محمد اللہ کے وجود اور وحدانیت پر دال ہے۔

محمد اور احمد...... حضور ﷺ کے دو ذاتی نام ہیں

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے صفاتی نام تو بے شمار ہیں مگر آپ ﷺ کے ذاتی نام صرف دو ہیں محمد اور احمد۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ زمین پر میرا نام "محمد" اور آسمان پر "احمد" ہے۔ احمد کا ذکر قرآن مجید

میں صرف ایک جگہ پر آیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو حضور ﷺ کی آمد سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ؕ (الصف ۶۱:۶)

اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں، ان کا اسم (مبارک) احمد ہو گا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق زمین پر آپ ﷺ کا نام مبارک محمد ﷺ اور آسمان پر احمد ہے اور حضرت عیسیٰ نے حضور ﷺ کی آمد کی خبر زمین والوں کو سنائی تھی نہ کہ آسمان والوں کو۔ انہیں اس موقع پر زمین والے نام "محمد" کا ذکر کرنا چاہیے تھا، اس اشکال کا مختصر جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو زمین پر پیدا ہوئے، زمین والوں میں رہے اور یہیں زندگی بسر کی، مگر فی الواقع ان کی پیدائش سے لے کر رفع سماوی تک ان کے بہت سے احوال آسمان والوں سے مشابہ تھے۔ ان کی پیدائش مروجہ انسانی طریقے سے ہٹ کر ہوئی۔ آسمان کے ایک جلیل القدر فرشتے حضرت جبرئیل تشریف لائے اور سیدہ مریم علیہا السلام کے دامن پر پھونک ماری اسی کے اثر سے ان کی پیدائش ہوئی۔ پھر مختصر ارضی زندگی بسر کرنے کے بعد دوبارہ ان کا آسمان پر عروج ہو گیا، گویا آغاز اور اختتام کے اعتبار سے ان کی حیات آسمانی مخلوق سے مشابہت رکھتی ہے، اسی بنا پر حضرت عیسیٰ نے حضور ﷺ کے اسی نام کا ذکر فرمایا جس سے آپ ﷺ کو آسمانوں پر پکارا جاتا تھا۔

حضور ﷺ کے متعدد اسماء "حمد" سے مشتق ہیں

حضور ﷺ کے اسماء مبارکہ میں مادہ "حمد" خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس مادے سے حضور ﷺ کے کم از کم چار نام مشتق ہیں۔ محمد، احمد، حامد اور محمود۔ ان میں سے اسمائے مبارکہ (محمد، احمد اور محمود) "تعریف کیے گئے" کا مفہوم رکھتے ہیں۔ محمد

اسم مفعول اور احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور دونوں میں "حمد" کے معنی کی وسعت اور کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ حضور ﷺ کے یہ تینوں اسمائے مبارکہ آپ ﷺ کی تعریف و توصیف کی کثرت کے مظہر ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی تعریف صرف مخلوق یعنی کائناتِ جنّ وانس اور ملائکہ مقربین ہی نہیں کرتے بلکہ خود اللہ رب العزت بھی ہمہ وقت آپ ﷺ کی تعریف فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝
(الاحزاب، ۵۶:۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو۔

نیز سارا قرآن ہی آپ کی حمد اور بے پایاں تعریف و توصیف سے معمور ہے۔

محمد ﷺ نام رکھنے کی وجہ آپ کے بے عیب ہونے کا اعلان کرنا تھا

یہ حقیقت ہے کہ تعریف ہمیشہ خوبی اور کمال پر کی جاتی ہے، نقص اور عیب پر نہیں۔ حضور ﷺ کا نام "محمد ﷺ" رکھنے کی وجہ خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ شاعرِ بارگاہِ نبوت ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ان اشعار کا بھی یہی مفہوم ہے:

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبراء من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

(محبوب ﷺ) آپ ﷺ سے زیادہ حسین تر چہرہ آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ خوبصورت شخص کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپ ﷺ ہر (جسمانی و روحانی) عیب سے کلی طور پر پاک اور مبرا پیدا کیے گئے،

آپ ﷺ ایسے ہی تخلیق فرمائے گئے جس طرح آپ ﷺ خود چاہتے تھے۔

حضور ﷺ حسنِ ظاہری کا بھی مرقع تھے اور حسن باطنی میں بھی یکتائے روزگار۔ آپ ﷺ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھم أحسن سیرتی کما حسنت صورتی — اے اللہ میری سیرت بھی ایسی ہی حسین کردے جیسی تو نے میری صورت حسین بنائی ہے۔

آپ ﷺ کو دیکھنے والے خوش نصیب افراد اکثر آپ ﷺ کے حسنِ بے مثال کو یاد کر کے بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ ایک صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضور ﷺ سرخ دھاری دار لباس پہنے بستر پر استراحت فرما رہے ہیں ..... اور ادھر آسمان پر چودھویں کا چاند چمک رہا ہے' میں کبھی چاند کو اور کبھی حضور ﷺ کے رخ زیبا کو دیکھتا خدا کی قسم آپ چاند سے زیادہ حسین نظر آرہے تھے۔

اللّٰہ جمیل و یحب الجمال — اللہ تعالیٰ خود جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔

اس لئے حضور ﷺ کو حسن وجمال اور خوبیوں اور اچھی خصلتوں کی جو وافر دولت عطا ہوئی' وہ دنیا کے کسی فرد بشر کے حصے میں نہیں آئی۔

امام بوصیری ؒ فرماتے ہیں:

فھو الذی تم معناہ وصورتہ
ثم اصطفاہ حبیبا باریٔ النسم
منزہ عن شریک فی محاسنہ
فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

"اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ظاہری اور باطنی حسن کو درجۂ کمال تک پہنچایا اور پھر اپنی محبت کے لئے آپ ﷺ کو منتخب کرلیا۔ حضور ﷺ

اپنے کمالات میں کوئی شریک و سہیم نہیں رکھتے' پس آپ ﷺ کا جوہر حسن غیر منقسم ہے۔"

امام موصوف مزید فرماتے ہیں:

فاق النبین فی خلق وفی خلق
ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

"آپ ﷺ انبیاء علیہم السلام سے خلقت اور اخلاق دونوں میں بڑھ گئے ہیں' آپ ﷺ کے جود و کرم کی کوئی حد ہے نہ علم و فضل کا کوئی ٹھکانہ ہے"

الغرض جو حسن و جمال حضرت یوسفؑ میں چمکا اور اس نے انہیں دنیا کا حسین ترین شخص بنا دیا اور جو جمال حضرت موسیٰؑ کے ید بیضا میں منعکس ہوا اور اس سے ان کا ہاتھ بقعۂ نور ہو گیا اور اسی طرح جو حسن دیگر انبیاء میں تجلی پذیر ہوتا رہا وہ سارا کا سارا آپ ﷺ کی ذات اقدس میں یکجا کر دیا گیا اور کیفیت یہ ہو گئی کہ۔

حسنِ یوسف ' دمِ عیسیٰ ' یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تُو تنہا داری

اسم محمد ﷺ کو توحید خداوندی کی دلیل بنایا گیا

حضور ﷺ کا نہ کوئی ظاہری حسن میں شریک وسہیم ہے اور نہ کوئی باطنی حسن و جمال میں ہمسر ہے...... انہی گوناگوں خصوصیات اور کمالات کی بنا پر خداوند تعالیٰ کے بعد زمین و آسمان میں سب سے زیادہ تعریف و توصیف حضور ﷺ کے حصے میں آئی ہے اسی لئے حضور ﷺ کا نام "محمد" رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں حضور ﷺ کی محمدیت کو اللہ رب العزت نے اپنی وحدانیت کی دلیل ٹھہرایا اور ارشاد فرمایا کہ میں واحد و یکتا ہوں' دلیل یہ ہے کہ میرا محبوب اپنے حسن و جمال اور سیرت و کردار میں یکتا ہے۔ اور فرمایا' جن لوگوں کو میری وحدانیت کی شہادت درکار ہو' وہ میرے محبوب ﷺ کو دیکھ لیں' حضور ﷺ کی سیرت طیبہ اور محاسن عالیہ کا مطالعہ

کرلیں، انہیں دنیا میں توحید کی سب سے بڑی دلیل ہاتھ آجائے گی۔ اگر میرے محبوب ﷺ کی کوئی مثل نہ مل سکے تو میری مثل کہاں سے ملے گی۔

اسی طرح حضور ﷺ کی حیات طیبہ خود آپ ﷺ کی اپنی نبوت ورسالت کی دلیل بنائی گئی حضور ﷺ نے قریش مکہ کے ایک ایک خاندان کو "یا آل غالب" کہہ کر کوہ صفا کے دامن میں جمع کیا اور ان کے سامنے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کیا یہ ایسا موقع تھا جب عام طور پر لوگوں نے اپنے نبی سے اس کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل طلب کی ایسے ہی موقع پر حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا کا اور حضرت عیسیٰؑ نے احیاءِ موتیٰ کا معجزہ پیش کرکے ثبوتِ نبوت پیش کیا تھا۔ اگر حضور ﷺ بھی اعلانِ نبوت کے اس موقع پر چاہتے تو چاند کے ٹکڑے کردیتے، ڈوبے سورج کو دوبارہ مغرب سے طلوع کرا دیتے درختوں اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے مگر حضور ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس موقعہ پر سب سے منفرد اور سب سے نرالی دلیل پیش کی اور فرمایا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ
(یونس، ۱۰:۱۶)

میں تمہارے اندر اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار چکا ہوں۔ (مجھے دیکھ لو یہی میری نبوت کی اور اللہ کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔)

چونکہ باری تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ان تمام محاسن سے بہرہ یاب فرما کر اپنے حسن کامل کی دلیلِ اتم بنایا تھا اس لئے آپ ﷺ کو اس "محمد ﷺ" کے اسم گرامی سے نوازا گیا۔ لفظ "محمد" ﷺ کا مادہ حمد ہے۔ اور محمد ﷺ کا معنی ہے "جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے" جس طرح حمد میں شکر کا کمال ہے، محمد ﷺ میں "حمد" کا کمال ہے۔ حمد، اللہ تعالیٰ کے کلام میں سب سے پہلا فرد ہے، (الحمدللہ رب العالمین) اور محمد ﷺ اس کی مخلوق میں سب سے پہلا فرد۔ گویا حمد، اس کے کلام کا لفظ اول ہے، محمد، ﷺ اس کے فیضان کا نقش اول۔ حمد، باری تعالیٰ کی ربوبیت کا استحقاق ہے۔ محمد، ﷺ اس کی ربوبیت کا اعجاز۔ حمد، صفات باری کی دلیل ہے محمد،

ﷺ ذات باری کی دلیل۔ حمد' میں بھی تعمیم ہے اور محمد' ﷺ میں بھی تعمیم۔ حمد' کو بھی تمام نعمتوں پر محیط کیا گیا ہے اور محمد ﷺ کا دامن رحمت بھی سب نعمتوں پر محیط ہے۔ حمد' ہر ذرہ کائنات سے عیاں ہے۔ محمد ﷺ ' ہر ذرہ کائنات میں نہاں' حتیٰ کہ حمد' مطلوب انس وجان ہے اور محمد ﷺ ' مقصود انس وجان۔

اس لئے باری تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو محمد ﷺ جیسے خوبصورت ترین نام سے موسوم فرمایا ہے۔

باب ۔ ۴

نمودِ صبحِ انقلاب

انسانی دنیا ظلم و جہالت کے بھیانک بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔ کفر و شرک، ہوا و ہوس، ظلم و ستم، باطل افکار و نظریات، قبائلی رسم و رواج، غیر اخلاقی سماجی بندھن اور گمراہی و ضلالت کی گھمبیر ظلمتیں ہر طرف پوری قوت کے ساتھ چھائی ہوئی تھیں۔ استحصالی، طاغوتی اور استعماری طاقتوں نے دانستہ غربت و افلاس اور بھوک پیاس کے دروازے کھولے ہوئے تھے اور مجبور و بے بس انسانی ڈھانچوں کو اپنے ظالمانہ پنجوں میں جکڑا ہوا تھا۔ ان کی جاہ پسندی، ہوسِ اقتدار اور حصولِ دولت کی بے لگام خواہش نے خوب و ناخوب کا امتیاز مٹا کر شرفِ آدمیت کو غلامی کی زنجیریں پہنا دی تھیں اور غلاموں کی اداس پیشانیوں کو اپنے حضور جھکنے پر مجبور کر دیا تھا وسائلِ معیشت پر قبضہ جمانے کے بعد کسی کو اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ وہ جبر و تشدد اور انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکے۔ عورت شرفِ نسواں سے محروم تھی بلکہ بنیادی حقوق اور انسانی حیثیت کو بھی ترس گئی تھی۔ انسانی معاشرہ قتل و غارت گری کی آماجگاہ تھا۔ قبائلی عصبیت اور نسلی تفاخر نے انسانی طبقات کی گھناؤنی تقسیم کر رکھی تھی۔ ایک طرف دنیا بھر میں پوری انسانیت اپنے حقوق کی بحالی کیلئے اس طرح تڑپ رہی تھی مگر پوری فضائے بسیط میں اس کے حق میں کوئی آواز اٹھانے والا نہ تھا اور دوسری طرف ابلیسی اور شیطانی قوتیں بتوں کی خدائی اور اوہام و اباطیل کی فرمانروائی میں اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ بت پرستانہ سوچ نے ذہنوں میں جہالت اس طرح بھر دی تھی کہ وضع داری اور دانشوری بھی انکی چوکھٹ پر جبہ سا تھی۔ دانا و ناداں سب بتوں کے چرنوں میں ڈھیر ہو جاتے۔ ان کا ایک ہی نعرہ تھا **ما وجدنا علیه آباء نا** "یعنی ہم نے جس روش پر اپنے آباؤ اجداد کو گامزن پایا ہے وہی طریق درست ہے اور ہم اسی پر چلیں گے۔" ان ہولناک حالات میں شبِ میلاد مصطفوی ﷺ تاریخ انسانی کے عظیم انقلاب کا آغاز

تھا۔ اس ایک رات ہی نے باطل نفسانی اور شیطانی قوتوں میں کھلبلی مچا دی اور انہیں یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ کچھ ہوگیا ہے اور بہت کچھ ہونے والا ہے۔

(۱) حضرت عبدالمطلب اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

ان فی صبیحۃ تلک اللیلۃ اصبحت اصنام الدنیا منکوسۃ.

اس رات صبح کے وقت دنیا بھر کے بت سرنگوں ہوگئے۔

(السیرۃ الحلبیہ، ۱:۴۷)

(۲) خرائطی اور ابن عساکر نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو، اور عبید اللہ بن جحش اس رات ایک بت خانے میں گئے دیکھا ''خدایانِ قوم'' منہ کے بل گرے پڑے ہیں، دنگ رہ گئے اپنے مجبور و ناتوان خداؤں کو سیدھا کیا مگر وہ پھر سر کے بل گر گئے۔ تیسری بار بھی جب کھڑا کرنے کے بعد وہ گر پڑے تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا اس حادثہ کے پیچھے ضرور کوئی ابدی صداقت اور غیر مرئی طاقت کار فرما ہے۔ یہ سب کچھ یونہی نہیں ہو رہا ضرور کوئی انقلاب آنے والا ہے اتنے میں بت کے اندر سے یہ آواز بلند ہوئی۔

تردی لمولود انارت بنورہ
جمیع فجاج الارض بالشرق والغرب

(الکبریٰ، ۱: ۵۴)

''یہ سب بت اس نومولود کی وجہ سے تباہی و بربادی کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں۔ جس نے اپنے نور کے ساتھ مشرق و مغرب تک زمین کی تمام راہوں کو بھر دیا ہے''۔

(۳) ابن ابی حاتم حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ولادت نبوی ﷺ کی شب شیاطین کے لیے فضائے آسمان کی راہیں مسدود ہوگئیں شہابِ ثاقب نے ان پر ٹوٹنا شروع کردیا وہ اوپر جانے کی کوشش کرتے تو بھسم کردیئے جاتے۔ اس حیرت انگیز انقلاب نے انہیں پریشان کردیا۔ انہیں ابلیس ملا اس نے بتایا ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو مستقبل میں

ان کے کاروبارِ شیطنت کو درہم برہم کردے گا اور دسیسہ کاریوں کے تار و پود بکھیر دے گا۔ شیاطین نے مشورہ دیا تم ابھی جاکر آنے والے خطرے کا سد باب کردو تاکہ ہماری راہوں میں روڑے اٹکانے والا کوئی نہ رہے۔
ابلیس نے کہا: میں ابھی جاتا ہوں۔

فلما دنا من رسول اللّٰہ ﷺ بعث اللّٰہ جبریل فرکضہ برجلہ رکضۃ وقع بعدن.
(السیرۃ النبویہ، دحلان: ۳۹)

جب وہ شرارت کی نیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف بڑھا تو جبریل امین نے اسے ایک زور دار ٹھوکر لگائی وہ عدن میں جاگرا۔

(۴) اس رات جو دنیا دار بادشاہوں کا حشر ہوا وہ بھی اسی انقلاب کے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ آل ساسان تین ہزار ایک سو چونسٹھ (۳۱۶۴) سال سے فارس میں حکمران تھے۔ ان کی حکومت اتنی مستحکم اور نظام اتنا جابرانہ تھا کہ اس کی شکست و ریخت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہ نشہ اقتدار سے سرشار اور بڑے ہی مغرور و متکبر تھے۔ کسی قوم، معاشرت اور تہذیب کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ شاہی سطح پر کوئی انقلاب ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔ لیکن وہ بھی اس انقلاب کی زد میں آگئے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

ولم یبق سریر الملک من ملوک الدنیا إلّا اصبح منکوسا.
(السیرۃ النبویہ، دحلان: ۳۷)

اس رات دنیا دار بادشاہوں کے تخت بھی اوندھے ہوگئے۔

(۵) کسریٰ ایران کا وسیع و عریض اور قلعہ نما محل اپنی پائیداری، مضبوطی اور استحکام کے باوجود ایک ہیبت ناک آواز کے ساتھ پھٹ گیا اور اس کے چودہ کنگرے گرگئے۔ اس میں بڑی بڑی دراڑیں پڑگئیں جن کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر اتنا زبردست زلزلہ آیا کہ مکینوں کے دل دہل گئے۔ اسی کے ساتھ آتش کدہ فارس کی آگ جو ایک ہزار سال سے کبھی نہ بجھی تھی اچانک بجھ گئی۔ حیرت زدہ ہوکر کسریٰ نے فوراً دربار

لگایا اور اپنے ارکان سلطنت سے پوچھا۔

ان عجیب و غریب حوادث کا سبب اور منبع کیا ہے؟

اس کا پادری موبذان کھڑا ہو گیا' بولا! میں نے آج رات بڑا خوفناک خواب دیکھا ہے جو میرے لئے معمہ بنا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ "طاقتور اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچتے ہوئے لا رہے ہیں اور وہ گھوڑے ہمارے شہروں میں چاروں طرف پھیل گئے ہیں"

بڑا واضح اور معنی خیز خواب تھا۔ جس سے بادشاہ کے بھی اوسان خطا ہو گئے مگر وہ اپنا شاہی وقار قائم رکھتے ہوئے بولا!

موبذان اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟

اس نے جواب دیا میں اس سلسلے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا البتہ آپ "حیرہ" کے گورنر نعمان بن منذر کو لکھیں وہ آپ کے پاس کوئی تبحر عالم بھیجے اسے ایسی باتوں سے بڑی دلچسپی ہے امید ہے وہ یہ مسئلہ حل کر دیگا۔

اسی وقت نعمان کے نام شاہی فرمان جاری کر دیا گیا۔ نعمان نے ایک معمر عالم عبد المسیح کو بھیجا اس کی عمر ایک سو پچاس سال تھی اس نے سوال سن کر جواب دیا!

مسئلہ بہت اہم ہے اس کا جواب میرا ماموں سطیح ہی دے سکتا ہے جو آج کل شام کے علاقے میں مقیم ہے کسریٰ نے عبد المسیح سے کہا!

پھر آپ ہی اس کے پاس جائیں اور اس کا جواب لے کر آئیں۔

جب عبد المسیح وہاں پہنچا تو سطیح کے آخری لمحات تھے شاید وہ جواب دینے اور آسمانی انقلاب کے راز سے پردہ اٹھانے ہی کیلئے زندہ تھا بولا!

عبد المسیح میرے پاس اس وقت آیا ہے جب میں گور کنارے کھڑا ہوں وہ پوچھنا چاہتا ہے کہ کائنات میں یہ کیسا انقلاب آ رہا ہے؟ بادشاہ کا محل زلزلے سے پھٹ گیا ہے اس کے چودہ کنگرے گر گئے ہیں۔ آتش کدۂ فارس میں ہزار سال سے جلنے والی آگ اچانک بجھ گئی ہے اور بڑے جتن کرنے کے باوجود نہیں جل رہی بحیرۂ ساوہ خشک

ہوگیا ہے بحیرۂ طبریہ میں پانی نہیں رہا، وادی ساوہ منقطع ہوگئی ہے۔ آخر یہ کیسی تبدیلی ہے کس انقلاب کا پیش خیمہ ہے؟

اے عبدالمسیح! بادشاہ کو جاکر بتادے۔

اذا كثرت التلاوة، و ظهر صاحب الهراوة وفاض وادى السماوة وغاضت بحيرة ساوة و خمدت نار فارس فليس الشام لسطيح شاما يملك منهم ملوك و ملكات على عدد الشرفات و كل ما هو آت آت.

(البدایہ والنھایہ، امام ابن کثیر۲: ۲۶۹)

(الخصائص الکبریٰ للسیوطی ۱: ۸۷۔۸۸)

جب اللہ کے کلام کی تلاوت کثرت سے ہونے لگے گی اور عصا کے ساتھ چلنے والے صاحب ظاہر ہوجائیں گے، وادی ساوہ بہنے لگ جائے گی۔ اور بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہوجائے گا اور آتش کدۂ فارس میں آگ بجھ جائے گی تو سطیح کے لئے شام، شام نہ رہے گا، محل کے چودہ کنگرے گرے ہیں۔ اتنے ہی بادشاہ اور ملکائیں اس کے ملک پر حکومت کریں گے، پھر بادشاہت اس کے خاندان سے جاتی رہے گی۔ غور سے سنو جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہوکر رہے گا۔

جب کسریٰ کو سطیح کا یہ جواب ملا کہ اس کی بادشاہت ختم ہونے والی ہے۔ خاندان کے چودہ افراد کے بعد حکومت نہیں رہے گی تو اس نے قدرے سکھ کا سانس لیا اور بولا چودہ بادشاہوں کے گزرنے کے لئے ایک مدت چاہیے۔ (مگر ہوا یہ کہ حضرت عثمان غنی ﷜ کے عہد تک یہ چودہ بادشاہ گزر گئے اور ان کی حکومت ختم ہوگئی)۔

شبِ ولادت ظاہر ہونے والے یہ انقلابات اور صدیوں سے قائم نظام باطل کو درہم برہم کردینے والے یہ تغیرات، اس بات کا اعلان تھے کہ اب باطل کی حکمرانی اور چیرہ دستی کے دن ختم ہوگئے ہیں۔ استحصالی قوتیں، ان کے آلۂ کار رسہ گیر اور ان

سکے بد قماش ساتھی نشۂ اقتدار میں بد مست حکمران اور ان کے حواری اب اپنا جبر و ستم جاری نہیں رکھ سکیں گے ماحولِ حیات پر قابض وڈیروں کو یہ اجازت نہیں دی جائیگی کہ وہ وسائل معیشت پر بدستور قابض رہیں اور غریب عوام کا استحصال کرتے رہیں سرمایہ دار لوگ عوام کی اکثریت کو بھوک سے نڈھال فاقہ مست اور بے یار و مدد گار دیکھنا پسند کرتے ہیں تاکہ انہیں فیکٹریاں اور کارخانے چلانے کیلئے سستی اور وافر مقدار میں لیبر میسر آتی رہے وہ انہیں جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دبا کر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کا شعور بیدار نہ ہو اور وہ کسی مرحلہ پر بھی سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہ ہوں۔ مخلوقِ خدا اور انسانیت کا بھلا نہ چاہنے والے فرعون سرشت حکمرانوں کے ایوانوں میں آنے والا یہ زلزلہ اور انکی نیندیں اڑا دینے والا یہ انقلاب اس حقیقت کا نشان تھا کہ اب ان کے محاسبہ کا وقت آگیا ہے اور اب نظام عالم کے نئے انقلابی دور کا آغاز ہونے والا ہے۔

یہی مصطفوی انقلاب کی صبح درخشاں تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے یوم کامل میں بدل گئی۔ اور اس عظیم دن کے طلوع کے بعد زبانِ مصطفٰے ﷺ سے اعلان ہوا کہ اب میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور دور نہیں آئے گا۔

اَنَا وَالسَّاعَۃَ کَھَاتَیْنِ (الحدیث) میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند ہیں۔

آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور انگشتِ وسطی کو ملا کر اشارہ فرمایا۔

باب۔ ۵

اُمِمِ سابقہ میں ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور

بشاراتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی آخرالزمان ﷺ کی ولادت و بعثت کا واقعہ تاریخ انسانی کا سب سے اہم واقعہ ہے جسے پہلی امتوں کے ہر دور میں بھی سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل رہی۔ خواص و عوام اپنی دینی محفلوں میں بڑی دلچسپی اور محبت سے اس کا ذکر کرتے اور ایمان کی حرارت سے اپنے دلوں کو گرماتے تھے۔

حضرات انبیاء کرام اور رسولان عظام، ارباب صدق و صفا اور اہل علم و بصیرت نے بڑی محبت اور وارفتگی کے ساتھ اس کو عام کیا، اس کی جزئیات و تفصیلات بیان کیں اور اپنی اپنی قوموں اور اولادوں کو اسے پیار سے سننے، یاد رکھنے، آگے سنانے اور عام کرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ یہ زبانوں پہ چڑھ گیا۔ تسلسل کے ساتھ اس تشہیر کی وجہ سے ہر قوم کو ہر دور میں یہ معلوم تھا کہ آخری زمانے میں ایک عظیم نبی تشریف لانے والے ہیں جو انبیاء کے بھی سردار اور کائنات کے تاجدار ہوں گے، وہ سب سے برگزیدہ، عظیم اور آخری رسول ہوں گے، جن کی مثل کوئی نہ ہوگا، قدرت نے انہیں شاہکار تخلیق بنایا ہے جب آئیں گے تو حسن و نور اور نکہت و زیبائی سے دلوں کی کائنات کو بدل کر رکھ دیں گے۔

اہل علم و فکر نے امتوں میں یہ چرچے کیسے پھیلائے، کس انداز سے نبی اکرم ﷺ کا تعارف کرایا اور آپ کی آمد و بعثت کا ذکر کیا اس کی چند جھلکیاں یہ ہیں:

(۱) سطیح اور شق کی بشارت

ربیعہ بن نصر یمن کا حکمران تھا اس نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے وہ دہشت زدہ ہوگیا معبرین کو بلایا اور خواب کی بابت اپنی بے چینی اور پریشانی سے ان کو آگاہ کیا،

وہ بولے: بادشاہ سلامت خاطر جمع رکھیں اور اپنا خواب ارشاد فرمائیں۔ ہم اس کی تعبیر بیان کردیں گے۔

بادشاہ نے کہا: کہ اگر میں نے خواب بتادیا تو تعبیر پر مجھے یقین نہیں آئے گا تم ہی لوگ خواب بھی بتاؤ اور تعبیر بھی!

عجیب قسم کی شرط تھی وہ چکرا گئے لیکن مزاج شاہ کے آگے دم مارنے کی مجال نہ تھی آخر مشورہ کرکے بولے:

اس معیار پر صرف دو افراد پورے اتر سکتے ہیں، ایک کا نام سطیح اور دوسرے کا نام شق ہے۔ بڑے دانا، قیافہ شناس اور روشن ضمیر ہیں وہ اپنے علم و بیان سے آپ کو مطمئن کرسکتے ہیں۔

شاہی انتظامات کے ذریعے پہلے سطیح کو بلایا گیا۔ اس نے خواب کا خلاصہ بتایا کہ بادشاہ نے اندھیرے کا سمندر دیکھا، ہر طرف سیاہی کے ہیبت ناک بادل منڈلا رہے تھے اتنے میں بجلی کا کوندا لپکا، ظلمت کے پردے سے ایک شرارہ نمودار ہوا اور نشیب میں آکر گرا اور ہر شئے کو خاک سیاہ کرکے رکھ دیا، کوئی جاندار اور بے جان اس کی دستبرد سے نہ بچ سکا۔

بادشاہ اچھل پڑا۔ بالکل یہی خواب تھا۔ اب اس کی تعبیر بتاؤ۔

سطیح ایسے لگ رہا تھا جیسے آنے والے دور میں جھانک رہا ہو، یہ اس کے صفائے باطن کی نمود اور دل کی کشادگی تھی۔ بہر حال حاضرین دنگ رہ گئے اور چشم تصور سے مستقبل کو دیکھنے لگے، جبکہ ہر طرف نور بکھرا ہوگا اور قدسی لوگ نور میں نہائے ہوئے آجا رہے ہوں گے۔

وہ بولا ابتدائی دور جنگوں اور آویزشوں میں گزرے گا۔ تمہارے ملک پر حبشی اور پھر ذی یزن کے لوگ حملہ آور ہوں گے۔ پھر ایک سہانا دور آئے گا جب تمام حکومتیں ختم ہوجائیں گی۔

انہیں کون ختم کرے گا، بادشاہ نے حیرت سے پوچھا۔

سطیح نے جواب دیا!

نبی زکی یاتیہ الوحی من قبل العلی.

وہ ایک پاک نبی ہوگا جس پر رب اعلیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوگی۔

اس نے مزید کہا کہ پھر اس نبی کا چرچا زمانے کے آخر تک رہے گا۔

کیا زمانے کا آخر بھی ہے؟ بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔

سطیح نے جواب دیا: ہاں!

یجمع فیہ الأولون والأخرون یسعد فیہ المحسنون ویشقی فیہ المسیئون.

(البدایہ والنھایہ،۲:۲۷۰)

اس میں اگلے پچھلے سب لوگ جمع کر دیئے جائیں گے نیکو کار سعادت اندوز ہوں گے اور بدکردار شقاوت وبدبختی سے دوچار ہوں گے۔

بادشاہ چکرا گیا تمام باتیں اس کے لئے نئی اور باعث حیرت تھیں اتنے میں دوسرا عالم ''شق'' بھی آگیا بادشاہ نے اسے بھی آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔

جب اس سے علیحدگی میں باتیں ہوئیں تو اس نے بھی تقریباً وہی کچھ بتایا جو سطیح نے بیان کیا تھا۔ البتہ الفاظ مختلف تھے۔ شق نے آنے والے نبی کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

رسول مرسل یأتی بالحق والعدل بین أهل الدین والفضل.

وہ نبی مرسل ہیں جو اہل علم وفضل اور دین والوں کے پاس حق وصداقت اور عدل وانصاف کا نور لے کر آئیں گے۔

اور مزید یہ کہ وہ ظلم وشیطنت اور شر وفساد کی حکومت ختم کردیں گے۔ ان کا شہرہ اور فیض نور یوم الفصل تک جاری رہے گا۔

یہ ''یوم الفصل'' کیا ہے؟ بادشاہ نے پوچھا:

جواب ملا۔

یوم تجزی فیہ الولاۃ ویدعیٰ فیہ من السماء بدعوات یسمع منها الأحیاء والأموات ویجمع فیہ بین

وہ فیصلے کا دن ہے جس میں حکام اور بادشاہوں سے بھی باز پرس ہوگی اور انہیں بدلہ دیا جائے گا آسمان سے ندا

الناس للمیقات.
(ابن ھشام، ۱: ۱۸)

آئے گی جسے زندہ اور مردہ سب سنیں گے اور ایک مقررہ جگہ پر جمع ہو جائیں گے۔

کیا یہ سب کچھ ہوگا نبی بھی آئے گا اور فیصلے کا دن بھی۔ بادشاہ دنگ رہ گیا۔
شق نے جواب دیا: ہاں اس میں ایک ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔
سطیح عجیب و غریب شخصیت کا مالک تھا ایسے پتہ چلتا تھا جیسے علوم اس پر القاء ہوتے ہیں۔ وہ عبد شمس اور عبد مناف کے دور میں مکہ مکرمہ آیا تھا اور اس سرزمین کو دیکھ کر کہتا تھا:

لیخرجن من ذا البلد، نبی مھتد، یھدی الی الرشد یرفض یغوث والفند، یبرا عن عبادہ الضدد یعبد ربا انفرد.
(البدایہ والنھایہ، ۲: ۲۷۰)

اس سرزمین سے خدا کے سنوارے ہوئے ہدایت یافتہ نبی ظاہر ہوں گے جو اصلاح و ارشاد کا درس دیں گے بت پرستی اور جھوٹ کے قریب بھی نہیں جائیں گے اور وحدہ لاشریک رب کی عبادت کریں گے۔

(۳) حضرت دانیال کی بشارت

بادشاہت کی تاریخ میں بخت نصر ایک عجیب متضاد کردار ہے جس کے مزاج میں وہ تمام باتیں سمائی ہوئی تھیں جو بادشاہت کا خاصہ ہوتی ہیں اور ایک مطلق العنان شخص کو کیا سے کیا بنا دیتی ہیں۔ بخت نصر نے ایک حکم جاری کیا جس نے اہل دربار کا سکون چھین لیا ہر طرف بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ ہوا یوں کہ بخت نصر نے ایک خواب دیکھا مگر بیدار ہوتے ہی بھول گیا صرف اتنا یاد رہا کہ خواب بڑا حیرت انگیز اور عجیب و غریب تھا۔
ارکان سلطنت کو بلا کر نادر شاہی حکم جاری کیا کہ بتاؤ! ''میں نے کیا خواب دیکھا ہے؟''
زلہ خواران نعمت نے دست بستہ عرض کیا، ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟
بخت نصر نے درباریوں کو حکم دیا کہ تمہیں مہلت دی جاتی

ہے تین دن کے اندر خواب مع تعبیر پیش کر دو ورنہ سب کو قید حیات سے رہائی دلا دی جائے گی۔ سب کو جان کے لالے پڑ گئے موت آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی یہ شاہی حکمنامہ حضرت دانیال علیہ السلام کے کانوں تک بھی پہنچ گیا۔آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا! بادشاہ کو جا کر بتادو! میں خواب مع تعبیر بیان کر سکتا ہوں۔ ساتھی نے کہا! مزاج شاہاں بہت نازک ہوتا ہے' خدانخواستہ خواب بادشاہ کے مزاج پر گراں گذرا یا اسے پسند نہ آیا تو آپ کی ذات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور میں آپ کے لئے یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہیں اگرچہ میں جانتا ہوں یہ خواب مع تعبیر اگر کوئی بیان کر سکتا ہے تو وہ صرف آپ ہیں۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا۔

لا تخف علی فان لی ربا' یخبرنی بما شئت من حاجتی	تو کوئی اندیشہ نہ کر! میرا ایک رب ہے' ضرورت پڑنے پر وہ مجھے حسب خواہش ہر چیز کا علم دے دیتا ہے۔
دلائل النبوۃ لابی نعیم' ۵'۱۴	

پیغام رسانی کے بعد حضرت دانیال کو دربار شاہی میں طلب کر لیا گیا۔

بخت نصر اپنے سر پر تاج شاہی رکھے' تخت پر پورے جاہ و جلال کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا' دربار کے آداب میں یہ بات داخل تھی کہ ہر آنے والا بحضور شاہ سجدے میں گر جاتا تھا۔

حضرت دانیال گئے' لیکن سجدہ نہ کیا۔

یہ عمل اس کے خلاف بغاوت کے مترادف تھا جسے بادشاہ نے بطور خاص محسوس کیا اور وقار شاہی قائم رکھتے ہوئے سب کے سامنے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ تخلیہ کا حکم دیا۔جب سب لوگ چلے گئے تو حضرت دانیال علیہ السلام سے پوچھا۔

تو نے شاہی آداب اور درباری تقاضے ملحوظ نہیں رکھے' کیا وجہ ہے؟

حضرت دانیال علیہ السلام نے جواب دیا۔

ان لی ربا آتانی هذا العلم الذی	میرے علم کی ایک خاصیت ہے' جو تو

سمعت به علی ان لا أسجد لغیره، فخشیت ان أسجد لک فینسلخ عنی هذا العلم، ثم أصیر فی یدک امیا فلا تنتفع بی فتقتلنی فرایت ترک السجدة أهون من قتلی.

نے سن لی، یہ علم عطا کرنے والا میرا ایک رب ہے۔ اس کا حکم ہے میں اس کے سوا کسی کو سجدہ نہ کروں۔ مجھے خوف ہوا کہ اگر میں نے تجھے سجدہ کردیا تو وہ میرا علم چھین لے گا پھر میں تیرے سامنے بے علم رہ جاؤں گا اور تو مجھے قتل کردے گا۔ اس لئے میں نے قتل کی بجائے سجدہ نہ کرنے کو آسان سمجھا۔

بخت نصر خوش ہوگیا اور بولا: اپنے مالک کے وفادار اور اطاعت گزار لوگ مجھے بہت پسند ہیں، اپنے رب کو راضی رکھنے کے لئے تو نے جو کچھ کیا میں اس سے بہت خوش ہوں۔ اب اس نے خواب کی بات کی۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا:

خواب: ''تو نے ایک بہت بڑا بت دیکھا ہے، جس کے پاؤں زمین پر تھے مگر سر آسمان تک پہنچا ہوا تھا۔ اس کا بالائی حصہ سونے کا، پیٹ چاندی کا اور نچلا حصہ تانبے کا تھا۔ پاؤں مٹی کے بنے ہوئے تھے، اچانک آسمان سے ایک پتھر گرا جس نے بت کے تمام حصوں کو پاش پاش کردیا، پھر وہ پتھر بڑھنے لگا۔ بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھ گیا اور ہر طرف اس طرح پھیل گیا کہ اور چیزیں نظر آنا بند ہوگئیں''۔

تعبیر: بت سے مراد مروجہ مذاہب و رسوم اور بت پرستی کے طور طریقے ہیں، پتھر سے مراد اللہ کا دین ہے جو باطل ادیان عالم کو مٹا کر رکھ دے گا اور خود ہر طرف پھیل جائے گا۔

یبعث اللّٰه نبیا امیا من العرب فیدوخ اللّٰه به الامم والأدیان فیمحص اللّٰه به الحق ویزهق به

اللہ تعالیٰ ایک نبی امی کو مبعوث فرمائے گا۔ اور تمام جھوٹے ادیان و امم کا قلع قمع کردے گا۔ اللہ تعالیٰ

الباطل و یهدی بہ الضلالۃ و یعلم بہ الامیین و یقوی بہ الضعفۃ و یعز بہ الاذلۃ و ینصر بہ المستضعفین
(دلائل النبوۃ ' لابی نعیم: ۴۷)

اس نبی کے ذریعے حق کو خالص کرے گا' باطل کو مٹائے گا گمراہوں کو ہدایت اور ان پڑھوں کو علم عطا کرے گا اس کی بدولت ضعیفوں کو قوت اور ذلیلوں کو عزت بخشے گا اور کمزور و ناتواں لوگوں کی مدد فرمائے گا۔

(۴) مقوقس والی اسکندریہ کا بیان

مغیرہ بن شعبہ اسکندریہ پہنچے تو اسکندریہ کے حکمران اور قبطیوں کے سربراہ مقوقس نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا اور مکہ میں مبعوث ہونے والے نبی کے بارے میں استفسار کیا۔

مغیرہ نے جواب دیا۔

"میں اس نئے دین میں دلچسپی نہیں لے رہا اس لئے تفصیلات بتانے سے قاصر ہوں' البتہ اتنا جانتا ہوں' وہ خدا کی وحدانیت کے اقرار پر بہت زور دیتے ہیں اور شرک و بت پرستی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ بدکاری' سود خوری' قتل و غارت' ظلم و ستم اور بچیوں کو زندہ درگور کرنے کے خلاف بھی ان کا موقف بہت سخت ہے۔ مجموعی طور پر ان کی تعلیمات اخلاقیات پر مبنی ہیں"۔

مقوقس بڑا عالم اور توراۃ و انجیل کے مندرجات سے آگاہ تھا۔ بڑے حکیمانہ اور نصیحت آموز انداز میں گویا ہوا۔

هو نبی مرسل الی الناس کافّة ولو أصاب القبط والروم تبعوه وقد أمرهم بذالک عیسی بن مریم و هذا الذی تصفون منه بعث به الأنبیاء من قبله و ستکون له

"وہ نبی مرسل ہیں' اور تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں' اگر وہ قبط اور روم میں تشریف لاتے تو سب ان کے پیروکار بن جاتے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ان لوگوں کو یہی حکم دیا

العاقبة، حتی لا ینازعہ أحد و یظهر دینه
(دلائل النبوۃ، ۱:۴۸)

تھا۔ نیز جن تعلیمات کا تو نے ذکر کیا ہے وہ انبیاء کرام کی تعلیمات ہیں، وہ انہی کے ساتھ مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ یاد رکھو! آخر کار وہ کامیاب ہوں گے کوئی ان کے ساتھ ٹکر لینے والا نہ رہے گا اور ان کا دین غالب آجائے گا"۔

یہ سن کر مغیرہ مرعوب ہو گیا کہ بادشاہ بھی ان کی تعریف و ستائش کرتے ہیں اور ان کے مستقبل کے بارے میں پر امید ہیں وہ سوچنے لگا۔

ملوک العجم یصدقونه و یخافونه فی بعد أرحامهم منه و نحن أقرباءه و جیرانه لم ندخل معه قد جاءنا داعیا الی منازلنا
(دلائل النبوۃ، ۱:۴۹)

"عجم کے بادشاہ ان کو سچا جانتے ہیں، اور ان سے ڈرتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ ان کے رشتہ دار نہیں اور ہم ان کے پڑوسی اور قریبی رشتہ دار ہیں پھر بھی ان پر ایمان نہیں لائے حالانکہ وہ ہمارے گھر میں داعی بن کر آئے ہیں"۔

مقوقس کی اس بات سے مغیرہ کے دل میں جستجو پیدا ہوئی کہ اسکندریہ آئے ہوئے ہیں اب ان کے بارے میں تمام معلومات جمع کر لینے کا بہترین موقع ہے یہ سوچ کر اسکندریہ کا ہر کلیسا اور گرجا چھان مارا۔

ایک پادری بہت ہی ریاضت پسند، عبادت گذار اور پرہیز گار تھا، مغیرہ کہتے ہیں میں اس کے پاس گیا اور پوچھا:

أخبرنی هل بقی أحد من الأنبیاء،

مجھے بتاؤ! کیا کوئی نبی باقی رہ گیا ہے؟

قال نعم۔ وهو آخر الانبیاء لیس

اس نے جواب دیا، ہاں، اور وہ خاتم

بینہ و بین عیسی بن مریم أحد و هو نبی قد أمرنا عیسی بأتباعه و هو النبی الأمی العربی أسمه أحمد
(دلائل النبوۃ '۱:۴۹)

النبین ہیں' ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں ان کی اتباع کا حکم دیا ہوا ہے۔ وہ نبی امی اور عربی ہیں اور ان کا اسم گرامی "احمد" ہے۔

"اس نے مزید بتایا کہ ان کا قد مبارک درمیانہ اور آنکھوں میں سرخی ہے۔ موٹا کپڑا پہننا پسند فرماتے ہیں' ان کے دوست احباب ان کے عاشق اور فدا کار ہیں' اپنی اولاد سے بھی زیادہ ان سے پیار کرتے ہیں۔"

مغیرہ بن شعبہ ؓ بیان کرتے ہیں میرے دل پر ان تصریحات کا ایسا مثبت اثر ہوا کہ میں واپس آتے ہی مسلمان ہو گیا پھر میں نے حضور علیہ السلام کو مقوقس اور پادری کی باتیں سنائیں' آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا!

اپنے دوستوں کو بھی یہ سب باتیں سناؤ۔ (دلائل النبوۃ 'ابو نعیم:۴۹)

(۵) تجارتی قافلے ملک شام جاتے رہتے تھے۔ عدی بن ربیعہ 'یزید بن عمرو' سفیان بن مجاشع اور اسامہ بن مالک شام گئے تو ایک تالاب کے کنارے اترے قریب ہی ایک گرجا تھا اس کا پادری غیر ملکی عرب سواروں کو دیکھ کر قریب آگیا' اس کے چہرے پر شفقت کی شفق پھوٹ رہی تھی جیسے ان پر محبت اور پیار کے سمندر انڈیلنا چاہتا ہو بڑے ملائم اور دلکش لہجے میں بولا!

میں تمہیں ایک بہت بڑی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سنو!

أنه يبعث منكم و شيكا نبي' فسارعوا إليه فقلنا ما أسمه قال: محمد
(فتح الباری شرح البخاری '۶:۵۵۶)

"عنقریب تم میں ایک نبی مبعوث ہوں گے ان پر جلدی سے ایمان لے آنا۔ ہم نے پوچھا ان کا نام کیا ہے جواب دیا "محمد"۔

(۶) امیہ بن ابی الصلت عرب کا ایک زاہد مزاج اور اپنے زعم میں بڑا عبادت گذار شخص

تھا۔ موٹے کھردرے کپڑے پہنتا اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا۔ اس کی ابو سفیان کے ساتھ دوستی تھی۔ اس دوستی کے ناطے اس نے ایک دفعہ ابو سفیان کو بتایا!

انّی أجد فی الکتب صفۃ نبی یبعث من بلادنا
(فتح الباری شرح البخاری '۶:۵۸۳)

"میں کتب سابقہ میں ایک نبی کا تذکرہ پاتا ہوں جو ہمارے ملک میں مبعوث ہوں گے"۔

ابتدا میں میرا تصور یہ تھا کہ میں ہی وہ نبی ہوں اپنی عبادت و ریاضت ' دین و دانش ' راست بازی اور اخلاقی برتری کو دیکھتے ہوئے مجھے پکا یقین تھا کہ کسی موزوں موقع پر خدا کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہو گی اور میں نبی کی حیثیت سے مبعوث کر دیا جاؤں گا۔

مگر بعد میں مجھ پر یہ راز منکشف ہوا کہ وہ نبی "بنو عبد مناف" سے ہو گا۔ میں نے اس قبیلے کے افراد کا جائزہ لینا شروع کیا کہ کون اخلاقیات عالیہ کا حامل ہے اور نبوت کے مزاج اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قریب تر ہے۔ میری نظر "عتبہ" پر جا کر اٹک گئی۔ بڑا اصول پسند ' رکھ رکھاؤ والا وضعدار آدمی دکھائی دیتا تھا مگر جب چالیس سال سے تجاوز کر گیا اور اس پر وحی نازل نہ ہوئی تو میرا خیال بدل گیا اور ذہن نے کہا یہ بھی وہ نہیں ہے۔

ابو سفیانؓ راوی ہیں۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو میں امیہ بن ابی الصلت کے پاس گیا اور حضور کے بارے میں اس کی رائے پوچھی۔ اس نے جواب

اما انہ حق فاتبعہ

خبردار! بے شک وہ سچے ہیں تم ان پر ایمان لے آؤ

میں نے کہا تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟

بولا! میں لوگوں کو بتایا کرتا تھا کہ میں ہی وہ نبی ہوں اب دوسرے کو نبی ماننے اور اس کی پیروی کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری '۶:۵۸۳

باب۔ ۶

شانِ یتیمی کے ساتھ ولادت کی حکمتیں

یتیم اُس بچے کو کہتے ہیں' جو بچپن ہی میں اپنے ماں باپ کی شفقت و محبت اور ان کے سدا بہار خنک سائے سے محروم ہو گیا ہو' بے شک ماں باپ ہی مستقبل کے معمار اور مخلص و مہربان مربی ہوتے ہیں' ایسی تربیت کرتے ہیں کہ بچہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاتا ہے اور فیض تربیت اور برکتِ صحبت کے باعث منازلِ ارتقاء طے کرنے لگ جاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ ایک یتیم اور بے سہارا بچہ معاشرے میں صحیح مقام حاصل نہیں کر سکتا اور جوہر قابل ہونے کے باوجود بالعموم ذاتی صلاحیتیں کھو بیٹھتا ہے' کیونکہ بچپن میں کوئی صحیح ہمدرد مربّی اس کے سر پر نہیں ہوتا اور وہ تنہائی کے باعث زندگی کی جدوجہد میں مات کھا جاتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تعلیم و تربیت اور فروغ وارتقاء کے لئے ماں باپ کا وجود اتنا ہی ضروری ہے تو پھر قدرت نے کائنات کے سب سے برگزیدہ رسول اور عظیم المرتبت نبی کے لئے ان کے ماں باپ کو زندہ کیوں نہ رکھا' اور انہیں شان یتیمی کیوں عطا کی؟ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ وہ ان کے سر پر زندہ رہتے اپنی بے پناہ شفقتیں اور محبتیں نچھاور کرتے اور ان کی اس طرح نگہداشت و تربیت کرتے جیسی تربیت کرنے کا حق ہوتا۔ آخر یتیم پیدا کرنے میں کونسی حکمت کار فرما تھی اور اس طریقے سے کس پہلو کی تکمیل مقصود تھی۔

یہ سوال جتنا اہم ہے' اس کا جواب اتنا ہی آسان ہے۔ حضور سید الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ عالی' آپ کے فضائل و شمائل' بے مثل خصائص و اعمال اور عالی پایہ احوال و مقامات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے اس مبارک و برگزیدہ اور پاک و مطہر ہستی کو شاہکار کامل کی صورت میں تخلیق کیا ہے' کوئی ایسی خوبی اور صفت چھوڑی ہی نہیں جو اس میں نہ بھر دی ہو۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حسنِ ظاہری و معنوی اپنی کامل ترین صورت میں آپ ﷺ کی ذات میں جلوہ گر ہے،

خلقت مبرأ من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء

پہلی حکمت

کمال یہی ہے کہ قدرت نے ماں باپ کے بغیر اپنے محبوب کو ہر قسم کی خوبی و کمال سے نوازا ہے اور حسن کی ہر زیبائی و دلکشی کے ساتھ یوں سنوارا ہے کہ ماں باپ بھی ہوتے تو یہ شانیں اور ادائیں نہ بھر سکتے، شانِ یتیمی عطا کرنے میں پہلی حکمت اپنے محبوب کو دوسروں کے زیرِ بار ہونے سے بچانا تھا، اور یہ بتانا تھا کہ یہ باکمال نبی صرف اپنے رب کا مربوب اور تربیت یافتہ ہے دنیا کے کسی انسان کا نہیں یہی حکمت آپ کو "امی" رکھنے میں بھی تھی کہ کسی سے تعلیم حاصل کرنے کا احسان بھی حضور ﷺ پر نہ ہو جس نے اپنی عطائے خاص سے اسے کامل ترین صورت میں پیدا کیا ہے، اور سب کچھ عطا کیا ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یتیم نہ ہوتے تو ان کے جوہر اور نکھرتے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے شانِ یتیمی کے اسی پہلو کو اہم قرار دیا ہے

انما یتم رسول الله ﷺ لئلا یکون علیه حق لمخلوق	نبی اکرم ﷺ کو یتیم پیدا کیا گیا تاکہ کسی مخلوق کا (حتی کہ والدین کا بھی) آپ پر احسان نہ ہو۔
(دحلان: ۳۶) (سبل الہدیٰ، ۱:۳۹۹)	

گویا دنیا میں کوئی یہ دعویٰ نہ کرے کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کو پڑھایا، لکھایا، تعلیم و تربیت سے صلاحیتوں کو جلاء بخشی اور معاشرے میں مؤثر و قابلِ قدر کردار ادا کرنے کے قابل بنایا، یتیم پیدا کر کے یہ امکانات ہی ختم کر دیئے پھر وہ کچھ دیا، جو ماں باپ تو کجا، دنیا کا کوئی مہربان سے مہربان مربی اور سرپرست بھی نہیں دے سکتا، اس طرح کسی کے لئے وجہِ جواز نہ رہی کہ وہ ایسا دعویٰ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور

ﷺ ہی ساری دنیا کے مربّی ہوئے اور دنیا میں سے کوئی شخص آپ کا مربّی نہ بنایا گیا بلکہ آپ کا معلم و مربّی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسری حکمت

حضرت یوسف علیہ السلام' قحط کے زمانے میں پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا کرتے تھے' عموماً بھوکے رہتے اور غرباء و مساکین کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھالیتے' رفیقانِ خاص نے عرض کیا۔

یا حضرت! ہمارے پاس غلے کے انبار لگے ہوئے ہیں' راشن بندی دوسروں کے لئے ہے' آپ تو سیر ہو کر کھانا کھالیا کریں۔

آپ نے جواب دیا! ایک بھوکے شخص کی کیفیات اور اسے پہنچنے والی تکالیف کا وہی اندازہ لگا سکتا ہے' جو خود بھوکا ہو' اسی دور اور اسی حال سے گذر چکا ہو' ایک آسودہ حال اور دولت مند شخص جس کا پیٹ انواع واقسام کے کھانوں سے بھرا ہوا ہو اور ہروقت کھاتا ہی رہتا ہو' وہ ایک بھوکے شخص کے جذبات اور کیفیات کا اندازہ نہیں لگا سکتا اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں بھوکے لوگوں کی کیفیات سے بالکل اسی طرح آگاہ ہوں جیسے وہ خود ہوتے ہیں تو یہ بالکل غیر حقیقت پسندانہ بات ہوگی۔

اسلام نے غرباء اور امراء سب پر روزے فرض کئے ہیں' دولت مندوں کو اس فرض کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا وہ بھی غرباء کی طرح بہرصورت روزے رکھیں اور غریبوں کی طرح بھوک برداشت کریں' خواہ ان کے گھر کھانے کے انبار لگے ہوں۔ تاکہ انہیں عملاً بھوک کا احساس ہو اور تجربے سے پتہ چلے کہ اس حالت میں انسان پر کیا بیتتی ہے۔

حضور رسالت مآب ﷺ کی شانِ یتیمی میں بھی یہی حکمت کار فرما تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو "عالمین" کے لئے رحمت بنایا ہے اور یتامیٰ و مساکین رحمت و کرم کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں' آپ کو یتیم پیدا کیا تاکہ آپ غرباء و یتامیٰ اور مساکین کے مسائل' احوال اور مشکلات سے عملی طور پر آگاہ ہو جائیں' اور جب غنائم تقسیم کرنے کا وقت آئے' تو انہیں دوسروں پر ترجیح دیں' اور سب سے پہلے رحمت و کرم سے انہی کو نوازیں۔

جو لوگ سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں' اور پھر غریبوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بالعموم دھوکہ باز ہوتے ہیں' انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ غربت کسے کہتے ہیں اور غریبوں کی مشکلات کیا ہیں۔ وہ غربت کا نعرہ فقط اپنے مفادات کے لئے لگاتے ہیں اس شان یتیمی میں اس حقیقت کا اعلان تھا کہ یہ نبی جن غریبوں' یتیموں' محتاجوں اور دکھی انسانیت کے لئے نوید انقلاب بن کر آیا ہے۔ وہ خود بھی اسی حال سے گزرا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یتیمی کیا ہے اس لئے جب یہ دکھی اور مجبور وبے کس انسانیت کو بحال کرنے اور اسے اس کا حق دلانے کی بات کرے گا تو یہ آواز اس کے "گلے" سے نہیں بلکہ روح سے اٹھ رہی ہوگی اور اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ تھا کہ انقلاب ایسے ہی حالات کی بھٹی سے کندن بن کر نکلنے والے لوگ لایا کرتے ہیں جاگیردار اور سرمایہ دار نہیں لا سکتے۔

تیسری حکمت

اگر حضور کے والدین کریمین' دنیا میں بقید حیات رہتے تو دوسرے بھائی کا پیدا ہونا بھی خارج از امکان نہیں تھا' بھائی' برادری میں شریک و مثیل اور برابری کا دعویدار ہوتا ہے باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جس بے مثل شان سے نوازا ہے وہ مثیل کی متحمل نہیں تھی' اس لئے آپ کے والدین کریمین ہی کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ امکان مثلیت کی جڑ ہی کٹ جائے اور کوئی مثیل اور شریک ہونے کا دعویدار پیدا ہی نہ ہو۔ اسی طرح کی حکمت آپ ﷺ کے صاحبزادوں میں سے کسی کے جوان نہ ہونے اور بچپن میں ہی وفات پاجانے میں مضمر تھی۔ کیونکہ دیگر انبیاء کے جو بیٹے بالغ اور جوان ہوئے اکثر نبی ہوئے اور نبوت کا سلسلہ ان ہی کی اولادوں میں چلتا رہا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء کی یہی شان رہی ہے۔ اگر حضور ﷺ کا بھی کوئی بیٹا جوان ہو جاتا اور پھر بھی نبی نہ ہوتا تو اس میں دوسرے انبیاء آپ پر جزوی فضیلت اور امتیاز لے جاتے اور اگر وہ نبی بن جاتا تو حضور ﷺ خاتم النبیین نہ رہتے۔ اس لئے آپ کو آخری نبی بھی برقرار رکھا اور کسی دوسرے نبی کو آپ پر امتیاز بھی عطا نہ فرمایا۔ یہی انداز حکمت آپ ﷺ کی شانِ یتیمی میں بھی ہے۔

باب ۔ ۷

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکانِ ولادت

کا

حسین تذکرہ

۱۔ مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کا مقامِ ولادت ایک معروف مکان ہے جو حرمِ کعبہ کے نزدیک سوق اللیل میں واقع ہے۔ اب سوق اللیل سمیت پورا محلہ بنی ہاشم منہدم کر دیا گیا ہے۔ صرف یہی مکان (مولد النبی ﷺ) موجود ہے۔ اب اس جگہ پر ایک پبلک لائبریری "مکتبہ مکہ۔ المکرمہ" کے نام سے تعمیر شدہ ہے جو "وزارۃ الحج والاوقاف" کے زیرِ انتظام ہے اسے الشیخ عباس قطان المرحوم (امین العاصمۃ المقدسۃ) نے جلالۃ الملک شاہ عبد العزیز مرحوم کی اجازت سے تعمیر کیا تھا۔ تاکہ اس جگہ کی حفاظت ہوتی رہے۔

۲۔ امام حسین بن محمد الدیار بکری لکھتے ہیں کہ یہ مکان وراثت میں حضور ﷺ کو ملا تھا پھر آپ ﷺ نے زمانہ ہجرت میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ہبہ فرما دیا۔ چنانچہ یہ مکان حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کی ملکیت اور قبضہ و تولیت میں رہا۔

(تاریخ الخمیس، ۱:۱۹۸)

۳۔ بعد ازاں ان سے حجاج کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی نے ایک لاکھ دینار کے ہدیہ سے خرید لیا اور اس جگہ کو اپنے مکان میں شامل کر لیا جسے "البیضاء" (سفید عمارت) کہا جاتا تھا۔ اسے عرصۂ دراز تک "دار ابن یوسف" بھی کہا جاتا رہا۔

۴۔ امام ابن دحیہ کہتے ہیں ہارون الرشید کی والدہ خیزران جب حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ آئیں تو انھوں نے حضور ﷺ کے مولدِ مبارک کا حصہ دارِ ابن یوسف سے نکال لیا اور اس پر مسجد تعمیر کر دی۔ چنانچہ اس میں نماز پڑھی جانے لگی۔ امام سہیلی بیان کرتے ہیں کہ جب زبیدہ خاتون (ہارون الرشید کی زوجۂ محترمہ) مکہ معظمہ آئیں تو انھوں نے از سرِ نو مولد النبی ﷺ پر مسجد تعمیر کروائی۔

الجامع اللطیف (۲۰۱ ـ ۲۰۲)

السیرۃ الحلبیہ (۱:۵۹ ـ ۶۰)

الروض والانف (۱: ۱۸۴)

فی رحاب البیت الحرام ' الشیخ محمد

بن علوی المالکی المکی ' ۲۶۱ - ۲۶۳)

۵۔ امام تقی الدین محمد بن احمد الفاسی المکی ؒ (قاضی مکہ المتوفی ۸۳۲ ھ) امام ازرقی کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ جب خیزران نے مولد النبی ﷺ کو الدار البیضاء سے الگ کیا اور اس مقام پر مسجد تعمیر کرادی تو اس سے قبل جو لوگ اس مکان میں رہائش پذیر تھے ان کا بیان ہے:۔

أنهم قالوا لا والله ما أصابنا فيه جائحة ولا حاجة فأخرجنا منه فاشتد الزمان علينا۔

(شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ۱: ۲۶۹)

انھوں نے کہا کہ اللہ کی قسم وہاں ہمیں کبھی کوئی پریشانی یا مشکل یا ضرورت نہیں پیش آئی۔ لیکن جب ہمیں وہاں سے نکالا گیا تو ہمارے اوپر مشکلات آنے لگیں۔

۶۔ امام فاسی المکی ؒ نے مولدِ مبارک کی مکانیت کی تفصیلات یوں بیان کی ہیں کہ "یہ ایک مربع شکل کا گھر ہے جس میں ایک ستون ہے اس کی جنوب مغربی سمت میں ایک بڑا زاویہ ہے ' اس مکان کے مشرقی حصے میں ایک دروازہ ہے ' اس گھر میں دس کھڑکیاں ہیں جن میں سے چار مشرقی دیوار میں ' تین شمالی دیوار میں اور ایک مغربی دیوار میں ہے جبکہ دو کھڑکیاں کونے میں ہیں جن میں سے ایک شمالی سمت اور دوسری دائیں طرف واقع ہے اس گھر میں ایک محراب ہے جس کے قریب ایک گڑھا ہے جس پر لکڑی کا جنگلا لگا ہوا ہے اس گڑھے کی پیمائش ساڑھے تین مربع فٹ ہے اسے "ذراع حدید" بھی کہتے ہیں۔

اس گڑھے کے درمیان ایک سبز پتھر ہے جو پہلے چاندی میں لپٹا ہوا تھا جیسا کہ ابن جبیر ؒ نے بیان کیا ہے یہ پتھر ' وہ مخصوص جگہ ہے جہاں حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اس گھر کی لمبائی سوا چوبیس گز ہے۔ یہ ساری پیمائش میرے سامنے کی گئی۔

خلیفہ الناصر العباسی نے ۵۷۶ ھ میں مولد النبی ﷺ کی تعمیر نو کی تھی بعد

ازاں یمن کے بادشاہ المظفر نے ۶۶۶ھ میں' پھر اس کے پوتے المجاہد نے ۷۴۰ھ میں پھر مصر کے امیر شیخون نے ۷۵۸ھ میں پھر مصر کے شاہ الاشرف شعبان کے عہد حکومت میں یلبغا النحاسکی نے ۷۶۶ھ میں' اور مصر ہی کے شاہ الظاہر نے ۸۰۱ھ میں اس کی تعمیر نو کی' اسی نے مسجد حرام کی بھی تعمیر نو کی تھی۔

(شفاء الغرام باخبار البلد الحرام امام فاسی المکی' ۱:۲۷۰)

۷۔ اسی طرح ترکی محقق ابراہیم رفعت پاشا نے مذکورہ بالا بیان کے بعد مزید تفصیلات کا تذکرہ یوں کیا ہے:۔

۹۳۵ھ اور ۹۶۳ھ میں سلطان سلیمان خان نے مولد النبی ﷺ پر واقع گنبد کی از سرِنو تعمیر کی اس نے سونے کے تین قندیل بھی ہدیہ دیئے۔ جن میں سے ایک مولد النبی ﷺ میں اور دو بیت اللہ شریف میں لٹکائے گئے۔ جنہیں معلق کرنے کی سعادت میرے والد "نمی" کو حاصل ہوئی۔ پھر ۱۰۰۹ھ میں سلطان محمد خان ابن سلطان مراد خان نے از سرِنو مولد النبی ﷺ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اس کے اوپر ایک بہت بڑا گنبد اور مینار بنایا گیا اس کے لئے رومی شہروں سے سالانہ آمدنی وقف کی گئی۔ یہاں ایک مسجد بنائی گئی جہاں ایک مؤذن' خادم اور امام کا تقرر کیا گیا ان میں سے ہر ایک کے لئے اعزازیہ مقرر تھا۔ جو ہر سال ان کی طرف بھیجا جاتا پھر سلطنت عثمانیہ نے مولد النبی ﷺ میں ایک مدرس بھی متعین کیا جو وہاں درس دیتا تھا۔ (مراۃ الحرمین' ۱:۱۸۸۔۱۸۹)

۸۔ کتاب "افادۃ الانام باخبار بلاد اللہ الحرام" کے مصنف شیخ عبد اللہ غازی (۱۳۶۵ھ) لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں مولد النبی کے مدرس تھے۔ انہوں نے مزید بیان کیا ہے کہ ۱۲۳۲ھ میں مولد مبارک کی تعمیر نو سلطان محمود خان کے حکم پر محمد علی پاشا نے کروائی پھر اس کی تعمیر بعد ازاں سلطان عبد المجید خان نے بھی کروائی۔

۹۔ بعد ازاں سعودی حکومت کے قیام کے بعد یہ مقام مبارک ۱۳۴۳ھ میں منہدم کر دیا گیا جسے امین العاصمۃ المقدسۃ شیخ عباس بن یوسف القطان نے ۱۳۷۰ھ میں مکتبہ عامہ (پبلک لائبریری) کے طور پر اپنے خرچ سے دوبارہ تعمیر کرایا' اس تعمیر کی تکمیل ان کی

وفات کے بعد ان کے بیٹے شیخ امین بن عباس القطان نے کی۔
پھر شیخ کامل بن ماجد الکردی اور ان کے بھائیوں نے اپنی معروف لائبریری "مکتبہ ماجدیہ" کو اس مکتبہ مولد النبی ﷺ میں منتقل کر دیا۔

(التاریخ القویم لمکۃ و بیت اللہ الکریم '
شیخ محمد طاہر الکردی المکی '۱: ۱۷۰-۱۷۱)

۱۰۔ امام محمد جار اللہ ابن ظہیرۃ بیان کرتے ہیں:

کون ھذا المکان مولدہ ﷺ مشھور متوارث بأثرہ الخلف عن السّلف۔۔ ولا إختلاف فیہ عند اھل مکۃ

اس مکان کا مولد النبی ﷺ ہونا سلف سے خلف تک مشہور و متوارث ہے اور اہل مکہ کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں۔

(الجامع اللطیف '۲۰۱-۲۰۲)

۱۱۔ اسی مولد مبارک کا ذکر امام ابن جبیرؒ نے اپنی کتاب "الرحلۃ" "(سفرنامہ) میں اس طرح کیا ہے۔

ومن مشاھدھا الکریمۃ ایضا مولد النبی ﷺ و التربۃ الطاھرۃ التی ھی اوّل تربۃ مست جسمہ الطاھر بنی علیہ مسجد۔۔ والموضع المقدّس الذی سقط فیہ ﷺ ساعۃ الولادۃ السعیدۃ المبارکۃ التی جعلھا اللّٰہ رحمۃ للامۃ اجمعین محفوف بالفضۃ۔۔ یفتح ھذا الموضع المبارک فیدخلہ النّاس کافۃ متبرکین بہ فی شھر ربیع الاوّل ویوم الاثنین منہ لانّہ

اور اسی طرح شہر مکہ کے مقامات مقدسہ میں سے مولد النبی ﷺ اور وہ خاک مطہرہ ہے جسے سب سے پہلے حضور ﷺ کے جسدِ اقدس کو چھونے کا شرف نصیب ہوا۔ اس مقام پر مسجد تعمیر کی گئی ہے۔۔ اور وہ مقامِ خاص جہاں ولادتِ سعیدہ کی گھڑی میں حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے' جس گھڑی کو اللہ تعالیٰ نے پوری امت کے لئے ساعتِ رحمت بنا دیا ہے' یہ گہری جگہ ہے' جسے مکمل طور پر

كان شهر مولد النبى ﷺ وفى اليوم المذكور ولد ﷺ وتفتح المواضع المقدّسة المذكورة كلها وهو يوم مشهور بمكة دائما
(رحلہ ابن جبیر: ۹۰)

چاندی کے ساتھ مزین کیا گیا ہے مولد النبی ﷺ کا مقام مبارک زیارتِ عام کے لئے ماہ ربیع الاول میں اور پیر کے دن کھول دیا جاتا ہے۔ تمام لوگ اس میں داخل ہوتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں' کیونکہ یہ مہینہ حضور ﷺ کی ولادتِ مقدسہ کا مہینہ ہے اور یہ دن آپ ﷺ کے میلاد کا دن ہے۔ اور اس دن خاص طور پر شہر مکہ کے دیگر تمام مقاماتِ مقدسہ بھی کھول دیئے جاتے ہیں' اور یہ دن (یوم میلاد النبی ﷺ) مکہ معظمہ میں ہمیشہ سے نہایت مشہور دن چلا آرہا ہے۔

۱۲۔ یہ امرِ واقعہ ہے کہ اہل مکہ جملہ اماکنِ مقدّسہ کی زیارت اور دیگر عبادات اور اعمالِ صالحہ کی کثرت کے لئے بھی ہمیشہ سے یوم میلاد النبی ﷺ کو خاص اہمیت دیتے ہیں قدیم زمانوں اور صدیوں سے ان کا یہی معمول چلا آرہا ہے' اس کی تائید اور تصدیق ابن بطوطہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

و باب الكعبة المعظمة فى الصفح الذى بين الحجر الأسود والركن العراقى -- ويفتح الباب الكريم فى كل يوم جمعة بعد الصلاة ويفتح فى يوم مولد رسول الله ﷺ تسليما
(رحلہ ابن بطوطہ المہذب' ۱:۱۰۵)

اور کعبہ معظمہ کا دروازہ جو حجر اسود اور رکنِ عراقی کی سمت میں ہے ...... یہ بابرکت دروازہ ہر یوم جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ اور یوم میلاد النبی ﷺ کو کھول دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ابن بطوطہ نے ازکار (۲۴) میں احوالِ اہلِ مکہ کے ضمن میں قاضیٔ مکہ امام نجم الدین محمد الطبریؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ "وہ یوم میلاد النبی ﷺ کو بڑی عظیم الشان ضیافت کرتے ہیں جس میں شرفائے مکہ سے فقرائے مکہ تک تمام لوگ کثرت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہ دعوت بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے"۔

واضح رہے کہ ابن بطوطہ نے آج سے سات سو سال قبل کے مشاہدات بیان کئے ہیں۔

۱۳۔ امام قطب الدین الحنفیؒ المتوفی ۹۸۸ھ مولد النبی ﷺ (مکان ولادت محمدی ﷺ) کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

و یستجاب الدعاء فی مولد النبی ﷺ وھو موضع مشھور یزار الی الان ومن لحفہ مسجد یصلی فیہ ویکون فی کل لیلۃ اثنین لہ جمعیۃ یذکرون اللّٰہ تعالیٰ ویزار فی اللیلۃ الثانیۃ عشر من شھر ربیع الاول فی کل عام لیجتمع الفقھاء والأعیان علی نظام المسجد الحرام و القضا ۃ الأربعۃ بمکۃ المشرفۃ بعد صلا ۃ المغرب بالشموع الکثیرۃ والمفرغات والفوانیس والمشاعل وجمیع المشائخ مع طوائفھم بالأعلام الکثیر ۃ ویخرجون من المسجد الی سوق اللیل ویمشون فیہ الی

حضور ﷺ کے مولد مبارک پر دعا کی بہت قبولیت ہوتی ہے۔ یہ مقام نہایت مشہور ہے جس کی آج تک زیارت کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ایک مسجد تعمیر شدہ ہے وہاں نماز پڑھی جاتی ہے اور یہاں پر پیر کی رات (شب میلاد) محفل ہوتی ہے جس میں کثیر تعداد میں لوگ ذکر کرتے ہیں۔ ہر سال ۱۲/ ربیع الاول کی رات مولد النبی ﷺ کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس رات باقاعدہ مسجد حرام میں عظیم اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ تمام علاقوں کے علماء، فقہاء، گورنر، مکہ کے چاروں مذاہب کے قاضی اور تمام مشائخ اپنے کثیر احباب کے ساتھ بے

محل المولد الشریف بازدحام ویخطب فیہ شخص

(تاریخ القطبی فی تاریخ مکۃ المشرفۃ "کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" ص۔ ۳۵۵٬۳۵۶)

شمار جھنڈے لے کر مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ وہ ادائیگی نماز کے بعد مسجد حرام سے سوق اللیل کی طرف مولد النبی ﷺ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں، فانوس اور مشعلیں ہوتیں ہیں (گویا وہ مشعل بردار جلوس ہوتا ہے) پھر ایک عالم دین وہاں خطاب کرتا ہے۔

۱۴۔ اسی طرح امام محمد جار اللہ ابن ظہیرۃ المخزومی "مولد النبی ﷺ کے حوالے سے اہل مکہ کا معمول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جرت العادۃ بمکۃ فی لیلۃ الثانی عشر من ربیع الاول فی کل عام انّ قاضي مکۃ الشافعي یتھیاء لزیارۃ ھذا المحل الشریف بعد صلاۃ المغرب فی جمع عظیم منھم الثلاثۃ القضاۃ واکثر الأعیان من الفقھاء والفضلاء وذوي البیوت بفوانیس کثیرۃ وشموع عظیمۃ وزحام عظیم .... تقدم خطبہ مناسبۃ للمقام

(الجامع اللطیف: ۲۰۱٬۲۰۲)

ہر سال مکہ معظمہ میں ۱۲ ربیع الاول کی رات کو اہل مکہ کا یہ معمول چلا آرہا ہے کہ قاضی مکہ جو کہ شافعی ہیں مغرب کی نماز کے بعد لوگوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ مولد شریف کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ان لوگوں میں تینوں مذاہب فقہ کے آئمہ، اکثر فقہاء، اور اہل شہر شامل ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں فانوس اور بڑی بڑی شمعیں ہوتی ہیں پھر وہاں مولد شریف کے موضوع پر خطبہ ہوتا ہے۔

۱۵۔ شیخ محمد رضا مصری نے بھی اہل مکہ کے اس معمول کی تصریح کی ہے وہ کہتے ہیں کہ یوم میلاد کو حضور ﷺ کے مولدِ مبارک کی زیارت کا مذکورہ بالا معمول آج تک چلا

آرہا ہے۔ انھوں نے مکان میلاد کی تاریخ بھی اسی طرح بیان کی ہے جیسے ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں (محمد رسول اللہ "مترجم":۱:۳۱)

۱۴۔

(i) آج مورخہ ۱۸ فروری ۹۴ء بروز جمعۃ المبارک بمطابق ۸ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ نماز فجر کے بعد مکہ مکرمہ کے رفقاء کے ذریعے مولد النبی ﷺ کے بیرونی چاروں اطراف کی پیمائش کی۔ موجودہ پیمائش درج ذیل ہے۔

	فٹ	انچ
فرنٹ	۳۸	۵
عقب	۳۹	۔
لمبائی	۶۹	۔

(ii) آج مورخہ ۱۹ فروری ۹۴ء بروز ہفتہ بمطابق ۹ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ بعد نماز ظہر ۲:۰۰ بجے مولد النبی ﷺ کے اندر حاضری نصیب ہوئی۔ تمام کمروں اور دونوں منزلوں کی زیارت کے ساتھ خاص اس کمرے کی زیارت بھی ہوئی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

امین المکتبۃ الشیخ عبد المالک الطرابلسی نے اس دن مولد شریف کی لائبریری سے ایک غیر مطبوعہ کتاب "افادۃ الانام باخبار بلد اللہ الحرام" کا تحفہ عنایت فرمایا اور اس کے صفحہ اول پر یادگار کے طور پر یہ عبارت رقم کردی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ والصلوۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ ﷺ وبعد

بمناسبۃ زیارۃ سعادۃ البروفیسور محمد طاہر القادری (الباکستانی) لمکتبۃ مکۃ المکرمۃ (مولد النبی ﷺ) أهدیته هذا السفر المبارک وذلک بتاریخ ۱۴۱۴/۹/۹ھ نفعه اللہ امین

مقدمہ امین مکتبۃ مکۃ المکرمۃ

عبد المالک عبد القادر بن علی الطرابلسی

(iii) آج مورخہ ۲۰ فروری ۹۴ء بروز اتوار بمطابق ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ مدینہ شریف کی روانگی سے قبل دوبارہ مولد النبی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اس مرتبہ بھی امین المکتبہ الشیخ عبدالمالک الطرابلسی نے مولد مبارک کا تحفہ "ٹیبل ڈائری" کی صورت میں عنایت فرمایا۔ اس مرتبہ غرفہ مبارکہ (جو خاص مقام ولادت ہے) میں نوافل ادا کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ ادائیگی نوافل کا شرف میرے ہمراہ اہلیہ صاحبہ کو بھی نصیب ہوا (ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء) انہوں نے اندر کی کچھ تصاویر بھی دیں۔ جو اس کتاب کے آخر میں موجود ہیں۔

فہرست تصاویر

مذکورہ تصاویر کتاب کے آخر "حصہ نہم" میں ملاحظہ فرمائیں

حصہ چہارم

جشن میلاد النبی ﷺ

باب-۱

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن و حدیث کی روشنی میں

اللہ نے ہر نعمت کا شکر ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو دل سے یاد رکھ کر ان پر اظہار تشکر کا حکم صادر فرمایا ہے۔ قرآن حکیم کے کئی مقامات اس کی شہادت فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً یہ فرمایا گیا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

(آل عمران ۳: ۱۰۳)

اپنے اوپر (کی گئی) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے قلوب میں الفت و محبت ڈال دی پس تم اس رحمت الٰہی سے بھائی بھائی بن گئے۔

یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت جس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور باہم خون کے پیاسوں کو ایک دوسرے کا غم خوار بھائی بنا دیا۔ ان کی نفرتوں اور عداوتوں کو محبتوں اور مروتوں سے بدل دیا۔ یہ بھی حضور ﷺ کی بعثت کے تصدّق میں نصیب ہوئی۔ اس نعمت کا مبدا و مرجع بھی آپ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

آپ ﷺ کا تشریف لانا تھا اور لوگوں کا آپ ﷺ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہونا تھا کہ سب لوگ خواہ اس سے پہلے دشمن تھے یا دوست' باہم شیر و شکر ہو گئے۔

شکرِ نعم اور سابقہ امم

نعمتوں کو یاد کر کے ان پر شکر بجالانا نہ صرف امت محمدی ﷺ پر واجب ہے' بلکہ سابقہ امتوں کو بھی اس کا حکم دیا جاتا رہا۔ جس طرح بنی اسرائیل سے فرمایا گیا:

يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ

اے بنی اسرائیل میرے وہ احسانات

اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّىۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ (البقرہ ۲:۴۷)

یاد کرو جو میں نے تم پر کئے' اور (اس خصوصی نعمت کو بھی کہ) میں نے تم کو عالمین پر فضیلت دی۔

اس آیت مبارکہ کے بعد قیامت کی ہولناکیوں سے باخبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پھر اپنے احسانات گنواگنوا کر انہیں اپنی نعمتوں کے تذکرے کا حکم دے رہا ہے۔

ارشاد فرمایا:

وَاِذۡ نَجَّيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ (البقرہ ۲:۴۹)

(اور اے آل یعقوب' اپنی قومی تاریخ کا وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے رہائی دی۔ جو تمہیں سخت عذاب دیتے تھے۔

قرآن حکیم نے اس آیت مبارکہ میں قومی آزادی کو ایک نعمت قرار دیا ہے اسی لئے بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ فرعون سے حاصل ہونے والی اس آزادی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

شکر بجالانے کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہر وقت یاد رہے اسے ہر لمحہ اور ہر گھڑی اس نعمت کا احساس ہو اور کسی لمحے بھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا تصور اس کے دل ودماغ سے محو نہ ہونے پائے۔ تاکہ ہر گھڑی بندے کا دل اللہ کے شکر کی کیفیت سے معمور رہے' مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سال بھر یاد رکھنے کے باوجود جب گردش ایام کے بعد وہی دن اور وہی وقت پلٹ کر آتا ہے تو وہ خوشی خود بخود غیر شعوری طور پر کئی گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ انسان کا طبعی اور فطری تقاضا ہے کہ عین اس وقت بطور خاص اس نعمت کو یاد کیا جاتا ہے اور خوشی ومسرت میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔

شان وشوکت سے نعمت کو یاد کرنا زندہ قوموں کا نشان ہے

نعمت کے شکرانے کے طور پر باقاعدگی اور اہتمام سے خوشی ومسرت کا اظہار کرنا اس لئے بھی قوموں پر لازم ہو جاتا ہے تاکہ آئندہ نسلوں پر بھی اس دن کی اہمیت

واضح ہو سکے۔ اگر ہم خدا کے احسانات پر شکرانہ ادا نہیں کرتے اور اپنی تاریخ کے اہم واقعات کو اچھی روایات کے ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل نہیں کرسکتے تو بعید نہیں کہ آنے والی نسلیں اللہ کے ان احسانات سے بھی بے خبر ہو جائیں اور ان کی نظروں سے اس دن حاصل ہونے والی نعمت کی قدر و منزلت بھی محو ہو جائے۔ دریں حالات شکر الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ سال بھر تو عام شکر بجالایا جاتا رہے، لیکن جب وہ دن آئے جس دن وہ نعمت ملی تھی اس دن شکر کے ساتھ ساتھ خوشیاں بھی شامل ہو جائیں اور وہ خود بخود جشن ہو جائے تاکہ آئندہ نسلوں پر اس دن کی حقیقت کھل کر واضح ہو جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى

(البقرہ، ۲:۵۷)

اور (یاد کرو جب تم فرعون کے غرق ہونے کے بعد شام کو روانہ ہوئے اور میدان تیہ میں سرگرداں پھر رہے تھے تو) ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تمہارے لئے من وسلویٰ اتارا۔

اے بنی اسرائیل! جب تمہیں فراعین مصر کی غلامی سے نجات ملی اور دریائے نیل سے ہم نے گزار کر تمہیں سینا کی وادیوں میں پہنچایا تو وہاں سخت دھوپ تھی۔ اللہ نے چاہا کہ جہاں میں نے تمہیں اتنی نعمتیں عطا کی ہیں وہاں ایک مہربانی یہ بھی کردوں تو بادلوں کو حکم دیا کہ وہ تم پر سائبان کی صورت میں سایہ زن ہو جائیں۔ اب یہ بھی بظاہر ایک واقعہ ہے مگر یہاں اس کا ذکر بھی بطور نعمت ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے من وسلویٰ کی نعمت نازل کی۔ یہاں سے بھی یہ واضح ہو رہا ہے کہ "من وسلویٰ" صرف کھانے کے لئے ہی تم پر نہیں اتارا گیا تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ اس کو بطور نعمت عمر بھر یاد رکھا جائے اور اس پر اللہ کی بارگاہ میں شکر بجالایا جائے۔

الغرض قرآن نے بیشتر مقامات پر اللہ رب العزت کی خاص خاص نعمتوں کو ان خاص ایام کے حوالے سے یاد رکھنے کا حکم دیا ہے۔

سابقہ کتب میں ایام نعمت کو بطور عید منانے کا حکم

قرآن مجید نے تو ان نعمتوں کا ذکر اجمالاً کیا ہے تاکہ یہ تصور بطور سنت تازہ رہے، لیکن جن قوموں پر یہ نعمتیں نازل ہوئیں، ان کی کتابوں میں یہ تذکرے بالتفصیل درج ہیں۔ آج بھی بائیبل کو اٹھائیں تو (التوراۃ کی) "کتاب خروج کے تینتالیسویں باب" میں درج ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جس دن میں نے تمہیں فرعونِ مصر کی غلامی سے آزادی دلائی تھی، اس دن کو بطور عید مناتے رہنا اور سال بھر میں تین عیدیں منانا۔

اللہ تعالیٰ اس خوشی اور نعمت کے دن کو بطور عید خصوصی طور پر منانے کا حکم دے رہا ہے۔ بائیبل کے اسی باب میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جس دن تمہارے خداوند نے تمہارے اوپر بادلوں کا سائبان بنایا اس دن کو سات دن تک بطور عید مناتے رہنا اور یہی اصول اور آئین تمہارے لئے نسل در نسل رہے گا۔ مزید یہ کہ ان سات دنوں میں سائبان تان کر رکھنا، تاکہ تمہاری آئندہ نسلوں تک اس سائبان کی نعمت کا تصوّر اچھی طرح منتقل ہو سکے۔ اور سائبان کا حکم اس لئے بھی دیا تاکہ لوگوں کو دیکھ کر خوشی اور مسرت ہو کہ واقعی یہ اتنی بڑی نعمت ہے۔ اور ساتھ ہی اس کا عملی مظاہرہ بھی ہو جائے۔

نعمتوں پر خوشی منانا سنت انبیاء ہے

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی امت کے لئے مائدہ کی نعمت طلب کی تو یوں عرض کیا:

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ

(المائدہ ۵:۱۱۴)

اے (ہمارے پروردگار) ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما کہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے وہ عید (یعنی خوشی کا دن) بن جائے اور یہ خوان تیری طرف سے (تیری قدرت کاملہ کی) نشانی ہو۔

قرآن مجید نے اس آیت میں نبی کی زبان سے یہ تصور دیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی نعمت اترے اس دن کو بطور عید منانا اس نعمت کے شکرانے کی اعلیٰ صورت ہے۔ نیز اسی آیت کریمہ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ عید کے طور پر یہ خوشی وہی مناتے ہیں جو اس نعمت میں اللہ کے نبی کی امت کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔

"اوّلنا" اور "آخرنا" میں جمع متکلم کا صیغہ اس طرف دلالت کر رہا ہے کہ میری امت کے دور اوائل اور دور اواخر میں میرے سب امتی اس دن کو عید کے طور پر منائیں گے گویا عید وہی منائے گا جو ہم میں سے ہوگا کیونکہ اسے ہمارے اوپر اترنے والی اس نعمت کی خوشی ہوگی بالفاظ دیگر جسے اس نعمت کی خوشی نہیں ہوگی وہ ہم سے لاتعلق ہوگا۔ اور وہ اس دن کو بطور عید بھی نہیں منائے گا۔ اس شخص کو عید منانے کی ضرورت نہیں جو اس خوشی میں ہمارے ساتھ شریک نہیں۔ یہاں قرآن مجید نے اپنے دلوں کے احوال پرکھنے کے لئے ایک معیار دے دیا ہے کہ آپ بھی "اوّلنا" اور "آخرنا" میں ہیں یا نہیں؟ وہ تو عیسیٰؑ کی امت تھی اور ہم آقائے دوجہاں ﷺ کی امت ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مائدہ کی نعمت تھی اور یہاں ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کی نعمت ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے بھی یہی معیار قرآنی ہے کہ جب ماہ ربیع الاول میں حضور ﷺ کی ولادت کے دن آئیں یا عید میلاد آئے اور ہمارا دل خوشیوں اور مسرتوں سے معمور ہو جائے تو سمجھ لیں کہ ہم بھی "اوّلنا و آخرنا" میں شامل ہیں اور اگر اس کے برعکس اس خوشی کے حوالے سے دل میں ہچکچاہٹ، شکوک و شبہات اور مزاحمت کی کیفیت ہو تو چاہیے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ اس لئے کہ یہ انتہائی خطرناک بیماری ہے۔ اس موقع پر حجتیں قائم کرنا اور میلاد النبی ﷺ پر دلیلیں تلاش کرنا محبت کی علامت نہیں۔ اس لئے کہ اہل محبت محبوب کے لئے اظہار محبت میں کسی دلیل یا حجت کے محتاج نہیں ہوتے اور نہ وہ وہاں عقل سے فتوے لیتے ہیں بلکہ اطمینان قلب کے لئے کوچہ محبوب کی خاک بھی چھاننا پڑے اور اس کے نعلین سر پر رکھنے کو مل جائیں تو وہ فی الواقع اپنے آپ کو تاجدار سمجھتے ہیں۔ بقول مولانا حسن رضا

۵ سر پہ رکھنے کو جو مل جائے نعل پاک حضورؐ
پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

نعمت کا شکر بجالانے کے مختلف قرآنی طریقے

نعمتوں پر شکر بجالانے کی حکمت، وجوب اور سابقہ امتوں کے عمل سے اس کی کئی مثالیں گزر چکی ہیں۔ اب ہم بالاختصار نعمتوں پر شکر بجالانے کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہیں جن کی سند بھی قرآن نے ہی فراہم کی ہے۔

۱۔ ذکر نعمت

قرآن مجید نے نعمتوں کا شکر بجالانے کی پہلی صورت یہ بیان کی ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت کو یاد رکھا جائے، جیسا کہ قبل ازیں بنی اسرائیل پر کی گئی نعمتوں کے تذکرے میں ہم نے سورہ بقرہ کی یہ آیت بیان کی ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ (البقرہ، ۲:۴۷)

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری وہ نعمتیں جو میں نے تم پر کیں۔

اسی طرح سورہ آل عمران کی یہ آیت بھی ضمناً اوپر آچکی ہے جہاں اللہ نے بنی نوع انسان کو حکم دیا کہ وہ اس کی نعمت کو یاد کریں:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران، ۳:۱۰۳)

اپنے اوپر (کی گئی) اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اس نے تمہارے قلوب میں الفت و محبت ڈال دی۔ پس تم اس رحمت الٰہی سے بھائی بھائی بن گئے۔

۲۔ تحدیث نعمت

نعمت کا شکر بجالانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا اظہار کرے خوشی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرے اور اس نعمت کا ذکر مخلوق میں عام کرے ذکر نعمت کے طریقوں میں تشکراً جملہ طاعات و عبادات بھی داخل ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ
(الضحیٰ '۹۳:۱۱)

اور آپ کے پروردگار نے جو آپ کو نعمت عطا فرمائی ہے' اس کا بیان کرتے رہیں۔

نعمت الٰہیہ کا چرچا کرنا بھی شکر بجالانے کی صورت ہے۔

ذکر نعمت اور تحدیث نعمت میں فرق

پہلے ذکر نعمت کا حکم دیا گیا جس کا معنی یہ ہے کہ اس نعمت کو اپنے دل میں یاد رکھا جائے اور زبان سے ذکر کیا جائے۔ لیکن وہ ذکر لوگوں کے لئے نہیں صرف اللہ کے لئے تھا اور جب تحدیث نعمت کا حکم ہوا کہ کھلے بندوں اس نعمت کا تذکرہ کرو تو اس کا مفہوم یہ ہے' مخلوق خدا کے سامنے اس کو بیان کرو تاکہ خلق خدا میں اس کا چرچا ہو اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیلے۔ اور دوسرے اہل ایمان بھی اس خوشی میں شریک ہوں "تحدیث" میں اجتماعیت پیدا ہو جاتی ہے اور پوری قوم اس ذکر میں شریک ہوتی ہے اور یوں اس نعمت کی اہمیت انفرادی سطح کے علاوہ قومی و ملی سطح پر بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔

۳۔ عید منانا

ذکر نعمت اور تحدیث نعمت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی عنایات کریمانہ پر شکر کے اظہار کی تیسری صورت یہ ہے کہ اس خوشی کا اظہار جشن اور عید کے طور پر کیا جائے۔

پہلی امتوں میں بھی ادائے شکر پر یہ وطیرہ تھا جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ یہ حکم الٰہی اور سنت انبیاء ہے' جس دن اللہ کی کوئی خاص نعمت میسر آئے تو سابقہ امتیں اس دن کو بطور عید مناتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں ملتجی ہوئے۔

رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا
(المائدہ '۵:۱۱۴)

"اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نعمت نازل فرما' تاکہ

ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے وہ
دن یوم عید بن جائے"

یہاں مائدہ کی نعمت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کو عید منانے کا حکم فرماتے ہیں جبکہ آمد مائدہ کی فخرِ موجودات سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد سے کیا نسبت ہے۔ کہاں آسمانی کھانوں کے دستر خوان کا اترنا اور کہاں مقصود تخلیق کائنات ﷺ کا دنیا میں تشریف لانا۔ جب عمومی نعمتوں کے نزول پر عید منانا انبیاء علیہم السلام کی سنت اور اللہ کے حکم کی پیروی قرار پائی تو اس نعمت عظمیٰ کے حصول پر یہ امت عید کیوں نہ منائے جس کے توسط سے کائنات ہست وبود کو یہ ساری نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔

۴۔ خوشی منانا

اظہارِ تشکّر کے طور پر خوشی اور جشن منانا نعمت کے شکرانے کی چوتھی صورت ہے بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع عنصر شامل نہ ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ
(یونس '۱۰:۵۸)

آپ فرما دیں کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث اس پر خوشی مناؤ۔ یہ خوشی منانا ان چیزوں سے جو وہ جمع کر رہے ہیں کہیں بہتر ہے"۔

اس آیت میں ان تمام صورتوں کے علاوہ حصول فضل ورحمت پر خوشی اور جشن منانے کا حکم ہے سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل اور رحمت کیا ہے۔

اللہ رب العزت نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا
(النساء '۴:۸۳)

اور (اے مسلمانو!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے سوائے چند ایک کے سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔

اس آیت کی تشریح میں اکثر ائمہ تفسیر نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہاں اللہ کے فضل اور رحمت کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اللہ جل مجدہ مسلمانوں سے مخاطب ہیں کہ اگر حضور ﷺ کی ذات گرامی مبعوث نہ ہوتی تو تم میں سے اکثر گمراہ ہو جاتے اور شیطان کے پیروکار بن کر تباہ و برباد ہو جاتے۔ یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہدایت کی راہوں سے بھٹکی ہوئی انسانیت میں اپنا محبوب مبعوث فرمایا اور لوگ شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچ گئے۔ اس رسول ﷺ نے آکر کیا کیا' اس کی تصریح بھی خود قرآن فرما رہا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○
(الجمعہ' ۶۲:۲)

وہی (اللہ) ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے۔

جس رسول ﷺ نے آکر ان کفر و ضلالت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات سنائیں' اور اپنے اعجاز نظر سے ان کے باطن کے میل کچیل کو دور کیا' ان کے من کی دنیا کو صاف ستھرا فرمایا۔ اس رسول ؐ نے آکر انہیں کتاب کی تعلیم دی اور حکمت کا نور عطا فرمایا۔ فقط اس رسول مقبول ؐ کا قدم رنجا فرمانا تھا کہ یہ لوگ قدرت کی معرفت اور ہدایت الٰہی جیسی نعمتوں سے مستفیض ہوئے۔ ورنہ قبل ازیں تو یہ دنیائے انسانیت کھلی گمراہی کا شکار تھی۔ اس سے اگلی آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی نسل انسانی کو آپ ؐ کے اس فیض رسالت میں شامل کیا' اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس طرح مبعوث فرمائے جانے کو اپنا فضل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ○ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○

(الجمعہ، ۶۲: ۳، ۴)

اور (یہ فضل) ان میں سے دوسرے بعد کے لوگوں کے لئے بھی ہے جو ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے اور وہی زبردست حکمت والا ہے یہ (محض) اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پہلے "رسول" کہا ہے بعد ازاں اس نعمت رسالت کو "فضل" سے تعبیر فرمایا ہے اور آخر میں اسی کو "فضل عظیم" قرار دیا ہے

اسی طرح ارشاد فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○

(الانبیاء، ۲۱: ۱۰۷)

"اور ہم نے (اے محبوبؐ) آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے سراسر رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

گویا حضور ﷺ کی ذات گرامی ہی اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت سب سے بڑا فضل اور سب سے بڑی رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ولادت اور بعثت کو اہل ایمان پر اپنا احسان عظیم قرار دیا ہے۔

ارشاد قرآنی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○

(آل عمران، ۳: ۱۶۴)

بیشک اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے (اپنا برگزیدہ) رسول مبعوث فرما دیا ہے۔ جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور (رسول کے آنے سے) قبل تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

بنابریں حضور ﷺ کی آمد کی نعمت پر ذکر نعمت بھی ہونا چاہیے اور تحدیث نعمت بھی۔ اس پر فرحت و مسرت بھی ہونی چاہیے اور انعقاد عید بھی۔ الغرض تشکّر نعمت کی جتنی صورتیں بھی مذکور اور ثابت ہیں۔ حضور ﷺ کی ولادت کے لئے سب کا جمع کیا جانا لازمی ہے۔

۵۔ انبیاء علیہم السلام کے ایام ولادت میں ان پر سلام بھیجنا

انبیاء علیہم السلام کا وجود مسعود عالم انسانیت کے حق میں نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔ رشد و ہدایت کے سرچشمے ان ہی سے پھوٹتے ہیں۔ اس لئے اس کائنات ہست و بود میں ان کی تشریف آوری، مخلوق خدا پر اللہ کے احسانات میں سے ایک احسان عظیم ہے۔ ان کے یوم ولادت پر ان پر سلام بھیجنا نہ صرف سنت انبیاء ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر اللہ جل مجدہ نے قرآن حکیم میں ان پر سلام بھیجا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ (مریم، ۱۹:۱۵)
(اللہ کی طرف سے) ان پر سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت پر خود ان کی اپنی زبان اقدس سے یہ کلمات کہلوائے گئے۔

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ (مریم، ۱۹:۳۳)
اور (اللہ کی طرف سے) مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا۔

گویا انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا دن بارگاہ الوہیت میں خاص رحمت اور سلامتی کے دن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دن ان برگزیدہ ہستیوں پر درود و سلام کی کثرت کرنا نہ صرف سنت انبیاء ہے بلکہ سنت الٰہیہ بھی ہے جب یہ شرف دیگر انبیاء علیہم السلام کے ایام ولادت کو حاصل ہے تو یوم ولادت مصطفےٰ ﷺ کے شرف و کمال کا کیا عالم ہوگا جس ہستی پر اللہ جل مجدہ ہر وقت درود و سلام بھیجتا ہے اور اہل ایمان کو تاکیداً آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیتا ہے۔

غرضیکہ جب عام دنوں میں یہ حکم اس طرح تاکیدی وجوبی نوعیت کا ہے تو خاص طور پر یوم میلاد میں یہ کس قدر اہمیت وفضیلت کا حامل ہوگا' سو امت مسلمہ پر لازم ہے کہ انفرادی واجتماعی سطح پر اس مبارک دن کی آمد پر اظہار تشکر کر کے محافل میلاد کا انعقاد کرے' صدقات وخیرات کی کثرت کرے تاکہ ولادت مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عظیم احسان پر اس کی بارگاہ میں شکر بجالایا جاسکے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دن کثرت سے حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھا جائے کہ یوم میلادالنبی ﷺ میں حضور ﷺ پر سلام پڑھنا اللہ تعالیٰ کی خاص سنت ہے۔

جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ کا الوہی اہتمام

باری تعالیٰ نے خود ولادت محمدی ﷺ کے موقع پر بزم کائنات میں جشن کا سماں پیدا فرمایا۔ تاکہ میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی اور جشن سنت الیہ قرار پا جائے۔ اس کی تفصیلات اس باب کے شروع میں گزر چکی ہیں' یہاں ہم صرف اشارات سے کام لیتے ہیں۔

۱۔ ولادت محمدی ﷺ کے وقت ستاروں کو نیچے اتار کر دنیا میں چراغاں کیا گیا۔

۲۔ مشرق ومغرب تک پوری زمین بقعہ نور بنادی گئی۔ حتی کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے شام کے محلات تک دیکھ لئے۔

۳۔ آسمان اور جنت کے سب دروازے کھول کر عالم بالا کو خوشبوؤں سے مہکا دیا گیا۔

۴۔ مشرق ومغرب اور کعبہ کی چھت پر پرچم لہرا دیئے گئے۔

۵۔ ستر ہزار حوران بہشت کو استقبال کے لئے فضا میں نیچے اتارا گیا اور ان میں سے کئی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر مامور کی گئیں۔

۶۔ ہزارہا فرشتوں کو بھی استقبال پر مامور کر دیا گیا۔

۷۔ جنتی پرندے بھی استقبال کے لئے نیچے اتار دیئے گئے۔

۸۔ وقت ولادت حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو مبارکبادی کا جنتی مشروب پلایا گیا۔

۹۔ شب ولادت قریش مکہ کے سب جانوروں کو بھی میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی کے

اظہار کے لئے زبان دے دی گئی۔

۱۰۔ شب ولادت تمام ملائکہ امرائی سے نیچے اتر کر ایک دوسرے کو مبارک دینے لگے۔

۱۱۔ یوم میلاد سورج کو بھی غیر معمولی نور سے نوازا گیا۔

۱۲۔ وقت ولادت پہاڑوں' دریاؤں اور سمندروں نے بھی اپنے اپنے حال میں خوشیاں منائیں پہاڑوں کی چوٹیاں معمول سے زیادہ بلند ہو گئیں دریاؤں اور سمندروں کی سطح تموّج کے ساتھ خاصی اونچی ہو گئی اور سمندری مخلوق نے بھی ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

۱۳۔ ولادت محمدی ﷺ کی خوشی میں باری تعالیٰ نے سال بھر عرب کی عورتوں کو بیٹے عطا فرمائے۔ تاکہ اس سال جاہلی عرب کے ظالمانہ دستور کے مطابق کوئی بچی ناحق قتل نہ ہو۔

۱۴۔ میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی میں عرب کے درخت پھلوں سے لاد دیئے گئے سوکھے ہوئے کھیت ہرے بھرے ہو گئے۔ اور قحط کو ہریالی و شادابی سے بدل دیا گیا۔

۱۵۔ شب میلاد آسمانوں پر زبرجد اور یاقوت کے مینار بنا کر روشن کئے گئے۔ جو شب معراج حضور ﷺ کو دکھائے گئے اور بتایا گیا کہ یہ آپ کی ولادت کی رات سے روشن ہیں۔

۱۶۔ شب میلاد جنت میں نہر کوثر کے کناروں پر ستر ہزار عطر بیز درخت اگائے گئے اور انہیں پھلوں سے لادا گیا۔

الغرض باری تعالیٰ نے عالم کون و مکاں میں اپنی شان قدرت کے لائق جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ منایا۔ اور اس عمل کو اپنی سنت قرار دیا۔

حضور ﷺ نے خود اپنا میلاد منایا

امام جلال الدین سیوطیؒ نے الحاوی للفتاوئی میں اس موضوع سے متعلق ایک مکمل باب "حسن المقصد فی عمل المولد" کے نام سے رقم کیا ہے جس میں انہوں

نے اس بات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ حضور ﷺ نے خود اپنا میلاد منایا اس لحاظ سے یہ سنت رسول ؐ ہے۔ امام سیوطیؒ ایک روایت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ مدنی دور میں حضور ﷺ نے بکرے ذبح کر کے فقرا و مساکین کو کھلائے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا عقیقہ کیا تھا۔ اس رائے کو رد کرتے ہوئے امام سیوطیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ حضور ؐ کا عقیقہ ان کے دادا حضرت عبد المطلب کر چکے تھے اور عقیقہ دوسری مرتبہ نہیں ہوتا۔

و العقیقۃ لا تعاد مرۃ ثانیۃ فیحمل ذالک علی ان الذی فعلہ النبی ﷺ اظھارًا للشکر علی ایجاد اللّٰہ ایاہ رحمۃ للعالمین و تشریعًا لامتہ کما کان یصلی علی نفسہ لذالک فیستحب لنا ایضًا اظھار الشکر بمولدہ

(الحاوی للفتاوی ۱:۱۹۶)

عقیقہ زندگی میں دوبارہ نہیں کیا جاتا اس لئے اس (صدقے) کو اس حقیقت پر محمول کیا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ اظہار شکر کے لئے کیا۔ اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔ اور مزید یہ کہ اپنی امت کے لئے اس امر کو مشروع بنانے کے لئے کیا جس طرح کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی ذات پر خود بھی درود پڑھا کرتے تھے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہمارے لئے مستحب ہے کہ ہم بھی آپ ؐ کے میلاد پر اظہار مسرت و شکر کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یوم میلاد کی اہمیت کی ترغیب

حضور ﷺ نے خود بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یوم میلاد پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی، آپ خود ہر پیر کو تشکرًا روزہ رکھا کرتے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس روزہ سے متعلق دریافت کیا تو آپ ؐ نے ارشاد فرمایا:

فیہ ولدت وفیہ انزل (صحیح المسلم بحوالہ الحاوی للفتاوی للسیوطی ۱: ۱۹۴)

اس روز میری ولادت ہوئی' اور اسی دن مجھ پر وحی الٰہی نازل ہوئی۔

میلاد مصطفیٰ ﷺ کی خوشی پر اخروی اجر.... حدیث بخاری

ابولہب کی ایک لونڈی تھی۔ جس کا نام ثویبہ تھا وقت ولادت اس نے اسے حضرت آمنہ کے گھر بھیجا کہ جاؤ میرے بھائی عبد اللہ کے گھر ولادت ہونے والی ہے میری بھاوج آمنہ کی خدمت کرو۔ جب حضور ﷺ کی ولادت ہوگئی تو ثویبہ دوڑتی ہوئی ابولہب کے پاس گئی اور کہا کہ آپ کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی کے گھر بیٹا عطا کیا ہے۔ اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کی پیدائش کی خوشی میں ابولہب نے ہاتھ کی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

صحیح البخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

فلمّا مات ابولھب اُرِیَہٗ بعض اھلہ بشر حیبۃٍ قال لہ ماذا لقیت قال ابولھب لم الق بعدکم خیرًا غیر انی سقیت فی ھذہ بعتاقتی ثویبۃ۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح ۲: ۷۶۴)

ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہل خانہ میں سے کسی نے اسے بہت برے حال میں دیکھا تو اس سے پوچھا کیسے ہو؟ ابولہب نے کہا میں سخت عذاب میں ہوں اس سے کبھی چھٹکارہ نہیں ملتا۔ ہاں مجھے (اس عمل کی جزا کے طور پر) کچھ سیراب کیا جاتا ہے کہ میں نے (حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔

اسی واقعہ کو عظیم محدث ابن حجر عسقلانیؒ نے امام سہیلیؒ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے:

ان العباس قال لما مات ابولھب

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

رایتہ فی منامی بعد حول فی شر حال فقال ما لقیت بعدکم راحۃ الا ان العذاب یخفف عنی کلّ یوم اثنین
(فتح الباری شرح البخاری ۹:۱۴۵)

ابولہب مرگیا تو میں نے اس کو ایک سال بعد خواب میں بہت برے حال میں دیکھا اور یہ کہتے ہوئے پایا کہ تمہاری جدائی کے بعد آرام نصیب نہیں ہوا بلکہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں لیکن ہر سوموار کو میرے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے۔

حضرت عباسؓ خود اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں:

انّ النبی ﷺ ولد یوم الاثنین وکانت ثویبۃ بشرت ابالہب بمولدہ فاعتقھا
(فتح الباری شرح البخاری ۹:۱۴۵)

عذاب میں تخفیف کی وجہ یہ تھی کہ سوموار کے دن حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تھی اور ثویبہ نے ابولہب کو حضور ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے اسی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کردیا۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی نے ابولہب کا ذکر کرتے ہوئے اس حدیث کے تحت لکھا ہے۔

وقد روی ابولہب بعد موتہ فی النوم فقیل لہ: ماحالک؟ فقال فی النّار الا انّہ خفف عنی کلّ لیلۃ اثنین وامص من بین اصبعی ھاتین ماء واشار براس اصبعہ وانّ ذالک باعتاقی ثویبۃ عند ما بشّرتنی بولادۃ النبی ﷺ

ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اسے پوچھا گیا کہ تیرا کیا حال ہے؟ وہ بولا میں تو آگ میں ہوں تاہم ہر پیر کو میرے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ (ہر پیر کو) میری ان دو انگلیوں کے درمیان

سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے جسے میں پیتا ہوں۔ اور مجھے یہ تخفیف اس وجہ سے ملتی ہے کہ میں نے ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشخبری دی تھی۔

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن جوزیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

فاذا کان ھذا ابولھب الکافر الذی نزل القران بذمہ جوزی فی النار بفرحہ لیلۃ مولد النبی ﷺ بہ فما حال المسلم الموحد من امتہ ﷺ یسر بمولدہ؟
(مختصر سیرۃ الرسول: ۱۳، مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۹ء)

جب ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے جس کے بارے میں قرآن میں مذمت نازل ہوئی کہ اس کو حضور ﷺ کی میلاد کی رات خوشی کرنے پر یہ جزا (عذاب سے تخفیف) دی جاتی ہے تو اس موحد مسلمان امتی کی جزا کا کیا حال ہوگا جو آپؐ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اسی حدیث کے تحت رقمطراز ہیں۔

دریں جا سند است مر اہل موالید را کہ در شب میلاد آں حضرت ﷺ سرور کنند بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود۔ قرآن بمذمت وی نازل شدہ چوں بسرور بمیلاد آں حضرت وبذل شیر جاریہ وے بجہت آں حضرت جزا دادہ شدہ تا حال مسلمان کہ

یہ روایت موقعہ میلاد پر خوشی منانے اور مال صدقہ کرنے والوں کے لئے دلیل اور سند ہے۔ ابولہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا جب وہ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں لونڈی آزاد کرکے عذاب میں تخفیف حاصل کرلیتا ہے تو کیا مقام ہوگا

مملو است بمحبت و سرور و بذل مال دروے چہ باشد ولیکن باید کہ از بدعتہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی و آلات محرمہ و منکرات خالی باشد تا موجب حرماں از طریقہ اتباع نگردد۔

(مدراج النبوۃ ۲:۱۹)

اس مسلمان کا جس کے دل میں محبت رسول ﷺ موجزن ہو اور ایسے موقع پر خوشی کا اظہار کرے ہاں عوام کی ایجاد کردہ بدعات مثلاً ناچ گانے اور محرمات ومنکرات سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ ان کے ذریعے انسان میلاد کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

امام القراء حافظ شمس الدین ابن الجزری اپنی تصنیف **"عرف التعریف بالمولد الشریف"** میں لکھتے ہیں:

فاذا کان ابو لهب الکافر الذی نزل القرآن بذمه جوزی فی النار بفرحه لیلة مولد النبی ﷺ به فما حال المسلم الموحد من امة محمد ﷺ یسره مولده و یبذل ما تصل الیه قدرته فی محبته لعمری انما یکون جزاءه من الله الکریم ان یدخله بفضله جنات النعیم

(حجۃ اللہ علی العالمین: ۲۳۸)

جب دشمن خدا ابولہب جس کی مذمت میں قرآن کی سورت نازل ہوئی حضور علیہ السلام کی شب میلاد خوشی کرنے پر عذاب میں کمی پاتا ہے تو وہ مسلمان جو موحد اور محبّ رسول ﷺ ہے میلاد کی خوشی کرنے اور اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کرنے پر کیا مقام پائے گا؟ خدا کی قسم میرے نزدیک اللہ کریم ایسے مسلمان کو اپنے فضل سے جنت النعیم میں داخل فرمائے گا۔

باب۔۲

جشنِ میلادُالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقوال ائمہ ومحدثین کی روشنی میں

اب ہم اس مسئلہ پر جلیل القدر ائمہ دین اور محدثین میں سے چند ایک کی آراء نقل کرتے ہیں۔

۱۔ جشن میلاد النبی ﷺ پر امام جلال الدین سیوطیؒ کی مفصل تحقیق

امام ابن حجر عسقلانیؒ

وقد سئل شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل ابن حجر عن عمل المولد فاجاب بما نصّہ: قال: وقد ظھر لی تخریجھا علی اصل ثابت، وھو ما ثبت فی الصحیحین من ان النبی ﷺ قدم المدینۃ، فوجد الیھود یصومون یوم عاشوراء، فسالھم فقالوا: ھو یوم اغرق اللّٰہ فیہ فرعون، ونجی موسی، فنحن نصومہ شکرًا للّٰہ تعالٰی فیستفاد منہ فعل الشکر للّٰہ تعالٰی علی ما من بہ فی یوم معین من اسداء نعمۃ، او دفع نقمۃ، ویعاد ذلک فی نظیر ذلک الیوم

شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل ابن حجر سے میلاد شریف کے عمل کے حوالے سے پوچھا گیا آپ نے اس کا جواب کچھ یوں دیا: مجھے میلاد شریف کے بارے میں اصل تخریج کا پتہ چلا جو صحیحین سے ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہود کو عاشورا کے دن روزہ رکھتے ہوئے پایا آپ نے ان سے پوچھا ایسے کیوں کرتے ہو اس پر وہ عرض کناں ہوئے اس دن اللہ تعالٰی نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی۔ ہم اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں شکر بجا لانے کے لئے اس

من كل سنة والشكر لله تعالىٰ يحصل بانواع العبادات كالسجود والصيام والصدقة والتلاوة واى نعمة اعظم من النعمة ببروز هذا النبى ﷺ الذى هو نبى الرحمة فى ذالک اليوم
(حسن المقصد فی عمل المولد امام جلال الدین سیوطیؒ)

دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ کسی معین دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی احسان وانعام کا عطا ہونا یا کسی مصیبت کے ٹل جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیے اور ہر سال اس دن کی یاد تازہ کرنا بھی مناسب تر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر نماز وسجدہ' روزہ' صدقہ اور تلاوت قرآن اور دیگر عبادات کے ذریعہ بجا لایا جاسکتا ہے اور حضور نبی رحمت ﷺ کی ولادت سے بڑھ کر اللہ کی نعمتوں میں سے کون سی نعمت ہے؟ اس لئے اس دن ضرور سجدہ بجا لانا چاہیے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ

ما ورد فى عقيقة النبى ﷺ عن نفسه بعد البعثت: قلت: وظهر لى تخريجه علىٰ اصل اٰخر' وهو ما اخرجه البيهقى' عن انس ﷺ انّ النبى ﷺ عق عن نفسه بعد النبوة مع انه قد ورد ان جده عبد المطلب عق عنه فى سابع ولادته' والعقيقة لا تعاد مرة ثانية' فيحمل

بعثت کے بعد حضور ﷺ نے اپنا عقیقہ خود کیا۔ میں کہتا ہوں میرے لئے اس حدیث کی ایک اور اصل بھی ظاہر ہوئی ہے جسے امام بیہقی نے حضرت انس ﷺ سے روایت کیا کہ بعثت کے بعد حضور ﷺ نے اپنی طرف سے ایک عقیقہ خود کیا۔ اس کے ساتھ یہ روایت بھی ہے کہ حضور ﷺ

ذالک علیٰ انّ الذی فعلہ النبی ﷺ اظھاراً للشکر علیٰ ایجاد اللّٰہ تعالیٰ ایاہ، رحمۃ للعالمین، و تشریفا لامتہ، کما کان یصلی علیٰ نفسہ لذٰلک فیستحب لنا ایضًا الشکر بمولدہ باجتماع الاخوان،

واطعام الطعام ونحو ذالک من وجوہ القربات واظھار المسرّات

(حسن المقصد امام جلال الدین سیوطی ؒ: ۲۰۲، ۶۵)

کے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا۔ حالانکہ عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اس قول میں تطبیق یوں ہوگی کہ وہ فعل (عقیقہ) جسے حضور ﷺ نے خود کیا ہے یہ اللہ کی طرف سے آپ کی پیدائش اور آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت اللعالمین بنا کر مبعوث کرنے پر اظہار تشکر ہے اور آپ کی امت کے لئے باعث شرف ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضور ﷺ خود اپنی ذات پر درود وسلام بھیجا کرتے تھے۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ ہم اظہار تشکر کے طور پر حضور ﷺ کی ولادت پر مسلمانوں کا اجتماعِ عام منعقد کیا کریں۔ کھانا کھلائیں اور اس طرح کی دیگر تقریبات کا انعقاد کریں آپ کی ولادت پر خوشیوں کا اظہار کیا کریں۔

امام شمس الدین الجزری ؒ

ثم رایت امام القراء الحافظ شمس الدین الجزری قال فی کتابہ

پھر میں نے امام القراء حافظ شمس الدین الجزری کی کتاب "عرف

المسمّٰی "عرف التعریف بالمولد الشریف" ما نصہ : قد روی ابولھب بعد موتہ فی النوم فقیل لہ: ما حالک؟ فقال: فی النار الا انہ یخفف عنی کل لیلۃ اثنین' وامص من بین اصبعی ماءً بقدر ھذا واشار لراس اصبعہ۔ وان ذلک بعتاقی لثویبۃ عند ما بشرتنی بولادۃ النبی ﷺ وبارضاعھا لہ فاذا کان ابولھب الکافر الذی نزل القران بذمہ جوزیَ فی النار بفرحہ لیلۃ مولد النبی ﷺ بہ' فما حال المسلم الموحد من امۃ النبی ﷺ ' یسر بمولدہ' و یبذل ما تصل الیہ قدرتہ فی محبتہ ﷺ

لعمری انما یکون جزاؤہ من اللّٰہ الکریم' ان یدخلہ بفضلہ جنات النعیم

(حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۵' ۶۶ از امام جلال الدین سیوطیؒ)

التعریف بالمولد الشریف" میں یہ عبارت دیکھی۔ ابولہب کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا اس سے پوچھا گیا اب تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگا آگ میں جل رہا ہوں۔ تاہم ہر پیر کے دن میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ (ہر پیر کو) میری ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی (کا چشمہ) نکلتا ہے۔ جسے میں پی لیتا ہوں۔ اور یہ تخفیف عذاب میرے لئے اس وجہ سے ہے کہ میں نے ثویبہ کو آزاد کیا تھا جب اس نے مجھے محمد ﷺ کی ولادت کی خوش خبری دی اور اس نے آپ کو دودھ بھی پلایا تھا۔ جب ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں مذمت نازل ہوئی باوجود اس کے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں پیر کی رات اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے تو پھر اس موحد (توحید پرست) امتی کا کیا حال ہوگا جو آپ ﷺ کی میلاد پر خوشی و مسرت کا اظہار کرے اور

حسب استعداد آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے خرچ کرے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم بے شک اس کی جزا رب کریم ضرور دے گا اور اپنے فضل و کرم سے اسے جنت کی نعمتوں میں داخل کرے گا۔

امام شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقیؒ

و قال الحافظ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی فی کتابہ المسمی "مورد الصادی" فی مولد الهادی: وقد صح ان ابالهب یخفف عنہ عذاب النار فی مثل یوم الاثنین لاعتاقہ ثویبہ سرورًا بمیلاد النبی ﷺ
(حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۶ از امام جلال الدین سیوطیؒ)

اپنی کتاب "مورد الصادی فی مولد الهادی" میں لکھتے ہیں کہ یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے ہر سوموار کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے پھر آپ نے یہ شعر پڑھے۔

اذا کان هذا کافرا جاء ذمہ و تبت یداہ فی الجحیم مخلدًا
اتی انہ فی یوم الاثنین دائمًا یخفّف عنہ للسرور باحمدا
فما الظن بالعبد الذی طول عمرہ باحمد مسرورًا و مات موحدًا

۱۔ جب ابولہب جیسا کافر جس کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے اور جس کی مذمت میں قرآن مجید کی سورت تبت یدا نازل ہوئی۔

۲۔ باوجود اس کے جب سوموار کا دن آتا ہے تو حضور ﷺ کی ولادت

کی خوشی کی وجہ سے ہمیشہ سے اس کے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے۔
۳۔ پس کیا خیال ہے اس بندے کے بارے میں جس نے تمام عمر حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں جشن منانے میں گزاری اور توحید کی حالت میں اسے موت آئی۔

امام کمال الدین الادفوی ؒ

قال الکمال الادفوی فی الطالع السعید: حکیٰ لنا صاحبنا العدل ناصر الدین محمود بن العماد ان ابا الطیب محمد بن ابراھیم السبتی المالکی نزیل قوص' احد العلماء العاملین' کان یجوز بالمکتب فی الیوم الذی ولد فیہ النبی ﷺ فیقول: یا فقیہ' ھذا یوم سرور' اصرف الصبیان' فیصرفنا وھذا منہ دلیل علی تقریرہ وعدم انکارہ' وھذا الرجل کان فقیھا مالکیا متفننافی علوم' متورعا' اخذ عنہ ابو حیان وغیرہ' مات سنۃ خمس وتسعین وستمائۃ

(حسن المقصد فی عمل المولد: ۶۶' ۶۷ از امام جلال الدین سیوطی ؒ)

اپنی کتاب "الطالع السعید" میں لکھتے ہیں کہ ہمارے ایک مہربان دوست ناصر الدین محمود بن العماد حکایت کرتے ہیں کہ بے شک ابوطیب محمد بن ابراھیم السبتی المالکی قوص کے رہنے والے تھے۔ صاحب عمل علماء میں سے تھے اپنے دارالعلوم میں حضور ﷺ کی ولادت کے دن محفل منعقد کرتے اور مدرسے میں چھٹی کرتے۔ استاذ سے کہتے۔ اے فقیہ آج خوشی و مسرت کا دن ہے۔ بچوں کو چھوڑ دو۔ پس ہمیں چھوڑ دیا جاتا۔ ان کا یہ عمل ان کے نزدیک میلاد کے اثبات اور اس کے جائز ہونے پر دلیل و تائید ہے یہ شخص (محمد بن ابراہیم) مالکیوں کے بہت بڑے فقیہ اور ماہر فن ہو گزرے ہیں بڑے زہد و ورع کے مالک تھے۔ علامہ ابوحیان اور دیگر علماء نے ان

سے ہی اکتساب فیض کیا۔ آپ نے
۶۹۵ میں وفات پائی۔

۲۔ جشن میلاد النبی ﷺ پر امام زرقانیؒ کی مفصل تحقیق

استمر (اهل الاسلام) بعد القرون الثلاثة التي شهد المصطفى ﷺ بخيرتها فهو بدعة و في انها حسنة قال السيوطي وهو مقتضى كلام ابن الحاج في مدخله فانه إنّمَاذم ما احتوى عليه من المحرمات مع تصريحه قبل بانه ينبغي تخصيص هذا الشهر بزيادة فعل البر و كثرة الصدقات والخيرات وغير ذالک من وجوه القربات وهذا هو عمل المولد مستحسن والحافظ ابی الخطاب بن دحيه والف في ذالک التنوير في مولد البشير النذير فاجازه الملک المظفر صاحب اربل بالف دينار و اختاره ابو الطيب السبتي نزيل قوص و هولاء من رجلة المالكيه او مذمومة و عليه التاج الفاكهاني و

اہل اسلام ان ابتدائی تین ادوار (جن کو نبی کریمؐ نے خیرالقرون فرمایا ہے) کے بعد سے ہمیشہ ماہ میلاد النبی ﷺ میں محافل میلاد منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ عمل (اگرچہ) بدعت ہے مگر "بدعت حسنہ" ہے۔ (جیسا کہ) امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے اور "مدخل" میں ابن الحاجؒ کے کلام سے بھی یہی مراد ہے۔ اگرچہ انہوں نے ان محافل میں در آنے والی ممنوعات (محرمات) کی مذمت کی ہے لیکن اس سے پہلے تصریح فرمادی ہے کہ اس ماہ مبارک کو اعمال صالحہ اور صدقہ وخیرات کی کثرت اور دیگر اچھے کاموں کے لئے خاص کر دینا چاہئے۔ میلاد منانے کا یہی طریقہ پسندیدہ ہے۔ حافظ ابو خطاب بن دحیہ کا بھی یہی موقف ہے۔ جنہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب (التنویر فی المولد البشیر

تکفل السیوطی لرد ما استند علیه حرفاً حرفاً و الاول اظهر لما اشتمل علیه من الخیر الکثیر (یحتفلون) یهتمون (بشهر مولده علیه الصلوۃ والسلام ویعملون الولائم و یتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات و یظهرون السرور) به (ویزیدون فی المبرات و یعتنون بقراۃ) قصة (مولده الکریم و یظهر علیهم من برکاته کل فضل عمیم)

(شرح المواہب امام زرقانی ۱:۱۳۹)

والنذیر) تالیف فرمائی جس پر بادشاہ مظفرشاہ "اربل" نے انہیں ایک ہزار دینار (بطور انعام) پیش کیا۔ اور یہی رائے "ابو طیب سبتی" کی ہے یہ قوص کے رہنے والے تھے یہ تمام علماء جلیل القدر مالکی ائمہ میں سے ہیں۔ یا پھر یہ (عمل مذکور) بدعت مذمومہ جیسا کہ "التاج الفاکہانی" کی رائے ہے۔ امام سیوطی ؒ نے ان کی طرف منسوب عبارات کا حرف بحرف رد فرمایا ہے۔ (بہرحال) پہلا قول ہی زیادہ راجح اور واضح تر ہے۔ بایں وجہ یہ اپنے دامن میں خیر کثیر رکھتا ہے۔ لوگ (آج بھی) ماہ میلاد النبی ﷺ میں اجتماعات کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ اور اسکی راتوں میں طرح طرح کے صدقات وخیرات دیتے ہیں اور خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ نیکیاں کثرت سے کرتے ہیں اور مولود شریف کے واقعات پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کی خصوصی برکات اور بے پناہ فضل وکرم ان پر ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ جشن میلاد النبی ﷺ پر ملا علی قاریؒ کی مفصل تحقیق

امام شمس الدین السخاویؒ

وانما حدث بعدها بالمقاصد الحسنة' والنيّة التي للاخلاص شاملة' ثم لازال اهل الاسلام في سائر الاقطار والمدن العظام يحتفلون في شهر مولده ﷺ وشرف وكرم بعمل الولائم البديعة والمطاعم المشتملة على الامور البهية و البديعة و يتصدقون في لياله بانواع الصدقات' ويظهرون السرّات ويزيدون في المبرات' بل يعتنون بقراءة مولده الكريم' ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عظيم عميم' بحيث كان مما جرب كما قال الامام شمس الدين بن الجزري المقرى' انه امان تام في ذالك العام وبشرى تعجل بنيل ما ينبغي ويرام

(المورد الروی فی مولد النبی ﷺ: ۱۲'۱۳ از ملا علی قاریؒ)

(محفل میلاد النبی ﷺ) قرون ثلاثہ فاضلہ کے بعد صرف نیک مقاصد کے لئے شروع ہوئی اور جہاں تک اس کے انعقاد میں نیت کا تعلق ہے تو وہ اخلاص پر مبنی تھی پھر ہمیشہ سے جملہ اہل اسلام تمام ممالک اور بڑے بڑے شہروں میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں محافل میلاد منعقد کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس کے معیار اور عزت و شرف کو عمدہ ضیافتوں اور خوبصورت طعام گاہوں (دستر خوانوں) کے ذریعے برقرار رکھا اور اب بھی ماہ میلاد کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات و خیرات دیتے ہیں اور خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں۔ بلکہ جونہی ماہ میلاد النبی ﷺ قریب آتا ہے خصوصی اہتمام شروع کر دیتے ہیں اور نتیجتاً اس ماہِ مقدّس کی برکات اللہ تعالی کے بہت بڑے

فضل عظیم کی صورت میں ان پر ظاہر ہوتی ہیں یہ بات تجرباتی عمل سے ثابت ہے جیسا کہ امام شمس الدین بن الجزری المقری نے بیان کیا ہے کہ ماہ میلاد کے اس سال مکمل طور پر حفظ وامان اور سلامتی رہتی ہے اور تمنائیں پوری ہونے کی بشارت بہت جلد ملتی ہے۔

اہلیان مصر اور شام کی طرف سے محفل میلاد کا انعقاد

فاکثرھم بذالک عنایۃ اھل مصر والشام، و لسلطان مصر فی تلک اللیلۃ من العام اعظم مقام، قال: ولقد حضرت فی سنۃ خمس و ثمانین و سبعمائۃ لیلۃ المولد عند الملک الظاھر برقوق رحمۃ اللہ.. بقلعۃ الجبل العلیۃ، فرایت ما ھالنی و سرنی و ما ساء نی، و حررت ما انفق فی تلک اللیلۃ علی القراء و الحاضرین من الوعاظ و المنشدین و غیرھم من الاتباع والغلمان والخدام المترددین بنحو عشرۃ الآف مثقال من الذھب ما بین خلع ومطعوم ومشروب ومشموم

محافل میلاد کے اہتمام میں اہل مصر اور اہل شام سب سے آگے ہیں اور سلطان مصر ولادت باسعادت کی رات ہر سال محفل میلاد منعقد کرنے میں بلند مقام رکھتا ہے۔ فرمایا کہ میں ۷۸۵ ھ میں سلطان ظاہر برقوق" کے پاس میلاد کی رات الجبل العلیہ کے قلعہ میں حاضر ہوا۔ وہاں وہ کچھ دیکھا جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا اور بہت زیادہ خوش کیا اور کوئی چیز مجھے بری نہ لگی۔ میں ساتھ ساتھ لکھتا گیا جو بادشاہ نے اس رات قراء اور موجود واعظین، نعت خواناں (شعراء) اور ان کے علاوہ کئی اور لوگوں، بچوں اور مصروف

وشموع وغيرها ما يستقيم به الضلوع، وعددت في ذالك خمسا وعشرين من القراء الصيتين المرجو كونهم مثبتين، ولا نزل واحد منهم الا بنحو عشرين خلعة من السلطان ومن الامراء الاعيان قال السخاوى: قلت: ولم يزل ملوك مصر خدام الحرمين الشريفين ممن وفقهم الله لهدم كثير من المناكير والشين ونظروا في امر الرعية كالوالد لولده، وشهروا انفسهم بالعدل، فاسعفهم الله بجنده ومدده

(المورد الروی فی مولد النبی: ۱۳ از ملا علی قاری)

خدام پر تقریباً دس ہزار مثقال سونا، خلعتیں، انواع واقسام کے کھانے، مشروبات، خوشبوئیں، شمعیں اور دیگر چیزیں دیں جن کے باعث وہ اپنی معاشی حالت درست کرسکتے تھے۔ اس وقت میں نے ایسے پچیس خوش الحان قراء شمار کئے جو اپنی مسحور کن آواز سے سب پر فائق رہے اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو سلطان اور اعیان سلطنت سے بیس کے قریب خلعتیں لئے بغیر سٹیج سے اترا ہو۔ امام سخاوی کہتے ہیں کہ میرا موقف یہ ہے کہ مصر کے سلاطین جو حرمین شریفین کے خدام رہے ہیں ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اکثر برائیاں اور عیوب ختم کرنے کی توفیق عطا کر رکھی تھی۔ اور انہوں نے رعیت کے بارے میں ایسا ہی سلوک کیا۔ جیسا والد اپنے بیٹے سے کرتا ہے اور انہوں نے قیام عدل کے ذریعے شہرت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں انہیں اپنی غیبی مدد سے نوازے۔

شاہانِ اندلس محفلِ میلاد کا انعقاد کیسے کرتے؟

كيف كان ملوك الاندلس يحتفلون بالمولد؟ واما ملوك الاندلس والغرب فلهم فيه ليلة تسير بها الركبان يجتمع فيها لئمة العلماء الاعلام فمن يليهم من كل مكان وعلوا بين اهل الكفر كلمة الايمان' واظن اهل الروم لا يتخلفون عن ذالك' اقتفاء بغيرهم من الملوك فيما هنالك۔ الاحتفال في بلاد الهند: وبلاد الهند تزيد على غيرها بكثير كما اعلمنيه بعض اولى النقد والتحرير

(المورد الروی فی مولد النبی: ۱۴ از ملا علی قاریؒ)

سلاطین اندلس اور شاہان بلاد مغرب (یوم ولادت مصطفےٰ ﷺ) پر رات کے وقت قافلے کی صورت نکلتے جس میں بڑے بڑے ائمہ وعلماء شامل ہوتے۔ راستے میں جگہ جگہ سے لوگ ان کے ساتھ ملتے چلے جاتے اور یہ سب اھل کفر کے سامنے کلمہ حق بلند کرتے۔ میرا گمان غالب ہے کہ اھل روم بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہیں تھے اور وہ بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح محافل میلاد منعقد کرتے تھے اور بلاد ہند میں میلاد النبی ﷺ کی تقریبات جیسا کہ بلند پایہ نقاد علماء اور اہل قلم حضرات نے مجھے بتایا ہے ہندوستان کے لوگ دوسرے ممالک کی نسبت بڑھ چڑھ کر ان مقدس اور بابرکت تقریبات کا انعقاد کرتے ہیں۔

بلادِ عجم میں میلاد النبی ﷺ کی محافل کا انعقاد

و اما العجم فمن حيث دخل هذا الشهر المعظم و الزمان المكرم لاهلها مجالس فخام من انواع

اور عجم میں تو جونہی اس ماہ مقدس اور بابرکت زمانے کا آغاز ہوتا ہے تو لوگ عظیم الشان محافل کا اہتمام کرتے جن

الطعام للقراء الكرام و للفقراء من الخاص و العام، و قراء ات الختمات و التلاوات المتواليات و الانشادات المتعاليات، و انواع السرور و اصناف الحبور حتى بعض العجائز من غزلهن و نسجهن يجمعن ما يقمن بجمعه الاكابر و الاعيان و بضيافتهن ما يقدرون عليه في ذالک الزمان، و من تعظيم مشايخهم و علمائهم هذا المولد المعظم و المجلس المكرم انه لا يأباه احد في حضوره، رجاء ادارک نوره و سروره وقد وقع لشيخ مشايخنا مولانا زين الدين محمود الهمداني النقشبندي قدس الله سره العلي انه اراد سلطان الزمان و خاقان الدوران همايون بادشاه تغمده الله و احسن مثواه ان يجتمع به و يحصل له المدد و المدد بسببه فاباه الشيخ، و امتنع ايضا ان ياتيه السلطان استغناء بفضل الرحمن فالح السلطان علىٰ و زيره

میں قراء حضرات، عوام و خواص میں فقراء منش لوگوں کے لئے انواع واقسام کے کھانوں کا انتظام کیا جاتا۔ مولود شریف پڑھا جاتا اور مسلسل تلاوت قرآن کی جاتی۔ باآواز بلند نعتیہ ترانے (قصیدے) پڑھے جاتے اور فرحت وانبساط کا متعدد طریقوں سے اظہار کیا جاتا۔ حتیٰ کہ بعض عمر رسیدہ خواتین سوت کات کر اور بن کر رقم جمع کرتیں جس سے اپنے دور کے اکابرین اور زعماء کی حسب استطاعت ضیافت کرتیں۔ میلاد النبی کی اس بابرکت ومکرم مجلس کی تعظیم کا یہ عالم تھا کہ اس دور کے علماء ومشائخ میں سے کوئی بھی اس میں حاضر ہونے سے انکار نہ کرتا یہ امید کرتے ہوئے کہ اس میں شریک ہو کر نور وسرور اور تسکین قلب حاصل کریں۔ ایک دفعہ شہنشاہ دوراں، سلطان زماں ہمایوں بادشاہ (اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے اچھا ٹھکانہ دے) نے ارادہ کیا کہ وہ شیخ المشائخ زین الدین محمود ہمدانی نقشبندی قدس سرہ العزیز کے

بیرم خان بانہ لابد من تدبیر للاجتماع فی المکان ولو فی قلیل من الزمان، فسمع الوزیر ان الشیخ لا یحضر فی دعوة من هناء وعزاء الا فی مولد النبی علیہ السلام تعظیمًا لذالک المقام، فانھی الی السلطان فامرہ بتھیئۃ اسبابہ الملوکانیہ فی انواع الاطعمہ و الاشربہ و ما یتمم بہ و یبخر فی المجالس العلمیۃ، ونادی الاکابر و الاھالی، و حضر الشیخ مع بعض الموالی فاخذ السلطان الابریق بید الادب و معاونۃ التوفیق و الوزیر اخذ الطست من تحت امرہ رجاء لطفہ و نظرہ و غسلا یدا الشیخ المکرم و حصل لھما برکۃ تواضعھا للّٰہ و لرسولہ ﷺ المقام المعظم والجاہ المفخم

(المورد الروی فی مولد النبی: ۱۴، ۱۵ از ملا علی قاری ؒ)

ہمراہ مجلس منعقد کرنے اور ان کے لئے (مالی) اعانت کا اہتمام کرے اور یہ مدد اس (بادشاہ) کے واسطہ سے ہو تو شیخ ؒ نے آنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ سلطان کو اپنے پاس بھی آنے سے روک دیا کیونکہ وہ بفضلہ تعالیٰ اس سے مستغنی تھے۔ بادشاہ نے اپنے وزیر بیرم خان سے اصرار کیا کہ اجتماع کی لازمًا کوئی تدبیر کی جائے۔ اگرچہ وہ محدود وقت کے لئے ہی ہو۔ وزیر نے سنا کہ شیخ محفل میلاد النبی ﷺ کے علاوہ کسی بھی خوشی یا غمی کی محفل میں شریک نہیں ہوتے پس اس (وزیر) نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ شاہانہ کھانے اور مشروبات تیار کئے جائیں اور ایک مجلس علمی کے انعقاد کے تمام اسباب بہم پہنچائے جائیں۔ تمام اکابرین اور کارکنان سلطنت کو مدعو کیا تو شیخ اپنے بعض مریدین کے ساتھ تشریف لائے سلطان نے نہایت ادب سے لوٹا پکڑا اور وزیر نے شیخ کی طرف لطف و کرم کی نظر کی امید کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں طشت اٹھائی۔ یوں دونوں

نے شیخ کے ہاتھ دھلوائے دونوں کو اللہ ورسول کے حضور اپنی عاجزی وانکساری کی وجہ سے بڑا مقام اور بڑا درجہ حاصل ہوا۔

اہل مکہ کی طرف سے محفل میلاد النبی ﷺ کا انعقاد

قال السخاوی: وأما أهل مكة معدن الخير والبركة فيتوجهون إلى المكان المتواتر بين الناس انه محل مولده وهو فی "سوق الليل" رجاء بلوغ كل منهم بذالک المقصد ويزيد اهتمامهم به علىٰ يوم العيد حتى قل إن يتخلف عنه أحد من صالح وطالح، ومقل وسعيد سيما "الشريف صاحب الحجاز" بدون توار وحجاز. قلت: الان سيماء الشريف لاتيان ذالک المكان ولا فی ذالک الزمان، قال وجود قاضيها وعالمها البرهانی الشافعی اطعام غالب الواردين و كثير من القاطنين المشاهدين فاخر الأطعمه والحلوی، ويمد للجمهور فی منزله صبحتها سماطاً

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اہل مکہ خیر و برکت کی کان ہیں۔ وہ اس مشہور مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی جائے ولادت ہے۔ یہ سوق اللیل میں واقع ہے (متوجہ اس لئے ہوتے ہیں) تاکہ ان میں سے ہر کوئی اپنے مقصد کو پالے یہ لوگ عید (میلاد) کے دن اس اہتمام میں مزید اضافہ کرتے ہیں یہاں تک کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نیک یا بد، سعید یا شقی اس اہتمام سے پیچھے رہ جائے۔ خصوصاً امیر حجاز (بشریف مکہ) بلاتردد (بخوشی) شرکت کرتے ہیں اور امیر حجاز (الشریف) کی آمد پر اس جگہ ایک مخصوص نشان بنایا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں نہ تھا اور مکہ کے قاضی اور عالم "البرھانی الشافعی" نے بے شمار زائرین، خدام اور حاضرین کو کھانا اور

جامعًا رجاء لکشف البلوی وتبعه ولده الجمالی فی ذالک للقاطن و السالک' قلت: اما الان فما بقی من تلک الاطعمه الا الدخان' ولا یظهر مما ذکر الا بربح الریحان فالحال کما قال:
(المورد الروی فی مولد النبی: ۱۵ از ملا علی قاریؒ)

مٹھائیاں کھلانے کو پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اور وہ (امیر حجاز) اپنے گھر میں عوام کے لئے وسیع و عریض دستر خوان بچھاتا ہے یہ امید کرتے ہوئے کہ آزمائش اور مصیبت ٹل جائے اور اس کے بیٹے "الجمالی" نے بھی خدام اور مسافروں کے حق میں اپنے والد کی اتباع کی ہے۔ میں کہتا ہوں ...... اب ان کھانوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے دھوئیں کے اور نہ ہی مذکورہ بالا اشیاء میں سے پھولوں کی خوشبو کے سوا کچھ رہا۔ اب تو حال شاعر کے اس شعر کے مطابق ہے۔

اما اخیام فانها کخیامهم وارٰی نساء الحی غیر نسائهم

(خیمے تو ان کے خیموں کی طرح ہی ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس قبیلے کی عورتیں ان عورتوں سے بہت مختلف ہیں۔)

اھل مدینہ کی طرف سے محفل میلاد کا انعقاد

و لاهل المدینة..... کثرهم الله تعالیٰ به احتفال و علی فعله اقبال و کان للملک المظفر صاحب "اربک" بذالک فیها اتم العنایة و اهتمامًا بشانه جاوز الغایة فاثنی

اہل مدینہ (اللہ ان کو زیادہ کرے) بھی اسی طرح محافل منعقد کرتے ہیں اور اس طرح کے امور بجالاتے ہیں اور بادشاہ مظفر شاہ اربک" اس معاملے میں بہت زیادہ توجہ دینے والا اور حد سے

علیہ بہ العلامہ ابو شامہ احد شیوخ النووی السابق فی الاستقامۃ فی کتابۃ الباعث علیٰ البدع والحوادث و قال مثل ھذا الحسن: یندب الیہ و یشکر فاعلہ و یثنی علیہ' زاد ابن الجزری: و لو لم یکن فی ذالک الا ارغام الشیطان و سرور اھل الایمان قال یعنی الجزری: و اذا کان اھل الطلب اتخذوا لیلۃ مولد نبیھم عیدًا اکبر فاھل الاسلام اولٰی بالتکریم و اجدر

(المورد الروی فی مولد النبی: ۱۵'۱۶از ملا علی قاری")

زیادہ اہتمام کرنے والا تھا۔ (جو کہ امام نووی کے شیوخ میں سے ہیں اور صاحب استطاعت بزرگ ہیں) علامہ ابو شامہ" اپنی کتاب "الباعث علی البدع والحوادث" میں اس اہتمام پر اس (بادشاہ) کی تعریف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "اس طرح کے اچھے امور اس (بادشاہ) کو پسند تھے وہ ایسے افعال کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرتا تھا۔ امام جزری اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گو ان امور کی بجا آوری سے صرف شیطان کی تذلیل اور اھل ایمان کی شادمانی و مسرت ہی مقصود ہو۔ آگے مزید فرماتے ہیں کہ جب عیسائی اپنے نبی کی شب ولادت کو بہت بڑے جشن کے طور پر مناتے ہیں تو اہل اسلام حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ ﷺ کے یوم ولادت پر بے پناہ خوشی و مسرت کا اظہار کریں۔

ملا علی قاریؒ کی حتمی رائے

قلت: وفی قولہ تعالیٰ: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ اشعار بذلک وایماء الیٰ تعظیم وقت مجیئہ الیٰ ھنالک' قال: وعلیٰ ھذا فینبغی ان یقتصر فیہ علی ما یفھم الشکر للّٰہ تعالیٰ من نحو ما ذکر' واما ما یتبعہ من السماع واللھو وغیرھما فینبغی ان یقال ما کان من ذالک مباحا بحیث یعین علی السرور بذالک الیوم فلا باس بالحاقہ' وما کان حراما او مکروھا فیمنع' وکذا ما کان فیہ خلاف' بل نحسن فی ایام الشھر کلھا ولیالیہ یعنی کما جاء عن ابن جماعۃ تمنیہ فقد اتصل بنا ان الزاھد القدوۃ المعمر ابا اسحاق ابراھیم بن عبد الرحیم بن ابراھیم بن جماعۃ لما کان بالمدینۃ النبویۃ علی ساکنھا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ کان یعمل طعاما فی المولد النبوی' و یطعم الناس و یقول: لو تمکنت عملت بطول الشھر کل یوم مولدا' قلت: وانا

قرآن مجید کی آیت مبارکہ (لقد جاء کم رسول) میں اس امر (یعنی میلاد مصطفیٰ ﷺ) کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور حضور ﷺ کے وقت ولادت کی تعظیم و تکریم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے فرمایا بنا بریں اس روز وہی اعمال بجالانے چاہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی کا مفہوم پایا جائے (جیسا کہ اوپر مذکور ہے) جہاں تک سماع اور لھو وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ کہنا مناسب ہے کہ جو قوالی (سماع) اصل میں جائز ہے اور اس دن کی خوشی کے اظہار میں مددگار ہے تو اس کو اس سے ملانے میں حرج نہیں اور جو مکروہ و حرام ہے وہ منع ہے یونہی جس کے جائز وناجائز ہونے میں اختلاف ہو' بلکہ ہم تو اس مہینے کی تمام راتوں اور دنوں میں محفل میلاد کے انعقاد کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس بارے میں مصر و شام کے بہت بڑے قاضی "ابن جماعہ" کی تائید اس عمل کے بارے میں یوں ملتی ہے کہ جب وہ

لما عجزت عن الضيافة الصورية كتبت هذه الاوراق لتصير ضيافة معنوية نورية مستمرة على صفحات الدهر غير مختصة بالسنة والشهر وسميته: بالمورد الروی فی مولد النبی
(المورد الروی فی مولد النبی: ۱۷ از ملا علی قاریؒ)

مدینہ منورہ میں تھے تو حضور ﷺ کے میلاد کا کھانا تیار کراتے' لوگوں کو کھلاتے اور فرماتے اگر مجھے اس سے زیادہ استطاعت ہو تو میں پورا مہینہ ہر روز یونہی مولود شریف کی محفل منعقد کرتا رہوں۔ میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں جب میں خود ایسی ضیافت کا اہتمام نہ کر سکا تو یہ اوراق لکھنے بیٹھ گیا تاکہ یہ ایسی معنوی' نوری ضیافت ہو جائے جو صحیفہ کائنات پر رہتی دنیا تک باقی رہے۔ کسی سال مہینے سے مختص نہ ہو اور اس لئے میں نے اس کتاب کا نام "المورد الروی فی مولد النبی" رکھا ہے۔

۴۔ مشہور محدث امام ابن جوزیؒ

لا زال اهل الحرمين الشريفين والمصر واليمن والشام وسائر بلاد العرب من المشرق والمغرب يحتفلون بمجلس مولد النبی ﷺ ويفرحون بقدوم هلال شهر ربيع الاول ويهتمون اهتماما بليغا علىٰ السماع والقراة لمولد النبی ﷺ وينالون بذالك اجرًا جزيلاً و فوزًا عظيمًا
(المولد النبوی' ۵۸)

ہمیشہ مکہ مکرمہ' مدینہ طیبہ' مصر' شام' یمن غرض شرق سے غرب تک تمام بلاد عرب کے باشندے میلاد النبی ﷺ کی محفلیں منعقد کرتے آئے ہیں۔ جب ربیع الاول کا چاند دیکھتے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہاء نہیں رہتی۔ چنانچہ ذکر میلاد پڑھنے اور سننے کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں اور بے پناہ اجر و کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

۵۔ امام نووی کے شیخ امام ابو شامہؒ

اربل جبرها الله تعالیٰ کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولد النبی ﷺ من الصدقات والمعروف واظهار الزینة والسرور فان ذالک مع ما فیه من الاحسان الی الفقراء مشعر بمحبة النبی ﷺ وتعظیمه وجلالته فی قلب فاعله وشکر الله علی ما من به من ایجاد رسوله الذی ارسله رحمة للعالمین ﷺ

(الباعث علی انکار البدع والحوادث: ۲۳)

شہر "اربل" کو خدا تعالیٰ حفظ و امان عطا کرے۔ اس بابرکت شہر میں ہر سال میلاد النبی ﷺ کے موقع پر اظہار فرحت و سرور کے لئے صدقات و خیرات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں' نیک کام کئے جاتے ہیں' صاف ستھرے لباس پہنے جاتے ہیں۔ یہ ایک حسین ترین طریقہ ہے جو اگرچہ نو ایجاد ہے مگر اس کے حسین ہونے میں کلام نہیں کیونکہ اس سے جہاں ایک طرف غرباء و مساکین کا بھلا ہوتا ہے وہاں اس سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ محبت کا پہلو بھی نکلتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اظہار شادمانی کرنے والے کے دل میں اپنے نبی کی بے حد تعظیم پائی جاتی ہے اور ان کی جلالت و عظمت کا تصور موجود ہے گویا وہ اپنے رب کا شکر ادا کر رہا ہے کہ اس نے بے پایاں رحمت عطا فرمائی اور وہ محبوب ان کو دے دیا جو تمام جہانوں کے لئے رحمت مجسم ہے

۶۔ امام سخاوی (صاحب المقاصد الحسنہ)

لا زال اهل الاسلام فی سائر الاقطار والمدن الکبار یحتفلون فی شهر مولده ﷺ بعمل الولائم البدیعة المشتملة علی الامور البهجة الرفیعة و یتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات و یظهرون السرور و یزیدون فی المبرات و یعتنون بقراءة مولده الکریم و یظهر علیهم من برکاته کل فضل عمیم

(سبل الہدیٰ ۱:۴۳۹)

دنیا کے کونے کونے اور مختلف ممالک میں بسنے والے تمام اہل اسلام ہمیشہ سے ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کی یاد مناتے ہیں۔ اس موقعہ پر وہ تمام نیک کام کرتے آئے ہیں جو خوشی، نیکی اور محبت کا مظہر ہوتے ہیں چنانچہ صدقات وخیرات کی تمام ممکنہ صورتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ میلاد کے چرچے کرتے ہیں، جن کی برکات ان پر بہر طور پر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

۷۔ امام قسطلانیؒ (صاحب ارشاد الساری)

لا زال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده علیه السلام و یعملون الولائم و یتصدقون فی لیالیه انواع الصدقات و یظهرون السرور و یزیدون فی المبرات و یعتنون بقراءة مولده الکریم و یظهر علیهم من برکاته کل فضل عظیم و مما جرب من خواصه انه امان فی ذالک العام و بشری

ہمیشہ سے اہل اسلام حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں محافل میلاد کا اہتمام کرتے آئے ہیں۔ کھانا کھلاتے ہیں، ربیع الاول کی راتوں میں صدقات وخیرات کی تمام ممکنہ صورتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ اظہار مسرت کرتے ہیں۔ نیکیوں میں کثرت کرتے ہیں، میلاد شریف کے چرچے کئے جاتے ہیں۔ ہر مسلمان میلاد

عاجلہ بنیل البغیہ و المرام فصح اللّٰہ امرأ اتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیادًا لیکون اشد علۃ علیٰ من فی قلبہ مرض
(المواہب اللدنیہ' ۱:۲۷)

شریف کی برکات سے بہر طور فیض یاب ہوتا ہے۔ میلاد النبی کی مجرب چیزوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس سال میلاد منایا جائے وہ سال امن سے گزرتا ہے' نیز (یہ عمل) نیک مقاصد اور دلی خواہشات کی فوری تکمیل میں بشارت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے ماہ میلاد النبیؐ کی راتوں کو (بھی) بطور عید مناکر اس کی شدت مرض میں اضافہ کیا جس کے دل میں (بغض رسالت مآب کے سبب پہلے ہی خطرناک) بیماری ہے۔

۸۔ امام ابن تیمیہؒ

و کذالک ما یحدثہ بعض الناس اما مضاھاۃ للنصاری فی میلاد عیسیٰ علیہ السلام واما محبۃ للنبی ﷺ وتعظیما لہ واللّٰہ قد یثیبھم علیٰ ھذہ المحبۃ والاجتھاد
(اقتضاء الصراط المستقیم: ۲۹۴)

عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا دن مناتے ہیں۔ اس طرح ان کی دیکھا دیکھی یا حضور ﷺ کی محبت و تعظیم کے باعث بعض لوگ ولادت با سعادت کا دن مناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس پیار و محبت اور اہتمام و کوشش پر جزا دینے والا ہے۔

آپ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

فتعظیم المولد و اتخاذہ موسما قد یفعلہ بعض الناس و یکون لہ فیہ

چنانچہ اس دن کو اہتمام سے منانا اور اس کی تعظیم کرنا' حسن نیت اور حضور

اجر عظیم لحسن قصدہ و تعظیمہ لرسول اللہ ﷺ

(اقتضاء الصراط المستقیم: ۲۹۷)

ﷺ کی محبت کی وجہ سے اجر عظیم کا باعث ہو سکتا ہے۔

۹۔ امام ابن حجر مکیؒ

الموالد و الاذکار التی تفعل عندنا اکثرھا مشتمل علی خیر کصدقۃ و ذکر و صلاۃ و سلام علی رسول اللہ ﷺ

(فتاوٰی حدیثیہ: ۱۲۹)

ہمارے ہاں میلاد و اذکار کی جو محفلیں منعقد ہوتی ہیں وہ زیادہ تر بھلے کاموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مثلاً ان میں ذکر کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے اور صدقات دیئے جاتے ہیں یعنی غرباء کی امداد کی جاتی ہے۔

۱۰۔ امام ابو زرعہ العراقیؒ

سئل عن فعل المولد أمستحب او مکروہ وھل ورد فیہ شئ او فعلہ من یقتدی بہ قال اطعام الطعام مستحب فی کل وقت فکیف اذا انضم لذالک السرور بظھور نور النبوۃ فی ھذا الشھر الشریف ولا نعلم ذالک من السلف ولا یلزم من کونہ بدعۃ کونہ مکروھا فکم من بدعۃ مستحبۃ بل واجبۃ

(تشنیف الاذان۔ شیخ محمد بن صدیق: ۱۳۶)

آپ سے پوچھا گیا کہ محفل میلاد منعقد کرنا مستحب ہے یا مکروہ؟ یا اس کے بارے میں کوئی باقاعدہ حکم موجود ہے؟ جو قابل ذکر ہو اور اس کی پیروی کی جا سکتی ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے۔ اگر کسی موقعہ پر' ربیع الاول شریف کے مہینے میں ظہور نبوت کی یادگار کے حوالے سے خوشی اور مسرت کے اظہار کا اضافہ کر دیا جائے تو اس سے

یہ چیز کیسی بابرکت ہو جائے گی؟ ہم جانتے ہیں کہ اسلاف نے ایسا نہیں کیا اور یہ عمل بدعت ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مکروہ ہو کیونکہ بہت سی بدعات مستحب ہی نہیں بلکہ واجب ہوتی ہیں۔

۱۱۔ امام نصیر الدین ابن الطباخؒ

اذا انفق المنفق تلک اللیلۃ و جمع جمعا اطعمهم ما یجوز اطعامہ واسمعهم للاٰخرۃ ملبوسا کل ذالک سرورًا بمولدہ ﷺ بجمیع ذالک جائز و یثاب فاعلہ اذا حسن القصد

(سبل الہدیٰ، ۱:۴۴۴)

کسی شخص نے میلاد کی شب لوگوں کو جمع کیا، انہیں حلال وطیب کھانے کھلائے اور صحیح روایات سے ثابت واقعات سنانے کا اہتمام کیا۔ اگر یہ سب کچھ میلاد پاک کی خوشی میں ہے اور اس کی نیت صحیح ہے تو یہ سب کچھ جائز ہے اور ایسا کرنے والے کو ثواب ملے گا۔

۱۲۔ امام جلال الدین کتانیؒ

مولد رسول اللّٰہ ﷺ مبجّل مکرم قدس یوم ولادتہ و شرف وعظم و کان وجودہ ﷺ مبداء سبب النجاۃ لمن اتبعہ وتقلیل حظ جهنم لمن اعد لها لفرحہ بولادتہ ﷺ فمن المناسب اظهار السرور وانفاق

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن، بڑا ہی مقدس، بابرکت اور قابل تکریم ہے۔ آپ کی ذات اقدس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان اور آپ کو ماننے والا آپ کی ولادت کی خوشی منائے تو وہ نجات وسعادت حاصل کر لیتا ہے اور اگر ایسا شخص

المیسور

(سبل الہدیٰ ۱: ۴۴)

خوشی منائے جو مسلمان نہیں اور دوزخ میں رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہو تو اس کا عذاب کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے خوشی اور مسرت کا اظہار اور اپنی حیثیت کے مطابق خصوصی اہتمام بہت ہی مناسب ہے۔

۱۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

لا یزال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده ﷺ ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات ویظهرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقراءة مولده الکریم

(ماثبت من السنۃ: ۱۰۲)

ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ دستور ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں، صدقات وخیرات اور خوشی کے اظہار کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان دنوں میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کریں۔ اس موقعہ پر وہ ولادت با سعادت کے واقعات بھی بیان کرتے ہیں۔

۱۴۔ امام ظہیرالدین جعفرالمصری

هذاالفعل لم یقع فی الصدر الاول من السلف الصالح مع تعظیمهم و حبهم له اعظاما و محبة لا یبلغ جمعنا الواحد منهم ولا ذرة منه، وهی بدعة حسنة اذا قصد فاعلها

محافل میلاد کے انعقاد کا سلسلہ پہلی صدی ہجری میں شروع نہیں ہوا اگرچہ ہمارے اسلاف صالحین عشق رسول ﷺ سے اس قدر سرشار تھے کہ ہم سب کا عشق و محبت ان

جمع الصالحین والصلاۃ علی النبی ﷺ واطعام الطعام للفقراء و المساکین وھذا القدر یثاب علیہ بھذا الشرط فی کل وقت

(سبل الہدیٰ' ۱: ۴۴۲)

بزرگان دین میں سے کسی ایک شخص کے عشق نبی ﷺ کو نہیں پہنچ سکتا۔ میلاد کا انعقاد بدعت حسنہ ہے اگر اس کا اہتمام کرنے والا صالحین کو جمع کرے محفل درود وسلام اور فقراء مساکین کے طعام کا بندوبست کرے۔ اس شرط کے ساتھ جب بھی یہ عمل کیا جائے موجب ثواب ہو گا۔

۱۵۔ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامیؒ

سیرت النبی کی معروف اور ضخیم ترین کتاب سبل الہدیٰ کے مصنف لکھتے ہیں۔

واما ما یعمل فیہ فینبغی ان یقتصر فیہ علی ما یفھم الشکر للّٰہ تعالٰی من نحو ما تقدم ذکرہ من التلاوۃ والاطعام و الصدقۃ و انشاد شئ من المدائح النبویۃ والزھدیۃ المحرکۃ للقلوب الی فعل الخیرات والعمل للاخرۃ

(سبل الہدیٰ' ۱: ۴۴۴)

جہاں تک میلاد شریف کے دن اعمال صالحہ کا تعلق ہے تو اس روز ہر وہ فعل و عمل انجام دیا جائے جس سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں شکر وسپاس کا اظہار ہو۔ مثلاً تلاوت قرآن مجید' فقراء ومساکین کو کھانا کھلانا' صدقات وخیرات کرنا' محافل نعت منعقد کرنا اور ایسے قصائد سنانا جو دلوں کو آخرت اور اعمال حسنہ کی طرف مائل کریں۔

۱۶۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

کنت اصنع فی ایام المولد طعاما

صلة بالنبی ﷺ فلم یفتح لی سنة من السنین شیٔ اصنع به طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمته بین الناس فرایته ﷺ و بین یدیه هذه الحمص متبهجا بشاشا

(الدر الثمین:۴۰)

میں ہر سال حضور ﷺ کے میلاد کے موقع پر کھانے کا اہتمام کرتا تھا، لیکن ایک سال (بوجہ عسرت) کھانے کا اہتمام نہ کر سکا، مگر میں نے کچھ بھنے ہوئے چنے لے کر میلاد کی خوشی میں لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ کے سامنے وہی چنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ خوش و خرم تشریف فرما ہیں۔

۱۷۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ

و کنت قبل ذالک بمکة المعظمة فی مولد النبی ﷺ فی یوم ولادته و الناس یصلون علی النبی ﷺ و یذکرون ارهاصاتہ التی ظهرت فی ولادته و مشاهده قبل بعثتہ فرایت انوارا سطعت دفعة واحدة لا اقول انی ادرکتها ببصر الجسد ولا اقول ادرکتها ببصر الروح فقط والله اعلم کیف کان الامر بین هذا و ذالک فتاملت تلک الانوار فوجدتها من قبل الملائکة

اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن میں ایک ایسی میلاد کی محفل میں شریک ہوا جس میں لوگ آپ کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ درود وسلام عرض کر رہے تھے اور وہ واقعات بیان کر رہے تھے جو آپ کی ولادت کے موقعہ پر ظاہر ہوئے اور جن کا مشاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا تو اچانک میں نے دیکھا کہ اس محفل پر انوار و تجلیات کی برسات شروع ہو گئی میں نہیں کہتا کہ میں نے یہ منظر صرف

الموکلین بامثال ھذہ المشاھد و بامثال ھذہ المجالس و رایت بخالطہ انوار الملائکۃ انوار الرحمۃ

(فیض الحرمین: ۸۰، ۸۱)

جسم کی آنکھ سے دیکھا تھا نہ یہ کہتا ہوں کہ فقط روحانی نظر سے دیکھا تھا' بہر حال جو بھی ہو میں نے غور و خوض کیا تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ انوار ان ملائکہ کی وجہ سے ہیں جو ایسی مجالس میں شرکت پر مامور کئے ہوتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ کے ساتھ ساتھ رحمت باری تعالیٰ کا نزول بھی ہو رہا تھا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان دو میں سے کون سا معاملہ تھا۔

۱۸۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

ہمارے علماء مولد شریف میں بہت تنازعہ کرتے ہیں۔ تاہم علماء جواز کی طرف بھی گئے ہیں جب صورت جواز کی موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے۔ البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہئے۔ اگر احتمام تشریف آوری کا کیا جائے تو مضائقہ نہیں کیونکہ عالم خلق مقید بزماں و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔
(شمائم امدادیہ: ۹۴)

آپ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

(مولد شریف تمام اہل حرمین کرتے ہیں اس قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر کیسے مذموم ہو سکتا ہے۔ البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں نہ چاہئیں۔ (شمائم امدادیہ: ۸۷، ۸۸)

مشہور کتابچہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں فرماتے ہیں۔

فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہے' بلکہ برکات کا ذریعہ سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف اور لذت پاتا ہوں۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ:۹)

۱۹۔ مولانا عبدالحی لکھنوی

جو لوگ میلاد کی محفل کو بدعت مذمومہ کہتے ہیں خلاف شرع کہتے ہیں۔

دن اور تاریخ کے تعین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جس زمانے میں بطرز مندوب محفل میلاد کی جائے باعث ثواب ہے اور حرمین' بصرہ' شام' یمن اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشی اور محفل میلاد اور کار خیر کرتے ہیں اور قرات اور سماعت میلاد میں اہتمام کرتے ہیں اور ربیع الاول کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی ان ممالک میں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ اعتقاد نہیں کرنا چاہئے کہ ربیع الاول میں میلاد شریف کیا جائے گا تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ عبدالحی '۲:۲۸۳)

۲۰۔ امام قطب الدین الحنفی ....اہل مکہ کا جشن میلاد

صدیوں سے اہل مکہ جشن میلاد النبی ﷺ مناتے رہے ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

یزار مولد النبی ﷺ المکانی فی اللیلۃ الثانیۃ عشر من ربیع الاول فی کل عام لیجتمع الفقھاء و الاعیان علی نظام المسجد الحرام و القضاۃ الاربعۃ بمکۃ الشرفۃ بعد صلاۃ المغرب بالشموع الکثیرۃ و المفروعات و الفوانیس و

۱۲ ربیع الاول کی رات ہر سال باقاعدہ مسجد حرام میں اجتماع کا اعلان ہو جاتا ہے۔ تمام علاقوں کے علماء فقہاء' گورنر اور چاروں مذاہب کے قاضی مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام میں اکٹھے ہو جاتے ہیں ادائیگی نماز کے بعد سوق اللیل سے گزرتے ہوئے مولد

المشاعل و جمع المشائخ مع طوائفهم بالاعلام الكثيرة و يخرجون من المسجد الى سوق الليل و يمشون فيه الى محل مولد الشريف بازدحام و يخطب فيه شخص و يدعو للسلطنة الشريفة ثم يعودون الى المسجد الحرام و يجلسون صفوفا فى وسط المسجد من جهة الباب الشريف و القضاة يدعو للسلطان و يلبسه الناظر خلعة و يلبس شيخ الفراشين خلعة ثم يوذن للعشاء و يصلى الناس على عادتهم ثم يمشى الفقهاء مع ناظر الحرم الى الباب الذى يخرج منه من المسجد ثم يتفرقون' و هذا من اعظم مراكب ناظر الحرم الشريف بمكة المشرفة و ياتى الناس من البدو و الحضر و اهل جدة و سكان الاودية فى تلك الليلة و يفرحون بها

(الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام:۱۹۶)

النبی ﷺ (وہ مکان جس میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی) کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ان کے ہاتھوں میں کثیر تعداد میں شمعیں' فانوس اور مشعلیں ہوتیں ہیں (یہ مشعل بردار جلوس ہوتا ہے۔) وہاں لوگوں کا کثیر اجتماع ہوتا ہے کہ جگہ نہیں ملتی۔ پھر ایک عالم دین وہاں خطاب کرتے ہیں تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہوتی اور تمام لوگ پھر دوبارہ مسجد حرام میں آجاتے واپسی پر مسجد میں بادشاہ وقت مسجد حرام اور ایسی محفل کے انتظام کرنے والوں کی دستار بندی کرتا۔ پھر عشاء کی اذان اور جماعت ہوتی اس کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ یہ اتنا بڑا اجتماع ہوتا کہ دور دراز دیہاتوں' شہروں حتی کہ جدہ کے لوگ بھی اس محفل میں شریک ہوتے اور آپ ﷺ کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔

۲۱۔ امام محمد بن جار اللہ ابن ظہیرہ.... اہل مکہ کا جشن میلاد

جرت العادۃ بمکۃ لیلۃ الثانی عشر من ربیع الاول کل عام ان قاضی مکۃ الشافعی یتہیاء لزیارۃ ھذا المحل الشریف بعد صلاۃ المغرب فی جمع عظیم منھم الثلاثۃ القضاۃ واکثر الاعیان من الفقہاء والفضلاء و ذوی البیوت بفوانیس کثیرۃ و شموع عظیمۃ وازدحام عظیم و یدعی فیہ للسلطان ولامیر مکۃ وللقاضی الشافعی بعد تقدم خطبۃ مناسبۃ للمقام ثم یعود منہ الی المسجد الحرام قبیل العشاء و یجلس خلف مقام الخلیل علیہ السلام بازاء قبۃ الفراشین و یدعو الداعی لمن ذکر انفا بحضور القضاۃ و اکثر الفقہاء ثم یصلون العشاء و ینصرفون و لم اقف علی اول من ذالک سالت مورخی العصر فلم اجد عندھم علما بذالک

(الجامع اللطیف فی فضل مکۃ واھلہا و بناء البیت الشریف: ۲۰۱)

ہر سال مکہ شریف میں ۱۲ ربیع الاول کی رات کو اہل مکہ کا یہ معمول ہے کہ قاضی مکہ جو کہ شافعی ہیں مغرب کی نماز کے بعد لوگوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ مولد شریف کی زیارت کے لئے جاتے ہیں ان لوگوں میں تینوں مذاہب فقہ کے ائمہ' اکثر فقہاء' فضلاء اور اہل شہر ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں فانوس اور بڑی بڑی شمعیں ہوتی ہیں وہاں جاکر مولد شریف کے موضوع پر خطبہ ہوتا ہے اور پھر بادشاہ وقت' امیر مکہ اور قاضی شافعی (منتظم ہونے کی وجہ سے) کے لئے دعا کی جاتی ہے اور یہ اجتماع عشاء تک جاری رہتا ہے اور عشاء سے تھوڑا پہلے مسجد حرام میں آ جاتے ہیں مقام ابراہیم علیہ السلام پر اکھٹے ہو کر دوبارہ دعا کرتے ہیں۔ اس میں بھی تمام قاضی اور فقہاء شریک ہوتے ہیں۔ پھر عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے اور پھر الوداع ہو جاتے ہیں۔ (مصنف فرماتے ہیں کہ:) مجھے علم نہیں کہ یہ سلسلہ کس نے شروع کیا تھا اور

بہت سے ہم عصر مؤرخین سے پوچھنے
کے باوجود اس کا علم نہیں ہو سکا۔

۲۲۔ جشن میلاد النبی ﷺ پر شیخ محمد رضا مصری ؒ کی تحقیق

امام ابو شامہ شیخ نووی ؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دور کا نیا مگر بہترین عمل آنحضرت ﷺ کے یوم ولادت کا جشن منانے کا عمل ہے جس میں اس مبارک خوشی کی مناسبت سے صدقہ و خیرات' محفلوں کی زیبائش و آرائش اور اظہار مسرت کیا جاتا ہے۔ یہ مبارک تقریبات فقراء سے حسن سلوک کے علاوہ امتیوں کی آنحضرت ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت اور اہل محفل کے دل میں آپ کی فضیلت و عظمت کی پختگی اور آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنے والے کے قلبی شکر و امتنان کا احساس دلاتی ہیں۔

امام سخاوی ؒ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کا رواج تین صدی بعد ہوا ہے۔ اس کے بعد سے تمام ممالک و امصار میں مسلمانان عالم عید میلاد النبی ﷺ مناتے چلے آرہے ہیں۔ وہ ان دنوں میں خیرات و صدقات کرتے اور میلاد النبی کی مجالس منعقد کرتے ہیں جن کی برکتوں سے ان پر حق تعالیٰ کا عام فضل و کرم ہوتا ہے۔

علامہ ابن جوزی ؒ فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے سال بھر امن و عافیت رہتی ہے اور یہ مبارک عمل ہر نیک مقصد میں فوری کامیابی کی بشارت کا سبب بنتا ہے۔

سلاطین اسلام میں اس طریقہ کو رائج کرنے والے سب سے پہلے شاہ اربل سلطان مظفر ابو سعید تھے۔ جن کی فرمائش پر حافظ ابن دحیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب "التنویر فی مولد البشیر النذیر" تالیف کی تھی۔ اس پر شاہ نے خوش ہو کر مؤلف کو ایک ہزار دینار انعام عطا فرمایا تھا۔ اسی سلطان نے سب سے پہلے جشن میلاد النبی منعقد فرمایا تھا۔ وہ ہر سال ماہ ربیع الاول میں یہ جشن انتہائی اہتمام کے ساتھ بہت اعلیٰ پیمانے پر منایا کرتے تھے۔ وہ طبعاً نہایت سخی' جواں مرد' شیر دل' فیاض طبع' نہایت زیرک و دانا اور منصف مزاج تھے۔ کہا گیا ہے کہ وہ ہر سال جشن میلاد پر تین لاکھ دینار

خرچ کیا کرتے تھے۔

سلطان ابو حمو موسیٰ شاہ تلمسان بھی عید میلاد النبی کا عظیم الشان جشن منایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ان کے زمانہ میں اور ان سے قبل مغرب اقصیٰ واندلس کے سلاطین بھی منایا کرتے تھے۔ سلطان ابو حمو کے جشن کی تفصیل حافظ سید ابو عبداللہ تونسی ثم تلمسانی نے اپنی درج ذیل کتاب میں بیان کی ہے جس کا نام یہ تھا۔

راح الارواح فیما قالہ مولی ابوحمو
من الشعر و قیل فیہ من الامداح

(سلطان ابو حمو اور دوسروں کے فرمودہ منقبتی اشعار میں ارواح انسانی کے لئے راحت وسکون ہے۔)

مؤلف نے بیان کیا ہے کہ سلطان تلمسان صاحب رائے معززین کے مشورہ سے شب میلاد النبی میں ایک عام دعوت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے جس میں بلا استثناء ہر خاص وعام کو شرکت کی اجازت ہوتی تھی۔ اس محفل میں اعلیٰ قسم کے قالینوں کا فرش اور منقش پھول دار چادریں بچھائی جاتیں۔ سنہرے کار چوبی غلافوں والے گاؤ تکیے لگائے جاتے تھے۔ ستونوں کے برابر بڑے بڑے شمعدان روشن کئے جاتے تھے۔ بڑے بڑے دستر خوان بچھائے جاتے تھے۔ بڑے بڑے گول اور خوشنما نصب شدہ بخور دانوں میں بخور سلگایا جاتا تھا جو دیکھنے والوں کو پگھلایا ہوا سونا معلوم ہوتا تھا۔ پھر تمام حاضرین کے سامنے انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ موسم بہار میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ ایسے کھانے جن کی طرف دل کو رغبت ہو اور جنہیں دیکھ کر آنکھیں لذت اندوز ہوں۔ ان محفلوں میں اعلیٰ قسم کی خوشبوئیں بسائی جاتی تھیں جن کی مہک سے فضاء معطر ہو جاتی تھی۔ مہمانوں کو حسب مراتب ترتیب وار بٹھایا جاتا تھا۔ یہ ترتیب جشن کی مناسبت سے دی جاتی تھی۔ حاضرین پر عظمت نبوت کا جلال ووقار چھایا رہتا تھا۔

انعقاد محفل کے بعد سامعین آنحضرت ﷺ کے مناقب وفضائل اور ایسے

پاکیزہ خیالات ونصائح سنتے جو انہیں گناہوں سے توبہ کی طرف راغب کرتے۔ خطباء اسلوب بیان کے مدوجزر اور خطاب کے تنوعات سے سامعین کے قلوب کو گرماتے اور سامعین کو لذت اندوز کرتے تھے۔

ہمارے زمانہ میں بھی مسلمانان عالم اپنے اپنے شہروں میں میلاد کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ مصر کے علاقوں میں یہ محفلیں مسلسل منعقد کی جاتی ہیں اور ان میں برابر میلاد نبوی سے متعلق بیانات کئے جاتے ہیں۔ فقراء ومساکین کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔ خاص شہر قاہرہ میں اس روز ظہر کے بعد ایک پیادہ جلوس کمشنر آفس کے سامنے سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان کی طرف روانہ ہوتا ہے جو پولیس کے حفاظتی دستوں کے ساتھ سڑکوں سے گزرتا ہے۔ یہ جلوس مقامات غوریہ 'اشرافیہ' کوئلہ بازار اور حسینیہ سے گزرتا ہوا عباسیہ میدان پر ختم ہوتا ہے۔ ان راستوں پر ہجوم بڑھتا جاتا ہے۔ جلوس کے آگے پولیس کے سوار دستے ہوتے ہیں اور دونوں طرف فوج کے کچھ افسر ہوتے ہیں۔ مصر میں یہ مبارک دن حکومت کی طرف سے منایا جاتا ہے۔ چنانچہ عباسیہ میں وزراء وحکام کے لئے شامیانے نصب کئے جاتے ہیں اور خود شاہ وقت یا ان کے نائب جلسہ گاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ کے پہنچنے پر فوج سلامی دیتی ہے۔ پھر وہ شامیانے میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر صوفیاء اور مشائخ طریقت اپنے اپنے جھنڈے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں جن کا بادشاہ استقبال کرتے ہیں۔ پھر شاہ خود شیخ المشائخ کے شامیانے میں حاضر ہو کر ذکر میلاد النبی سماعت فرماتے ہیں۔ ختم محفل پر شاہ میلاد کا بیان کرنے والے کو شاہانہ خلعت عطا فرماتے ہیں۔ پھر حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے۔ شربت پلایا جاتا ہے۔ اس کے بعد توپوں کی گونج میں شاہانہ سواری مراجعت فرما ہوتی ہے۔ پھر شام کے وقت خیموں پر نصب شدہ قمقمے روشن کئے جاتے ہیں۔ بہترین آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔ اس دن تمام دفاتر میں تعطیل ہوتی ہے۔ نیز بمقام مشہد حسینی کمشنر مصر کی موجودگی میں سیرت النبی کا بیان ہوتا ہے۔ آج کل مذہبی علماء اور بیدار مغز حکام کی توجہات ومساعی جمیلہ سے بیشتر مروجہ بدعتوں کو دور کیا جارہا ہے۔

یہ جشن میلاد النبی کے اہتمام کا بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ہم حکام وقت سے مسلسل یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ ہر برائی جو دین کے خلاف ہے اور وہ تمام غیر ضروری باتیں جو ان مبارک مجالس کے موقعوں پر رواج پا گئی ہیں انہیں سختی سے روک دیا جائے کیونکہ یہ باتیں اسلام کی خوبیوں کو داغدار بنا دیتی ہیں اور مجالس میلاد کے انعقاد کے پاکیزہ مقاصد کو مفاسد سے آلودہ کر دیتی ہیں۔

(محمد رسول اللہ ﷺ مترجم: ۳۲۱ از شیخ محمد رضا مصری)

۲۳۔ مفتی عنایت اللہ کاکوروی ؒ ..... اہل حرمین کا معمول میلاد

حرمین شریفین اور اکثر بلاد اسلامیہ میں عادت ہے کہ ماہ ربیع الاول میں محفل میلاد شریف کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مجتمع کر کے مولود شریف پڑھتے ہیں اور کثرت درود کی کرتے ہیں اور بطور دعوت کے کھانا یا شیرینی کھاتے ہیں سو یہ امر موجب برکات عظیم ہے اور سبب ہے ازدیاد محبت جناب رسول اللہ ﷺ کا بارہویں ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں یہ محفل متبرک مسجد نبوی شریف میں ہوتی ہے اور مکہ معظمہ میں بر مکان ولادت آنحضرت ﷺ (تاریخ حبیب الہ: ۱۵)

۲۴۔ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی ؒ

میلاد خوانی بشرطیکہ صحیح روایات کے ساتھ ہو اور بارہویں شریف میں جلوس نکالنا بشرطیکہ اس میں کسی فعل ممنوع کا ارتکاب نہ ہو یہ دونوں جائز ہیں ان کو ناجائز کہنے کے لئے دلیل شرعی ہونی چاہئے۔ مانعین کے پاس اس کی ممانعت کی کیا دلیل ہے۔ یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ کبھی اس طور سے میلاد خوانی کی نہ جلوس نکالا ممانعت کی دلیل نہیں بن سکتی کہ کسی جائز امر کو کسی کا نہ کرنا اس کو ناجائز نہیں کر سکتا۔

(فتاوی مظہری: ۴۳۵، ۴۳۶)

۲۵۔ شیخ محمد بن علوی المالکی المکی کی رائے

ان الاحتفال بالمولد النبوی — بے شک میلاد النبی کی محفل حضور نبی

الشریف تعبیر عن الفرح والسرور بالمصطفیٰ ﷺ وقد انتفع بہ فقد جاء فی البخاری انہ یخفف عن ابی لھب کل یوم الاثنین بسبب عتقہ لثویبۃ جاریتہ لما بشرتہ بولادۃ المصطفیٰ ﷺ

(حول الاحتفال بذکری المولد النبوی الشریف از السید محمد بن علوی بن عباس المالکی الحسینی)

اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی و مسرت سے عبارت ہے اور اس اظہار خوشی پر تو کافر نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ سوموار کے روز اس لئے ابولہب کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے کہ اس نے اپنی لونڈی ثویبہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشخبری دینے کی بناء پر (اظہار مسرت کی وجہ سے) آزاد کر دیا تھا۔

۲۶۔ مکہ معظمہ میں جشن میلادالنبی ﷺ کی اخباری رپورٹ ۱۹۱۷ء

روز پیدائش آنحضرت ﷺ مکہ میں بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ اس کو "عید یوم ولادت رسول اللہ ﷺ" کہتے ہیں۔ اس روز جلیبیاں بکثرت بکتی ہیں۔ حرم شریف میں حنفی مصلے کے پیچھے مکلف فرش بچھایا جاتا ہے۔ شریف اور کمانڈر حجاز مع شاف کے لباس فاخرہ زرق برق کا پہنے ہوئے آکر موجود ہوتے ہیں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی جائے ولادت پر جا کر تھوڑی دیر نعت شریف پڑھ کر واپس آتے ہیں۔ حرم شریف سے مولد النبی ﷺ تک دو رویہ لالٹینوں کی قطاریں روشن کی جاتی ہیں اور راستے میں جو مکانات اور دکانیں واقع ہیں ان پر روشنی کی جاتی ہے۔ جائے ولادت اس روز بقعہ نور بنی ہوتی ہے۔ جاتے وقت ان کے آگے مولود خوان نہایت خوش الحانی سے نعت شریف پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ۲ بجے شب تک نعت' مولود اور ختم پڑھتے ہیں اور رات مولد النبی ﷺ پر مختلف جماعتیں جا کر نعت خوانی کرتی ہیں۔

۱۱ ربیع الاول کی مغرب سے ۱۲ ربیع الاول کی عصر تک ہر نماز کے وقت ۲۱ توپ سلامی کے قلعہ جیاد سے ترکی توپ خانہ سر کرتا ہے۔ ان دنوں میں اہل مکہ بہت جشن

کرتے، نعت پڑھتے اور کثرت سے مجالس میلاد منعقد کرتے ہیں۔ (ماہنامہ طریقت لاہور۔ جنوری ۱۹۱۷ء: ۲، ۳)

مکہ معظمہ کی تقریب میلاد

گیارھویں ربیع الاول کو مکہ مکرمہ کے در و دیوار عین اس وقت توپوں کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھے جب کہ حرم شریف کے مؤذن نے نماز عصر کے لئے اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کی سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کو عید میلاد النبی ﷺ پر مبارک باد دینے لگے۔ مغرب کی نماز ایک بڑے مجمع کے ساتھ شریف حسین نے حنفی مصلے پر ادا کی۔ نماز سے فراغت پانے کے بعد سب سے پہلے قاضی القضاۃ نے حسب دستور شریف کو عید میلاد کی مبارک باد دی۔ پھر تمام وزراء اور ارکان سلطنت ایک عام مجمع کے ساتھ جس میں دیگر اعیان شہر بھی شامل تھے نبی کریم ﷺ کے مقام ولادت کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شاندار مجمع نہایت انتظام و احتشام کے ساتھ مولد النبیؐ کی طرف روانہ ہوا۔ قصر سلطنت سے مولد النبی ﷺ تک راستے میں دو رویہ

اعلیٰ درجے کی روشنی کا انتظام تھا اور خاص کر مولد النبی ﷺ تو اپنی رنگ برنگ روشنی سے رشک جنت بنا ہوا تھا۔ زائرین کا یہ مجمع وہاں پہنچ کر مؤدب کھڑا ہو گیا اور ایک شخص نے نہایت مؤثر طریقے سے سیرت احمدیہ ﷺ بیان کی جس کو تمام حاضرین نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ سنتے رہے اور ایک عام سکوت تھا جو تمام محفل پر طاری تھا۔ ایسے متبرک مقام کی بزرگی کسی کو حرکت کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی تھی اور اس یوم سعید کی خوشی ہر شخص کو بے حال کئے ہوئے تھی... اس کے بعد شیخ فؤاد نائب وزیر خارجہ نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں عالم انسانی کے اس انقلاب عظیم پر روشنی ڈالی کہ جس کا سبب وہ خلاصۃ الوجود ذات تھی ﷺ ...... آخر میں قابل مقرر نے ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا جس کو سن کر سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ اس سے فارغ ہو کر سب نے مقام ولادت کی ایک ایک زیارت کی پھر واپس ہو کر حرم شریف میں نماز عشاء ادا کی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب حرم شریف کے ایک دالان میں مقررہ سالانہ

بیان میلاد سننے کے لئے جمع ہو گئے۔ یہاں بھی مقرر نے نہایت خوش اسلوبی سے اخلاق واوصاف نبی اکرم ﷺ بیان کئے.....

عید میلاد کی خوشی میں تمام کچہریاں' دفاتر اور مدارس بھی بارہویں ربیع الاول کو ایک دن کے لئے بند کر دیئے گئے اور اس طرح یہ خوشی اور سرور کا دن ختم ہو گیا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اس سرور اور مسرت کے ساتھ پھر یہ دن دکھائے۔ (ماخوذ از اخبار "القبلہ" مکہ مکرمہ) (ماہنامہ "طریقت" لاہور مارچ ۱۹۱۷ء:۲۱'۲۲'۲۳)

۲۷۔ میلاد النبی ﷺ پر لکھی جانے والی ائمہ و محدثین کی مزید چند کتب

اس موضوع پر ائمہ اور محدثین نے مستقل کتابیں بھی لکھیں ان میں سے بعض نظم میں ہیں اور بعض نثر میں' بعض ضخیم ہیں اور بعض مختصر۔ ذیل میں چند ایک کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ امام محمد بن ابی بکر المعروف امام ابن ناصر الدین الدمشقی (المتوفی ۸۰۸ھ)	i۔ جامع الاثار فی مولد النبی المختار ii۔ اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق iii۔ مورد الصاوی فی مولد الھادی
۲۔ امام عبد الرحیم بن الحسین المصری المعروف حافظ عراقی (المتوفی ۸۰۸ھ)	المورد الھنی فی المولد السنی
۳۔ امام محمد بن عبد الرحمٰن (المتوفی ۹۰۲ھ)	i۔ الضوء اللامع ii۔ مولد النبی ﷺ
۴۔ امام ابن حجر الہیتمی المکی	i۔ النعمۃ الکبریٰ علی العالم فی مولود سید ولد آدم ii۔ تحریر الکلام فی القیام عند ذکر مولد سید الانام iii۔ تحفۃ الاخیار فی مولد المختار ﷺ
۵۔ امام ملا علی القاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ)	المورد الروی فی المولد النبوی

۶۔ امام عماد الدین اسماعیل ابن عمر بن کثیر (المتوفی ۷۷۴ھ)	مولد نبوی ﷺ
۷۔ امام وجیہ الدین عبد الرحمن (المتوفی ۹۴۴ھ)	مولود نبوی ﷺ
۸۔ امام ابن جوزیؒ (المتوفی ۵۹۷ھ)	المود العرس
۹۔ امام جلال الدین سیوطی (المتوفی ۸۴۹ھ)	حسن المقصد فی عمل المولد
۱۰۔ امام ابن دحیہ الکلبی (المتوفی ۶۳۳ھ)	التنویر فی مولد السراج المنیر

باب ۔ ۱

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی
رضاعی مائیں اور آیائیں

حصہ پنجم

رضاعت و طفولیت

قدیم عرب کی کچھ روایات تھیں جن کی وہ سختی سے پابندی اور پاسداری کرتے اور کسی حال میں ان سے منہ موڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے' ان میں سے ایک روایت یہ تھی کہ وہ نوزائیدہ بچوں کو اپنے گھروں میں پالنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ رضاعت وپرورش کے لئے دور دیہاتوں کی کھلی فضاؤں میں بھیج دیتے تھے اور بچے صحراؤں اور جنگلوں کے کھلے' بے تکلف' فطری اور صحت مند ماحول میں پرورش پاتے جس سے ان کی صحت پر خوشگوار اثر پڑتا اور وہ تندرست اور توانا بنتے۔ ان میں جفاکشی' استقلال اور حوصلہ مندی کی صفات پیدا ہوتیں اور مشکلات کے سامنے سپر انداز ہونے کی بجائے ان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ وولولہ جنم لیتا۔

عرب کو اپنی زباندانی اور فصاحت وبلاغت پر بہت ناز تھا اسی لئے وہ فصیح عربی زبان کے متکلم ہونے کے حوالے سے پوری دنیا کو "عجم" قرار دیتے تھے' یعنی وہ لوگ اپنی زبانیں اور لہجے رکھنے کے باوجود گونگے ہیں کیونکہ ان میں عربی زبان جیسا رس نہیں' فصاحت وبلاغت اور وسعت و سلاست بھی مفقود ہے جبکہ ہماری عربی زبان ان صفات و خزائن اور خصائص سے مالامال ہے۔

چنانچہ بچوں کو شہری ماحول سے دور "بادیات وغابات" اور دیہاتوں میں بھیجنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ دیہاتوں کی زبان فطری' خالص اور بے تکلف ہوتی ہے ان میں "اہل حضر" کی بناوٹ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار مصنوعی' بناوٹی اور تصنع سے بھرے لہجے میں نہیں کرتے' بلکہ سادہ و سلیس اور بے تکلف انداز میں کرتے ہیں اس لئے ابتدا میں ایک خاص عرصے تک بچے کا مصنوعی ماحول سے دور رہنا ضروری ہے تاکہ وہ خالص عربی سیکھے اور اس کی لسانی خاصیت اس کے رگ و ریشے میں رچ بس جائے اور وہ فصیح و شستہ زبان بولنے لگے۔

اس قدیم روایت اور دستور عرب کا پتہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد گرامی سے بھی ملتا ہے۔

کان یقول لاصحابہ' انا اعربکم عربیۃ انا قرشی و استرضعت فی بنی سعد	آپ صحابہ کرام سے فرمایا کرتے تھے' میری عربی تم سب سے بہتر ہے۔ میں قریشی ہوں اور میں نے بنو سعد میں پرورش پائی ہے۔
(سیرت حلبیہ' ۱:۸۹)	

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس حقیقت کا ان الفاظ میں ایک دفعہ اعتراف کیا۔

ما رایت افصح منک یا رسول اللہ!	حضور! میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔
(سیرت حلبیہ' ۱:۸۹)	

آپ نے فرمایا: میرا مقابلہ زبان دانی میں کون کر سکتا ہے۔ میں قریشی ہوں اور بنو سعد میں پروان چڑھا ہوں۔

چنانچہ زباندانی کا یہ شرف و امتیاز حاصل کرنے کے لئے وہ نومولود بچوں کو دیہات میں ضرور بھیجتے تھے اور نہ بھیجنے کو معاشرتی اعتبار سے سخت معیوب تصور کرتے تھے۔

اس رسم عام کے باعث دیہات کی خواتین بھی شہروں سے بچے لے جا کر اپنے خاص انداز میں پالتی تھیں' یہ ان کا کاروبار تھا اور وہ اس سے بقدر ضرورت کما لیتی تھیں' اس مقصد کے لئے شہروں کی طرف آنا ان کا معمول تھا۔

موسم بہار "ربیع" میں ان کی آمد ہوا کرتی تھی' اب بھی موسم بہار ہی تھا اور ان کی آمد قریب تھی' اس لئے حضرت آمنہؓ اور حضرت عبد المطلبؓ نے ان کا انتظار شروع کر دیا کہ جونہی وہ آئیں یہ عظیم فرزند "محمد ﷺ" ان کے سپرد کر دیا جائے۔

ابتدا میں آپ ﷺ کی حقیقی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا ہی نے دودھ پلایا' پھر یہ سعادت "ثویبہ" کے حصے میں آئی۔ آپ ﷺ کی رضاعی ماؤں اور آیاؤں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ __ثویبہ__ "ابولہب" کی لونڈی تھی' ابولہب حضور ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ

کا بھائی اور حضور اکرم ﷺ کا چچا تھا۔ یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اس کے بھائی کے گھر ایک حسین بچہ متولد ہوا ہے' ثویبہ مبارک دینے کے لئے گئی تو فرط مسرت سے کھل اٹھا اور انگلی سے اشارہ کیا کہ "جا' تو آزاد ہے"

زمانہ بیتتا رہا اور وہ مر گیا' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا اس کی حالت بہت خراب تھی صاف نظر آرہا تھا کہ وہ دوزخ کا ایندھن ہے۔

پوچھا! کس حال میں ہو؟

اس نے جواب دیا!

لم الق بعد کم رخاء غیر انی سقیت فی ھذہ بعتاقتی ثویبۃ
(صحیح البخاری' ۲: ۷۶۴)

میں نے آپ لوگوں کے بعد کوئی راحت نہیں دیکھی' البتہ جس انگلی سے ثویبہ کو آزاد کیا تھا اس سے کچھ پینے کو مل جاتا ہے (اور میں اسے چوس کر کچھ راحت پاتا ہوں۔)

اس مقام پر ائمہ حدیث فرماتے ہیں۔

کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے میلاد کی خوشی منانا اس موقع پر صدقہ و خیرات کرنا سب محبت پر دلالت کرنے والے امور خیر ہیں اور قلبی خوشی و مسرت کی نشاندہی کرتے ہیں یہ دنیاوی و اخروی نیکی' کامیابی اور مقبولیت کی دلیل ہے۔ ابولہب کافر تھا' اس نے بھتیجا سمجھ کر حضور ﷺ کی ولادت پر خوشی منائی اسے بھی جزوی فائدہ پہنچ گیا ایک ایماندار شخص جو "رسول خدا" سمجھ کر خوشی کا اظہار کرتا ہے اسے کتنا ثواب ملے گا اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔

ایک عربی شاعر شمس الدین محمد بن ناصر کہتے ہیں۔

اذا کان ھذا کافر وجاء ذمہ
وتبت یداہ فی الجحیم مخلدا

"یہ اس شخص کی حالت ہے' جو کافر تھا' اور سورہ "تبت یدا ابی لھب" اس کی مذمت میں نازل ہوئی اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا۔"

الی انہ فی یوم الاثنین دائما
یخفف عنہ للسرور باحمدا

"ہر پیر کو اس کے عذاب میں تخفیف کردی جاتی ہے کیونکہ "ولادت احمد ﷺ "پر اس نے مسرت کا اظہار کیا تھا۔"

فما الظن بالعبد الذی کان عمرہ
باحمد مسرورا و مات موحدا

"پس اس بندے کے بارے میں تیرا کیا گمان ہے جو ساری عمر حضور احمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوش ہوتا رہا اور عقیدہ توحید پر اس دنیا سے رخصت ہوا۔"

جسے حضور ﷺ سے رضاعی نسبت نصیب ہوئی اسے اس برکت سے نعمت اسلام بھی میسر آگئی

"ثویبہ" کو حضور ﷺ کی پہلی رضاعی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس نے حضرت حمزہؓ، حضرت ابو سفیان بن حارثؓ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا، اس لحاظ سے یہ تینوں حضرات دیگر قریبی رشتوں کے علاوہ حضور اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔

ا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا ہیں جب آپ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پرورش پارہے تھے تو اس دور میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی کسی اور عورت کے پاس زیر کفالت تھے، ایک دن اس عورت نے حضور ﷺ کو بھی دودھ پلایا، اس طرح رشتے کے چچا، رضاعی بھائی بھی بن گئے، چونکہ ثویبہ نے بھی دونوں کو دودھ پلایا ہے، اس لئے دو رضاعی ماؤں کی طرف سے "اخوت" کے رشتے میں منسلک ہیں اور چچا بھتیجا بھی ہیں۔ (طبقات ابن سعد، ۱:۱۰۹۔ سیرت حلبیہ، ۱:۸۵)

ایک دور آیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: گھر میں رشتے موجود ہیں،

لیکن حضور ﷺ ان کو شرف زوجیت سے نہیں نوازتے' یہ حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی' حالانکہ قریشی خواتین اس اعزاز کی دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں؟

پوچھا! تمہارا کس رشتے کی طرف اشارہ ہے؟

عرض کیا! حضرت حمزہ کی صاحبزادی موجود ہیں' بڑی لائق اور باسلیقہ ہیں' انہیں اس عزت سے محروم رکھنا مناسب نہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا' وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے' جو رشتہ نسبی حوالے سے حرام ہو وہ رضاعی حوالے سے بھی حرام ہوتا ہے۔ یہی وہ حمزہ ہیں جنہیں غزوہ احد میں سید الشہداء کا لقب نصیب ہوا۔ (صحیح البخاری' ۲: ۷٦۴)

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دوسرے رضاعی بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ ہیں' ان کو بھی ثویبہ ہی نے دودھ پلایا یہ حضرت عبدالمطلب کے پوتے اور حارث کے بیٹے تھے' یہ وہی حارث ہیں جنہوں نے چاہ زمزم کی دریافت اور کھدائی میں اپنے والد حضرت عبدالمطلبؓ کی بھرپور معاونت کی تھی حارث' حضور ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہؓ کے بھائی ہیں۔

سو ابوسفیان اس رشتے سے حضور ﷺ کے "تایا زاد بھائی" لگتے ہیں' قریبی رشتے کے باعث یہ حضور ﷺ کے بہت مشابہ تھے' بچپن میں دونوں کی بہت گہری دوستی تھی' مگر جب حضور ﷺ نے دعوٰی نبوت فرمایا تو ابوسفیان کی راہ بدل گئی' قدیم جاہلی معاشرے کی فرسودہ روایات کا گرویدہ ہونے کے باعث ابوسفیان نے دین حق کی مخالفت شروع کر دی' جو لوگ ایمان لائے تھے انہیں ذہنی و جسمانی اذیتیں پہنچانے کا دھندا اختیار کیا' مگر بالآخر ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور فتح مکہ کے موقع پر اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔ (سیرت حلبیہ' ۱: ۸۵)

۳۔ حضور ﷺ کے تیسرے رضاعی بھائی حضرت ابوسلمہؓ ہیں' ان کو بھی ثویبہ ہی نے دودھ پلایا تھا' نسبی رشتے میں یہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی لگتے ہیں اس کا ثبوت خود حضور ﷺ کے ارشاد گرامی سے ملتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے پتہ چلا ہے کہ سرکار' درہ بنت ابی سلمہ سے نکاح فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر میری خواہش ہے کہ اس کی بجائے آپ میری بہن سے نکاح فرمالیں' اس طرح ہم دونوں بہنیں شرف زوجیت سے سرفراز ہو جائیں گی۔

آپ نے ارشاد فرمایا "درہ" تو ابوسلمہ کی بیٹی ہے اور ابوسلمہ میرے رضاعی بھائی ہیں' ثویبہ نے ہم دونوں کو دودھ پلایا ہے اس لئے یہ نکاح درست نہیں۔ اس کے علاوہ وہ ہماری "ربیبہ" بھی ہے' اس حوالے سے بھی وہ حرام ہے' بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکی دوسرے شوہر کی "ربیبہ" کہلاتی ہے۔ جب یہ عورت دوسرے شوہر کے گھر باقاعدہ آباد ہو جائے تو یہ "ربیبہ" اس پر حرام ہو جاتی ہے' قرآن پاک میں ہے:

وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ اللّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ (النساء' ۴: ۲۳)	تمہاری گود میں پرورش پانے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان عورتوں (کے بطن) سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو (تم پر حرام کر دی گئیں)

حضور ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ پر واضح کر دیا کہ حرمت کے دو اسباب موجود ہیں' اس لئے "درہ" سے نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آپ ﷺ نے مزید وضاحت فرمائی کہ اے ام حبیبہؓ!

تمہاری موجودگی میں تمہاری بہن کے ساتھ بھی نکاح درست نہیں' کیونکہ اسلام نے نکاح میں دو بہنوں کے اجتماع کو حرام قرار دیا ہے۔

(بخاری' ۲: ۷۶۴ - سیرت حلبیہ' ۱: ۸۶)

حضرت ابوسلمہؓ کو بھی شرف اسلام نصیب ہوا۔ یہاں ان تینوں رضاعی بھائیوں کے ذکر کی حکمت یہ واضح کرنا ہے کہ جس خوش نصیب کو بھی حضور ﷺ سے رضاعی نسبت میسر آئی وہ دولت اسلام سے محروم نہیں رہا۔ ثویبہ کو نو دن تک دودھ پلانے کا شرف حاصل رہا۔ پھر حضرت حلیمہ پہنچ گئیں اور یہ سعادت انہیں منتقل ہو گئی۔

ثویبہ کی اس خدمت و نسبت کے باعث حضور نبی اکرم ﷺ اس کی بہت

دلجوئی اور خبر گیری فرماتے اور جب بھی وہ آتی تو اسے کھانے پینے کی اشیاء کپڑے اور دیگر تحائف سے نوازتے تھے' حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی اس کا بہت احترام کرتی تھیں اور عطایا وہدایا اسے عطا فرماتی رہتی تھیں۔

۲۔ عاتکہ قبیلہ بنو سلیم کی تین خواتین نے بھی دودھ پلانے کا اعزاز حاصل کیا' اتفاقاً ان تینوں کا نام "عاتکہ" تھا اس کی جمع "عواتک" آتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھار حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

انا ابن العواتک من سلیم میں بنو سلیم کی عواتک کا بیٹا ہوں۔

(سیرت حلبیہ' ۱:۸۸)

۳ خولہ بنت المنذر کچھ اور خواتین کو بھی یہ شرف حاصل ہوا' جن میں سے ایک خولہ بنت المنذر ہیں' حضرت حلیمہ کا قبیلہ "بنو سعد" ہے' اس قبیلے کی ایک عورت کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔

۴ ام ایمن دودھ پلانے کی سعادت سے شرف اندوز ہونے والی ان خوش بخت خواتین کے علاوہ جن عزت مآب خواتین کو "آیا" بننے اور دیکھ بھال کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سر فہرست حضرت ام ایمن ہیں۔ حضور ﷺ کے والد گرامی حضرت عبد اللہ نے جو میراث چھوڑی اس میں حضرت ام ایمن بھی تھیں۔ یہ وفا و سعادت کی پیکر ایک لونڈی تھیں جنہیں بعد میں سرکار ﷺ نے آزاد کر دیا۔ بہت خدمت گذار' لاڈ پیار کرنے والی سچی عاشق اور صدق و صفا کا مجسمہ تھیں' حضور ﷺ بھی ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور ان کی شفقت و محبت کو دیکھتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے۔

و کان یقول لام ایمن انت امی بعد امی میری امی جان کے بعد تم میری امی ہو۔

(سیرت حلبیہ' ۱:۱۰۵)

بعض اہل علم نے اس ارشاد گرامی کو دیکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ بھی رضاعی ماؤں میں شامل ہیں مگر یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

والمشھور انھا من الحواضن لا من المراضع (سبل الھدی والرشاد '۱:۶۰۳)

مشہور یہی ہے کہ آپ رضائی ماں نہیں ' بلکہ آیا اور خدمت گذار ہیں۔

۵ شیما دوسری آیا "شیما" ہیں۔ یہ حضرت حلیمہ کی صاحبزادی تھیں '

وھی التی کانت تحضن رسول اللّٰہ ﷺ مع امھا (طبقات ابن سعد '۱:۱۱۰)

یہی وہ بچی ہیں جو اپنی ماں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت و نگہداشت کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں (اور قریشی بھائی کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں)

شیما حضور ﷺ کو گود میں اٹھا کر ہر وقت آپ کو کھلاتی اور گھومتی رہتی تھی۔

خصائص صغریٰ کے حوالے سے سیرت حلبیہ میں یہ روایت ہے:

لم ترضعہ ﷺ مرضعۃ الا اسلمت (سیرت حلبیہ '۱:۸۷)

جس خاتون نے بھی حضور ﷺ کو دودھ پلایا' وہ بعد میں اسلام لے آئی

الغرض جن خوش نصیب عورتوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کی رضاعت کا شرف نصیب ہوا' جن سعادت مند عورتوں کو بچپن میں حضور ﷺ کی آیا بن کر خدمت کا اعزاز میسر آیا اور جن خوش بخت مردوں کو حضور ﷺ کا ہم رضاعت ہونے کا موقع ملا یہ سب لوگ دولت ایمان اور نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے۔ جب حضور ﷺ کی ذات اقدس سے براہ راست یہ نسبت ان تمام لوگوں کے ابدی خیر و برکت کا باعث بن گئی تو جو لوگ حضور ﷺ کے والدین ماجدین کی طرف (معاذ اللہ) کفر و شرک کی نسبت کرتے ہیں ان کی بات عقل سلیم اور فکرِ رسا کے کہاں تک قریب ہو سکتی ہے؟ یہ بات سراسر خلاف فطرت ہے بھلا وہ مقدس والدہ جس کے بطن مبارک کو نور محمدی ﷺ کا مسکن بنایا گیا اور وہ مبارک والد جس کی صلب اطہر کو نور محمدی ﷺ کی سواری بنایا گیا۔ وہ کس طرح کفر و شرک سے آلودہ ہو سکتے تھے۔ اس خیال باطل سے توبہ کرنی چاہئے۔

باب ـ ۲

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آمد اور واپسی

حضرت حلیمہ کا پورا نام حلیمہ بنت ابی ذؤیب ہے۔ آپ کے شوہر حارث بن عبد العزیٰ اور قبیلہ "بنو سعد بن بکر بن ھوازن" ہے۔ قبیلہ بنو سعد عرب کا نامور وہ قبیلہ تھا جس کی شجاعت و بسالت کی ہر طرف دھوم تھی' اسے تیراندازوں کا مسکن اور شاہین صفت نیزہ بازوں کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا' بڑے بڑے جیالے ان کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتے تھے' اس کے سرفروش نوجوان جب سر پر کفن باندھ کر میدان میں آجاتے تو دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتے تھے۔

شجاعت و بہادری اور عزم و استقلال کے ساتھ ساتھ یہ لوگ شرافت و نجابت اور قابل قدر انسانی اوصاف کے حوالے سے بھی اچھی شہرت رکھنے کی بنا پر احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے' اس دور کے قبائلی نظام کی خرابیوں سے کافی حد تک محفوظ تھے اور شہری تہذیب سے دور' پہاڑی اور صحرائی بود و باش کی وجہ سے اپنا ایک خاص مزاج رکھتے تھے' مجموعی طور پر سعادت ان پر غالب تھی۔

خوش خصائل اور حلیم الطبع حلیمہ اسی قبیلے کی بیٹی تھی اور اپنے اخلاص و ایثار اور صالح کردار و عمل کی بدولت محبت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ مسکین طبع' صابر و شاکر' متحمل مزاج اور بردبار خاتون تھی۔ جو غریبی میں بھی امیری کی شان رکھتی اور اپنے وقار و منصب پر آنچ نہیں آنے دیتی تھی۔ غربت اور افلاس نے اسے اور اس کے مختصر خانوادے کو بری طرح اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا مگر وہ بڑی پامردی اور استقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کر رہی تھی۔

وہاں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط کے آثار پیدا ہو گئے۔ کھیتیاں اجڑ گئیں' درخت سوکھ گئے اور اناج غائب ہو گیا۔ انسانوں اور جانوروں کے لئے کچھ نہ بچا' حلیمہ

سعدیہ اس صورت حال سے اپنی غربت کے باعث زیادہ متاثر ہوئی' اس کے مویشی چارہ نہ ملنے کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے۔ ایک ہی اونٹنی تھی' اس کا دودھ بھی خشک ہو گیا اور کنبے کے افراد فاقہ کرنے پر مجبور ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی کمزور ہو گئی اور اس کی چھاتیوں میں اپنے بچے کو پلانے کے لئے بھی دودھ نہ رہا۔

موسم بہار آگیا' دستور کے مطابق اس قبیلے کی دس عورتیں مکہ جانے کے لئے تیار ہو گئیں تاکہ وہاں سے امراء کے بچے لا کر پالیں اور پھر انعام حاصل کریں' حلیمہ ان میں سب سے زیادہ غریب تھی۔ افلاس اور قحط کے باعث اس نے بھی فیصلہ کر لیا کہ وہ مکہ جائے گی اور وہاں سے ایک بچہ لائے گی' ممکن ہے قدرت دستگیری کرے اور بھوک وافلاس کی قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی سبیل نکل آئے۔ لہٰذا وہ اچھے روزگار کی تلاش میں اداس اور غمگین دل لئے ان کے ساتھ چل پڑی۔

اس لئے بھی اداس اور دل گرفتہ تھی کہ قبیلے کی عورتوں کی تیز رفتار سواریوں کا ساتھ دینا' اسکی ناتواں اونٹنی کے بس کا روگ نہ تھا' وہ ہزار کوشش کے باوجود بھی ان کے ساتھ نہ چل سکتی تھی۔ توقع کے عین مطابق وہ بہت پیچھے رہ گئی' وہ جان گئی کہ تمام عورتیں پہلے پہنچ کر دولت مندوں کے بچوں پر قبضہ کر لیں گی اور اس کے حصے میں کوئی ایسا بچہ نہیں آئے گا جو امیر گھرانے کا چشم وچراغ ہو اور اس کی غربت کا ازالہ کر سکے۔

اس کا شوہر حارث بھی صورت حال دیکھ کر مایوس ہو گیا' اندرونی کرب اور مایوسی کے عالم میں اپنے شیر خوار بچے کو بے بسی سے دیکھنے لگے جو ان کی گود میں نڈھال پڑا تھا' اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں اور دیکھیں پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور ان کے غم کا مداوا کیسے ہوتا ہے؟ مکہ مکرمہ پہنچتے ہی "بنو سعد" کی عورتیں گلی کوچوں میں پھیل گئیں اور امراء کے بچے گود لے لئے' حضرت عبدالمطلب کے گھر بھی آئیں مگر جب پتہ چلا کہ بچہ یتیم ہے تو انہوں نے کوئی گرمجوشی نہ دکھائی۔

خوابوں اور بشارتوں کے ذریعے قدم قدم پر حضرت عبد المطلب کی رہنمائی کا سلسلہ جاری تھا' یہاں بھی ان کی رہنمائی ہوئی اور ان کے کانوں سے یہ اشعار ٹکرائے جیسے "ہاتف غیبی" انہیں تسلی دے رہا ہو کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں یہ عورتیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی گود میں یہ "نعمت عظمیٰ" ڈال دی جائے اس شرف و اعزاز کے لائق ایک اور ہی خاتون ہے جس کا نام حلیمہ ہے وہ بھی بنو سعد سے تعلق رکھتی ہے اس کا انتظار کرو۔ وہ الفاظ یہ تھے۔

ان ابن آمنۃ الامین محمدا
خیر الانام و خیرۃ الاخیار

بے شک آمنہ کے لال' امین و کریم محمد برگزیدہ خلائق ہیں' اور تمام اچھوں سے اچھے ہیں۔

ما ان لہ غیر الحلیمۃ مرضع
نعم الامینۃ ھی علی الابرار

حلیمہ کے سوا کوئی ان کی "آیا" نہیں ہے' وہ ایک امین و دیانت دار بہترین خاتون ہے جو ابرار کی نگہداشت کرنا جانتی ہے۔

مامونۃ من کل عیب فاحش
و نقیۃ الاثواب والاوزار

وہ ہر فحش عیب' غلط کاری سے محفوظ' پاکدامن اور کردار کی مضبوط عورت ہے

لا تسلمنہ الی سواھا انہ
امر و حکم جاء من جبار

ہمارے اس محبوب کو اس کے سوا کسی کے سپرد نہ کرو۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے تمہارے نام خاص حکم ہے۔ (السیرۃ النبویہ للدحلان ' ۱: ۴۷)

ان ربانی انتظامات سے آگاہ ہو کر حضرت عبد المطلب مطمئن ہو گئے اور ان عورتوں کے رویئے سے ان کے دل پر غم کا جو غبار چھا گیا تھا وہ ڈھل گیا اور انہیں پتہ

چل گیا کہ یہ عورتیں ہمارے بچے کو نہیں چھوڑ رہیں بلکہ قدرت کی طرف سے ان کو رد کیا جارہا ہے۔

ان خواتین کی مسرت اور خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا وہ امراء کے بچے گود لے کر بے حد مسرور تھیں اور یہ تصور کر رہی تھیں کہ ان کا سفر رائیگاں نہیں گیا انہیں مرضی کے مطابق اعلیٰ گھرانوں کے بچے مل گئے ہیں جن کی پرورش سے اچھی اُجرت کی توقع ہے۔ جب حلیمہ وہاں پہنچی تو وہ تمام بچے حاصل کر چکی تھیں' انہوں نے حلیمہ سعدیہ سے کہا: حلیمہ! تم نے بہت دیر کر دی اب صرف ایک یتیم بچہ رہ گیا ہے عبدالمطلب کا پوتا ہے اگر چاہو تو وہ لا سکتی ہو۔ حلیمہ نے اپنے شوہر حارث سے مشورہ کیا' اس نے کہا۔ خالی ہاتھ جانے سے بہتر ہے کہ وہ بچہ لے آؤ ہو سکتا ہے اس کی خدمت و برکت سے ہماری حالت بدل جائے اور ہماری غربت پر قدرت کو رحم آجائے۔ حلیمہ "محلہ بنو ہاشم" میں پہنچی' حضرت عبدالمطلب گھر کے دروازے پر کھڑے تھے جیسے اس کے انتظار میں ہوں۔

"تمہارا نام کیا ہے اور کس قبیلے سے ہو؟" حضرت عبدالمطلب نے پوچھا۔

میرا نام حلیمہ ہے اور قبیلہ بنو سعد سے میرا تعلق ہے۔ حلیمہ نے جواب دیا۔

یہ نام سن کر حضرت عبدالمطلب مسکرائے' جس کی انہیں بشارت دی گئی تھی وہ خود ہی آگئی آپ نے خوش دلی سے اس کا استقبال کیا اور حلیمہ سے فرمایا۔

دونوں نام مبارک ہیں حلم اور سعادت پر دلالت کرتے ہیں۔

کیا تم ایک یتیم بچے کی پرورش کرنا پسند کرو گی؟ قدرت کا شاہکار' بے مثال بچہ ہے' اندر جاؤ' برکتوں اور سعادتوں کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لو جو تمہاری منتظر ہیں۔

حلیمہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی' سب سے پہلے خوشبو کے جھونکوں نے اس کا استقبال کیا وہ دلآویز خوشبو سے مسحور و بے خود ہو گئی' دل کو سنبھالا' آگے بڑھی' دیکھا کہ سبز ریشمی بستر پر' سفید شفاف روئی کا لباس پہنے "کونین کا شہزادہ" سویا ہوا ہے اور اس سے خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں۔ اُمّ ایمن اسے نومولود کے پاس

لے گئی کیونکہ وہ ہی اس خدمت پر مامور تھی۔ حلیمہ حیران و دم بخود رہ گئی' عقیدت نے پاؤں پکڑ لئے' محبت نور بن کر دیدہ و دل میں اتر گئی' ہوش نہ رہا کہ کیا کرے اتنا حسن وجمال اور رعب و جلال آج تک اس نے کسی بچے میں نہیں دیکھا تھا آخر ہمت کی' تھوڑا سا آگے بڑھی' محبت نے جوش مارا' اس خیال سے کہ جاگ نہ جائیں آہستہ سے سینے پر ہاتھ رکھا' وہ جو سو رہے تھے' مسکرا پڑے' سرگیں آنکھیں کھول دیں' حلیمہ نے بچشم خود دیکھا کہ ان حسین آنکھوں سے نور کا ایک شعلہ نکلا اور پرواز کرتا ہوا آسمان میں جذب ہو گیا' اب مزید صبر کی تاب نہ رہی' چاہتوں کے سمندر اس کے اندر سما گئے اور اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر "کائنات کے حسن" کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا' پیشانی کو بوسہ دیا اور سینے سے لگا لیا' اسے یوں لگا جیسے اندر باہر انقلاب آگیا ہے' وہ جو قحط زدہ' بھوکی اور غریب عورت تھی اور دودھ اس کی چھاتیوں سے خشک ہو چکا تھا' اس نے محسوس کیا گویا سینے میں تلاطم بپا ہو گیا ہے اور دودھ چھاتیوں میں جوش مارنے لگا ہے' اس نے فوراً محبت و مسرّت کے عالم میں دودھ پلانا شروع کر دیا' اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی' اس کے جسم سے دودھ کے سوتے پھوٹ پڑے' وہ نہال ہو گئی اور قدرت کی اس بیش بہا عطا پر سراپا تشکّر بن گئی' اس کی آنکھوں سے مسرّت کے آنسو جاری ہو گئے' مالک نے اسے کتنی بڑی دولت سے نواز دیا تھا۔ حلیمہ سعدیہ کو حضرت آمنہ کی خدمت میں لے جایا گیا۔ حضرت آمنہ نے فرمایا۔ حلیمہ بیٹھ جاؤ' کیا ہمارے اس یتیم بچے کو پالنا پسند کرو گی؟ حلیمہ نے جواب دیا! جی ہاں' میری سردار۔

حضرت آمنہ نے فرمایا' لیکن میرے پاس اس کی اُجرت کے لئے زیادہ مال و دولت نہیں ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی تجھے تیری خدمت کا اجر عطا فرمائے گا۔

حلیمہ نے جواب دیا! میری سردار' آسمان والا بڑا کریم ہے' اس کی عطاؤں اور برکتوں میں کوئی کمی نہیں۔ حضرت آمنہ نے پھر فرمایا! مجھے خدشہ ہے کہ میں تمہارا حق واجب ادا کر سکوں گی یا نہیں۔

اس پر حلیمہ نے عرض کیا! آپ مطمئن رہیں' خدا کی قسم! میں کسی اُجرت کے

خیال سے اس بچے کو نہیں لے جا رہی، معلوم نہیں کیوں میرے اندر اس بچے کے لئے محبت کا طوفان امڈ آیا ہے۔ ایک داخلی شعور ہے جو مجھے یہ ذمہ داری نبھانے کو کہہ رہا ہے، آپ میری طرف سے بے فکر ہوجایئے۔

حضرت آمنہ مطمئن ہوگئیں اور پوچھنے لگیں۔ اب بتاؤ تم کون ہو اور کس قبیلے سے ہو؟

حلیمہ نے جواب دیا: ”میں حلیمہ بنت ذؤیب ہوں۔ میرا قبیلہ ”بنوسعد بن بکر بن ھوازن“ ہے اور میرے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزی ہے“۔

حضرت آمنہ نے جواب دیا: ”میں آمنہ بنت وھب ہوں، میرے شوہر کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب ہے اور وہ قریش کے سردار ہیں۔ تمہیں اس عظیم بچے کی دایہ (مرضعہ) بننے پر مبارک ہو“۔

(قصص الانبیاء فی القرآن الکریم المختار من مجمع البیان الحدیث جزء ۹ خاتم النبیین محمد ﷺ، شیخ عاطف الزین، ۹:۱۰ مطبوعہ بیروت)

حلیمہ نے اجازت لی اور شاہ کونین کے روپ میں کونین کے خزانوں کو سینے سے چمٹائے اپنے شوہر حارث کے پاس آگئی، مسرت سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔

حارث! ہماری قسمت جاگ اٹھی، اتنی بڑی دولت نصیب ہوئی ہے جو آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی ہوگی، چلو! واپسی کا انتظام کرو!

حجر اسود کا حضور ﷺ کے لبوں کو چومنا

حلیمہ سعدیہ نے فیصلہ کیا کہ اس پیکر جمال اور منبع برکات کو اپنے گاؤں لے جانے سے پہلے بیت اللہ میں لے جاؤں۔ سو وہ حضور ﷺ کو اٹھا کر سیدھی صحن کعبہ میں گئی۔ حلیمہ نے چاہا کہ حضور ﷺ کو حجر اسود کا بوسہ بھی دلوا دوں۔ وہ اس خیال سے آپ ﷺ کو حجرِ اسود کے قریب لے گئی۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب میں نے دیکھا کہ حجرِ اسود خود کعبہ کی دیوار سے باہر نکل آیا اور اس نے آگے بڑھ کر حضور ﷺ کے لب مبارک چوم لیے۔ حلیمہ فرطِ مسرّت

سے عالم حیرت میں گم ہو گئی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:۔

وروی ان حلیمۃ لما اخذتہ دخلت علی الاصنام فنکس الھبل راسہ وکذا جمیع الاصنام من اماکنھا تعظیما لہ وجازت بہ الی الحجر الاسود لیقبلہ فخرج الحجر الاسود من مکانہ حتی التصق بوجھہ الکریم ﷺ

(المظہری '۶:۵۲۸)

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ھبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے۔ پھر (حضرت حلیمہ سعدیہ) حضور اکرم ﷺ کو حجر اسود کی طرف لے کر آئیں تاکہ آپ اسے بوسہ دیں پس حجر اسود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے چہرہ اقدس کے ساتھ چمٹ گیا۔ (گویا اس نے خود بڑھ کر حضور ﷺ کے چہرہ انور کا بوسہ لیا)

حلیمہ سعدیہ کی پربہار واپسی

واپسی پر بھی بنو سعد کی باقی خواتین نے حلیمہ کے انتظار کی زحمت گوارا نہ کی وہ اپنے اپنے بچے لے کر روانہ ہو گئیں انہوں نے سوچا کہ اس کی اونٹنی اتنی کمزور اور ست رفتار ہے کہ اسے ساتھ لے کر چلنا بڑا دشوار ہو گا۔

حلیمہ کے شوہر حارث نے اونٹنی پر کجاوہ کسا' دراز گوش کو تیار کیا' اپنے بچوں سمیت دونوں سوار ہوئے اور منزل کی جانب چل پڑے۔ حلیمہ فرماتی ہیں جوں ہی میں نے اس پیکر حسن حضرت محمد ﷺ کو اپنی اونٹنی پر سوار کیا' اونٹنی نے اسی وقت کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے شکرانے کے طور پر تین سجدے کئے' پھر سر آسمان کی طرف اٹھایا اور چل پڑی۔ انہوں نے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک چونک پڑے دیکھا کہ زمین اونٹنی کے لئے سمٹتی جا رہی تھی اور وہ فراٹے بھرتی ہوئی صحرائے عظیم کو اس

طرح عبور کر رہی تھی جیسے ہوا کے دوش پر سوار ہو انہوں نے محسوس کیا کہ اونٹنی کے جسم پر بھی نکھار آگیا ہے' رفتار کے ساتھ اس کی ظاہری حالت بھی بدل گئی ہے اور وہ جو ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی اب گوشت پوست سے آراستہ ہوگئی ہے اور اس میں دبلاپن نہیں رہا بلکہ فربہی کی ایک متناسب تہہ نے اسے سڈول اور خوبصورت بنادیا ہے۔ وہ حیرت و مسرت سے اچھل پڑے اور بڑی محبت و عقیدت سے اپنی گود میں لیٹے ہوئے "محمد ﷺ" کی طرف دیکھا' تو آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور لب یوں گویا ہوئے کہ یہ سب اس "وجود مسعود" کی برکت ہے اسی کی عظمت نے ہمیں یہ نعمتیں عطا کی ہیں وگرنہ ہماری مرئل اونٹنی میں اتنی تاب وتواں کہاں تھی کہ اس بے دردی سے صحرا کا سینہ روندے اور اس کی وسعت کو خاطر میں نہ لائے' وہ تو اپنے آپ ہی سے بیزار تھی اسے یہ شاہانہ رفتار اس پیکرِ حسن کی برکت نے عطا کی ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ناقہ سیار نے تمام خواتین کو "وادی سرر" میں جالیا اور بادصبا کے جھونکے کی طرح فراٹے بھرتی ہوئی ان کے قریب سے گذر گئی' وہ جو پہلے سے روانہ تھیں' اس صبا رفتار کو دیکھتی ہی رہ گئیں ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ پیچھے سے بولیں۔ حلیمہ! کیا تو نے سواری بدل لی ہے؟ بہت تیز رفتار ہے۔ حضرت حلیمہ نے جواب دیا کہ نہیں' سواری تو وہی ہے البتہ سوار بدلا ہے۔

"اگر یہ وہی اونٹنی ہے تو بڑی عجیب بات ہے یہ تو ایسے ہے گویا تو نے اس میں بجلیاں بھردی ہیں" خواتین نے حیرت کا اظہار کیا۔

"یہ سب کچھ اس بچے کی برکات کا ظہور ہے جسے تم "یتیم" سمجھ کر چھوڑ آئی تھیں اور میں نے اسے مقدر سمجھ کر قبول کرلیا' میں اپنی خوش قسمتی پہ نازاں ہوں کہ یہ شہہ خوباں میرے حصے میں آیا ہے میں نے عزت و کرامت کے آسمان کو چھو لیا ہے"۔ حلیمہ نے فخر و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ جواب دیا۔

وہ عورتیں غم سے بجھ گئیں اور اپنی محرومی پر کفِ افسوس ملنے لگیں۔ حلیمہ اپنی مسکینی اور عاجزی کے باعث بازی جیت گئی تھی۔ اس کی روح سے گویا یہ آواز

آرہی تھی۔

میرے پریتم جیسا اور نہ کوئی

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے۔

وابت الحسد من بعض نسائنا	اس موقع پر میں نے محسوس کیا کہ بعض عورتوں میں حسد کے جذبات پیدا ہو گئے ہیں۔

فہرست تصاویر

مذکورہ تصاویر کتاب کے آخر "حصہ نہم" میں ملاحظہ فرمائیں

باب۔۳

حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دیس اور برکتوں کا آغاز

پہلے سفر میں جو خواتین آگے نکل گئی تھیں وہ اب منہ دیکھتی رہ گئیں۔ حلیمہ اپنی سواری بادبہاری کے ساتھ کوسوں دور نکل گئی اور ان سے کہیں پہلے اپنے دیس جا پہنچی سواری کو باندھا اور اپنے حسین وجمیل یتیم ﷺ کو محبت کی بانہوں میں سمیٹ کر کمرے میں چلی گئی اور دیدِ جاناں میں مستغرق ہو گئی اسے اپنا سگا بچہ بھول گیا' جو معصومیت' کشش اور زیبائی یہاں تھی وہ کسی اور میں کہاں ہو سکتی تھی! وہ انہی کی ہو کر رہ گئی۔ شام کو حارث نے حلیمہ سے کہا' وقت ہو گیا ہے میرا خیال ہے دودھ دُوھ لوں۔ وہ معمول کے مطابق اپنا چھوٹا سا برتن لے کر اونٹنی کے پاس گیا مگر چند لمحوں کے بعد ہی اس نے محسوس کیا کہ آج دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں' یہ برتن ناکافی ہے اس نے دوسرا برتن لانے کے لئے حلیمہ کو آواز دی' وہ بھی چشم زدن میں بھر گیا پھر وہ دودھ سے برتن بھرتے رہے' یہاں تک کہ حلیمہ کے گھر کے تمام برتن دودھ سے لبریز ہو گئے وہ جو دودھ کے چند قطروں کو ترستے تھے دودھ کے اُبلتے چشمے دیکھ کر مسرّت وانبساط سے جھوم اٹھے۔

اتنے میں ایک بکری ریوڑ سے الگ ہوئی اور یتیم محمد ﷺ کے قدموں میں آکر سجدہ ریز ہو گئی اور یوں ہی مجسمہ عقیدت بن کر کھڑی رہی۔ میاں بیوی یہ منظر دیکھ کر خود بھی عقیدت ومحبت میں ڈھل گئے۔

(السیرۃ النبویہ' دحلان' ۱:۴۹)

حارث تاثر کی گہرائیوں میں ڈوب کر بولا:

واللہ یا حلیمۃ! لقد اخذت نسمۃ مبارکۃ	بخدا اے حلیمہ! تو نے بڑی ہی برکت والی روح حاصل کر لی ہے۔

(محمد رسول اللہ: ۳۰)

حلیمہ خود بھی ایسے ہی تاثرات میں کھوئی ہوئی تھی' بولی۔

ان کی والدہ نے مجھے بتایا تھا "میرا بچہ بڑی شان کا مالک ہے جب سے یہ بصورت امانت مجھے عطا ہوا ہے' میں نے ایسے خوارق و انوار دیکھے ہیں جو بڑے ہی حیرت انگیز اور ایمان افروز ہیں۔ ابتداءمیں' میں نے عالم خواب میں اور بوقتِ ولادت عالم بیداری میں دیکھا کہ میری ذات سے نور خارج ہوا ہے جو پھیلتا چلا گیا' یہاں تک کہ شام اور بصرہ کے محلات مجھے نظر آ گئے اور میں نے وہاں کے درو بام کو دیکھ لیا پھر خاص حالات میں عورتوں کو اپنی ذات میں جو تکلیف دہ تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں میں ان میں سے کسی ایک سے بھی دوچار نہیں ہوئی' اس لئے پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ ایسا بچہ کائنات کو اور نہ کسی عورت کو کبھی نصیب ہوا ہے اور نہ ہوگا۔"

یہ برکات صرف حلیمہ کے گھر تک ہی محدود نہ رہیں' اس کے گھر سے اٹھنے والی خوشبو نے پوری وادی کو کشت زعفران بنا دیا' سارا علاقہ دلآویز خوشبو سے مہک اٹھا' پھر حسنِ دلربا نے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا جس نے ایک مرتبہ دیکھا وہ انہی کا ہو کر رہ گیا قدرتی طور پر سب کے دل میں محبت کے ساتھ عقیدت بھی پیدا ہو گئی' جو بیمار یا کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا وہ حلیمہ کے گھر آ جاتا اور حضور ﷺ کا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتا قدرت اسے شفا عطا کر دیتی اس طرح وہ اسی وقت سے ہی مرجعِ خلائق اور شفائے جہاں بن گئے۔ امام احمد زینی دحلان" حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

والقیت محبتہ واعتقاد برکتہ فی قلوب الناس حتی ان احدھم کان اذا نزل بہ اذی فی جسدہ اخذ کفہ ﷺ فیضعھا علی موضع الاذی فیبرا باذن اللہ تعالی سریعا	اور لوگوں کے دلوں میں آپ کا پیار اور برکت کا اعتقاد ڈال دیا گیا' یہاں تک کہ جب کسی کو کوئی بدنی تکلیف پہنچتی وہ آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ کر اس جگہ پھیرتا اللہ تعالی اسے فوراً ہی شفا عطا فرما دیتے۔

(السیرۃ النبویہ 'للدحلان' ۴۹)

بڑھنے پھولنے اور نشوونما پانے کی رفتار بھی حیرت انگیز اور عام بچوں سے مختلف تھی' دوسرے مہینے ہی ہاتھوں اور قدموں کے بل چلنے لگے تیسرے ماہ کھڑے ہو گئے' چوتھے ماہ دیوار پکڑ کر چلنا شروع کر دیا اور پانچویں مہینے کسی سہارے کے بغیر چلنے لگے۔

آٹھویں مہینے بولنا شروع کر دیا اور نویں مہینے فصیح کلام فرمانے لگے' جو کلام سب سے پہلے زبان مبارک سے ادا فرمایا وہ یہ تھا۔

اللّٰہ اکبر کبیرا والحمد للّٰہ کثیرا و سبحان اللّٰہ بکرۃ و اصیلا

بعد میں اکثر حلیمہ ان کی زبان مبارک سے یہ سنا کرتی تھی۔

لا الہ الا اللّٰہ قدوسا قدوسا نامت العیون والرحمان لا تاخذہ سنۃ ولا نوم

(السیرۃ النبویۃ للدحلان :۴۹)

اور جب بھی کسی چیز کو پکڑتے تو بسم اللہ پڑھتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت خود اپنی نگرانی اور حفاظت میں ان کی تربیت فرما رہی تھی اور وہ اس عالم طفولیت میں بھی اکیلے نہیں تھے بلکہ عنایات ربانی ان کے شامل حال اور مربی و دستگیر تھیں۔

انوار و برکات کے جلو میں دو سال پلک جھپکنے میں گذر گئے' نعمتوں کی بارش ہوتی رہی' سعادتیں قدم چومتی رہیں اور آسائشیں دست بستہ حاضر رہیں حلیمہ کو دو سال ایسے لگے جیسے حاصل زندگی ہوں' وہ جی بھر کر ان سے متمتع ہوئی لیکن وفاشعار خاتون تھی جب دیکھا کہ حضرت آمنہ کے لال دو سال کے ہو گئے ہیں تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی ضروری سمجھا کہ امانت ان کے گھر والوں تک پہنچا دی جائے۔ چنانچہ تیاریاں شروع کیں اور آخر ایک روز حضور ﷺ کو لے کر حضرت آمنہ کے کاشانہ عالیہ پر پہنچ گئی۔

حضرت آمنہ نے جب حسن و صحت کے پیکر اپنے نور نظر اور لخت جگر کو سامنے دیکھا تو باغ باغ ہو گئیں ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی یہ دو سال ان کیلئے دو صدیوں کے برابر تھے مگر انہوں نے بڑے صبر سے گذارے تھے۔ حلیمہ کے لئے یہ لمحات بڑے صبر آزما تھے' وہ اس دولت کو ابھی اپنے آپ سے جدا کرنا نہیں چاہتی تھی' لجاجت اور

چاہت کے ساتھ بولی۔

سیدہ! آپ کی امانت ہے' میرا حق تو نہیں کہ زبان کھولوں مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ اس وقت مکہ میں وباء پھیلی ہوئی ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی تکلیف کی صورت پیدا ہو جائے اگر آپ مناسب سمجھیں تو مزید کچھ عرصہ کے لئے نورِ نظر کو میرے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ جب وباء کا زور ختم ہوا اور فضا سازگار ہوئی تو میں آپ کی امانت لوٹا جاؤں گی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ مشورہ صائب معلوم ہوا۔ انہوں نے رضا مندی ظاہر کر دی۔ حلیمہ کی مراد بر آئی اور وہ دولت کونین کو دوبارہ لے کر شاداں و فرحاں اپنے مسکن کی طرف لوٹ گئی' اس کے بچوں نے جب "قریشی بھائی" (وہ حضور ﷺ کو اس لقب سے پکارتے تھے) کو دوبارہ اپنے درمیان پایا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا گھرانہ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ وہ خود' ان کا شوہر حارث' دو بیٹیاں انیسہ اور شیما اور ایک بیٹا عبداللہ۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے گھرانے کے حالات بدلتے چلے گئے۔

علاماتِ نبوّت کا ظہور اور یہود کا حسد

رب کریم کی بخشش و عطا کی کوئی حد نہیں' وہ بندے کو اپنی شان کریمی کے مطابق نوازتا ہے۔ ذرّے کو مہر و ماہ اور قطرے کو گوہر نایاب بنا دیتا ہے۔ کوئی آگ لینے آئے تو شان کلیمی بخش دیتا ہے' کسی کو دستِ شفا اور کسی کو یدِ بیضا سے سرفراز فرماتا ہے۔ غرض وہ نوازتا اور عزت بخشتا ہے۔ جب محبوب کی باری آئی تو اعزاز و اکرام کے جو انداز یہاں اختیار فرمائے ان کی شان ہی کچھ اور تھی۔ ان کا اظہار ایامِ رضاعت ہی سے ہونے لگا تھا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کان ینزل علیہ کل یوم نور کنور الشمس ثم ینجلی عنہ	سورج کی طرح ایک نور ہر روز آپ پر نازل ہوتا تھا پھر کچھ دیر کے بعد

(السیرۃ النبویہ للدحلان ۱: ۴۹)

چھٹ جاتا تھا۔

ان کا دوسرا مشاہدہ ہے۔

ثم رات غمامۃ تظلہ اذا وقف وقفت واذا سار سارت

(طبقات ابن سعد ۱: ۱۱۲)

حلیمہ نے پھر بادل کو دیکھا وہ آپ پر سایہ کرتا تھا جب آپ کھڑے ہوتے تو وہ ٹھہر جاتا اور جب آپ چلتے تو وہ بھی چلنے لگ جاتا۔

یہی چاند کی کیفیت تھی' وہ انگلیوں کے اشارے پہ چلنے کے لئے بے قرار رہتا تھا۔ جانور بھی شخصیت اقدس کو پہچانتے تھے' یوں باادب حاضر ہوتے گویا باشعور ہوں۔ تورات وانجیل میں لکھی ہوئی نشانیاں اور تمام صفات پوری طرح نمایاں تھیں اور ان سے باخبر شخص فوراً پہچان لیتا تھا کہ آپ ہی انسانیت کے ہادی نبی آخر الزماں اور آخری سماوی کتاب کے امین ہیں۔

حلیمہ چونکہ آپ کو ایک بے مثل شخصیت کے طور پر پہچان چکی تھی اس لئے ایک دفعہ اس کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ دوسروں پر بھی آپ کی عظمت آشکار کرے تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ حلیمہ کے پاس جو بچہ ہے وہ سربراہ کونین ہے اس وقت وہ سوق عکاظ میں آئی ہوئی تھی۔ یہ عربوں کا بین القبائلی میلہ تھا' جس میں لوگ دور دور سے شرکت کے لئے آتے تھے۔

دستور کے مطابق ہر طبقہ اور صلاحیت کے لوگ یہاں آکر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے' ایسے موقع پر کاہنوں کی بھی بھرمار ہوتی تھی' ایک کاہن اپنے فن میں بہت ہی طاق تھا لوگ اپنے بچے اس کے پاس لے جاتے اور وہ ان کے بارے میں پیشین گوئیاں کرتا۔

حلیمہ بھی حضور ﷺ کو وہاں لے گئی' جونہی اس کی نظر آپ کے رخ زیبا پر پڑی اس پر سکتہ طاری ہو گیا کانپنے لگا' آنکھوں میں تیرتے ہوئے سرخ ڈورے دیکھے تو اس کا تجسس اور بڑھ گیا کپڑا اٹھا کر "مہر نبوت" کو کندھوں کے درمیان دیکھا تو اس کی

چیخ نکل گئی۔ پھر زور سے چلا کر کہنے لگا۔

اے بنو ہذیل! اے قریش! اس بچے کو قتل کردو یہ تمہارے دین اور دستور کا دشمن ہے' تمہارے خداؤں کی خدائی پر ضرب کاری لگائے گا ان کی طاقت کو چیلنج کرے گا اور بتوں کو توڑ دے گا اپنی روایات کی حفاظت کرو اور اسے ابھی مار ڈالو۔

حلیمہ اس غیر متوقع صورت حال سے سراسیمہ ہو گئی کاہن کی غوغا آرائی اور بد حواسی دیکھ کر اس نے عافیت اسی میں دیکھی کہ وہاں سے فوراً چلی جائے' وہ کاہن اپنی دھن میں بولے جارہا تھا جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو انہیں ابھارا کہ اس بچے کو قتل کردو۔ انہوں نے پوچھا کون سا بچہ؟ وہاں کوئی بھی نہیں تھا' حلیمہ وہاں سے دور جا چکی تھی۔

(سیرت حلبیہ' ۱:۹۶)

اسی طرح ایک دفعہ حلیمہ کا یہود سے آمنا سامنا ہو گیا وہ آپ کو دیکھ کر سہم گئے۔ بولے یہ وہی ہے اسے قتل کردو تاکہ تمہارا کوئی مدمقابل نہ رہے۔ پھر حلیمہ سے پوچھنے لگے کیا یہ یتیم ہے؟ حلیمہ خطرہ بھانپ چکی تھی' اس نے بڑی ہوشمندی اور حاضر دماغی سے کام لیا اور بولی: یتیم نہیں ہے میں اس کی ماں ہوں اور حارث کی طرف اشارہ کرکے جواب دیا یہ اس کا باپ ہے۔ وہ بولے اگر یتیم ہوتا تو ہم نے اسے مار ڈالنا تھا' نبی آخر الزماں کی تمام نشانیاں اس میں موجود ہیں۔ ان واقعات کے بعد حلیمہ محتاط ہو گئی اور ہروقت آپ کے ساتھ رہنے لگی۔

(ابن سعد' ۱: ۱۱۳)

باب ۔ ۴

شقِ صدر اور اس کی حکمتیں

حضور ﷺ عمر مبارک کے تیسرے چوتھے سال میں تھے اور اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ جنگل میں بکریوں کے ریوڑ کی رکھوالی فرما رہے تھے کہ اچانک نور کے دو پیکر نمودار ہوئے قریب آئے اور ایک ہموار جگہ پر آپ کو بڑے آرام سے لٹا دیا' ایک نے انگلی کا اشارہ کیا تو سینہ مبارک چاک ہو گیا انہوں نے قلب اطہر کو نکالا اسے چیرا ایک خون کی پھٹکی نکالی اور کہا۔

ھذا حظ الشیطان منک یا حبیب اللّٰہ — اے اللہ کے محبوب یہ شیطان کا حصہ ہے جو آپ سے الگ کر دیا گیا ہے۔

پھر اس کی جگہ علم و عرفان اور حکمت و بصیرت کے نورانی موتی بھر دیئے قلب انور کو بند کیا اور سینہ مبارک کے اندر رکھ کر اسے بھی بند کر دیا۔

اسرار و معارف

۱۔ انسانی جسم میں دل ایک ایسا حساس عضو ہے جسے ذرا سی ٹھوکر لگے یا صدمہ پہنچے تو انسانی حیات معرض خطر میں پڑ جاتی ہے اور زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ یہاں حضور ﷺ نے فرشتوں کا سارا عمل اول سے آخر تک بچشم خود ملاحظہ فرمایا انہیں قلب اطہر کو چیرتے' پھٹکی نکالتے اور انوار حکمت بھرتے دیکھا مگر ایک لحظہ کے لئے بھی بے خبر اور بے ہوش نہ ہوئے' حیات مقدسہ کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ ایک مافوق الطبیعی عمل تھا جس کی کیفیات کو ہم اپنے محدود علم و فن کے ذریعے نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی عالم مادی پر اسے قیاس کر سکتے ہیں' یہ ان خصائص میں سے ہے جو صرف حضور ﷺ ہی کو عطا کئے گئے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ جسمانی بلوغ کے بعد بھی شیطان اس مقدس ہستی کے قریب نہیں جا سکتا کیونکہ ان کے

وجود مسعود کو اس جرم سے پاک کر دیا گیا ہے جو عام انسانی اجسام میں ہوتا ہے اور وہ شیطان کا مقام و مسکن بنتا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان سے تحفظ کیلئے اتنے طویل عمل کی کیا ضرورت تھی۔ابتدا ہی سے وہ پھٹکی پیدا نہ کی جاتی تاکہ قلب اطہر کو نکالنے اور چیرنے کی نوبت ہی نہ آتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر انسان کے دل میں ایک خاص مقام ہوتا ہے جسے "سودائے قلب" کہتے ہیں۔ جس طرح انسان کی آنکھیں دیکھتی ہیں کان سنتے ہیں' ناک سونگھتی اور زبان ذائقہ محسوس کرتی ہے اور جسم کے باقی اعضا اپنا اپنا فعل سرانجام دیتے ہیں اور الگ الگ صلاحیت اور قوت کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح سودائے قلب بھی ایک خاص صلاحیت کا حامل ہوتا ہے' یہ شیطان کی وسوسہ اندازی کو قبول کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص بد عمل اور فاسق و فاجر ہو تو یہ شیطان کے اثرات کو تیزی سے قبول کرتا ہے' لیکن اگر کوئی شخص تقویٰ شعار اور نیک ہو تو شیطانی اثرات کو اسی تناسب سے رد کر دیتا ہے۔

انسانی جسم میں کچھ اجزا اور اعضاء ایسے ہیں کہ تکمیل خلقت کے لئے ان کا پیدا کیا جانا ضروری ہے۔ مگر بعد میں طہارت و نظافت کے نقطہ نظر سے ان کو جسم سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے جیسے ناخن اور غیر ضروری بال' جب بڑھ جائیں تو کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح سودائے قلب بھی جسم انسانی کا ایک حصہ ہے اگر ابتدا ہی سے پیدا نہ کیا جاتا تو خلقت مکمل نہ ہوتی اس لئے آپ ﷺ تمام اجزائے انسانی سمیت پیدا کیے گئے پھر خصوصی عنایت کے ذریعہ اس کو علیحدہ کر دیا گیا تاکہ نوع انسانی کو بتایا جا سکے کہ حضور ﷺ عالم بشریت کے وہ فرد کامل ہیں جن کی اتباع تم آنکھیں بند کر کے کر سکتے ہو کیونکہ شیطان کے لئے ان کے قریب آنے کی کوئی راہ ہی نہیں' یہ ہستی ہر پہلو سے اس کی اثر انگیزی سے محفوظ ہے۔ کیونکہ ان کے جسم میں وہ مادہ ہی نہیں رہنے دیا گیا' جو اس کا وسوسہ قبول کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ واضح کر دیا گیا کہ حضور ﷺ کی ذات

اقدس "یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ" کے شیطانی عمل سے کلیتاً محفوظ ہے۔ گویا شیطانی وساوس سے پاک ہونے کی بنا پر ان کی آئندہ زندگی میں بھٹکنے کا کوئی امکان ہی نہیں رہا۔ یہ ہمیشہ منجانب اللہ راہ ہدایت پر ہی رہیں گے۔

(شرح الشفا' ملا علی قاری' ۱: ۳۷۴)

۲۔ شقِ صدر کی حکمت سمجھنے کے لئے ایک زاویہ نگاہ اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ہر پھل اور میوے میں گٹھلی ہوتی ہے پھل کی پیدائش' رنگت اور معیار اسی پر منحصر ہوتا ہے۔ جب پھل تیار ہو جاتا ہے تو گٹھلی نکال کر پھینک دیتے ہیں۔

سودائے قلب بھی بدن انسانی کا ایک جزو ہے' حصول تکمیل کے بعد اسے الگ کر کے اس کی جگہ حکمت و عرفان کے خزانے بھر دیئے گئے۔ یہ عمل اس لئے کیا گیا کہ بتایا جاسکے کہ یہ عظیم شان کے حامل ہیں ان کا ہمسر کوئی نہیں اور ان کی اسی عظمت کو آشکارا کرنے کے لئے خصوصی طریقے اختیار کئے گئے ہیں تاکہ ان کی انفرادیت اور شان امتیاز کسی پر مخفی نہ رہے۔

(نسیم الریاض' خفاجی: ۲۳۹)

آٹھ دس سال کی عمر تک بچہ کھیل کود کی طرف بہت زیادہ مائل ہوتا ہے اس کے مشاغل میں کوئی مقصدیت کار فرما نہیں ہوتی' وہ صرف دل بہلانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے' عام بچوں کی سرگرمیاں بھی عامیانہ ہوتی ہیں مگر جو عظیم مقاصد کے لئے پیدا کئے گئے ہوں انہیں بے مقصد نہیں چھوڑا جاتا بلکہ مخصوص ماحول میں رکھا جاتا ہے خاص انداز سے ان کی تربیت کی جاتی ہے' تاکہ وہ آئندہ ذمہ داریاں اٹھانے کے قابل ہو سکیں۔

یہاں بچپن میں شقِ صدر کے اس نورانی عمل کے ذریعے خصوصی صلاحیتیں اس لئے ودیعت کی گئیں کہ بچپن کے عمومی تقاضوں کی طرف طبیعت مبارک راغب نہ ہو اور بچپن ہی میں مقصدیت' سنجیدگی اور وقار کی شان پیدا ہو جائے آپ کی اٹھان ایسی ہو کہ بڑی عمر والے بھی دیکھتے رہ جائیں اور زندگی کے لئے رہنمائی حاصل کریں۔

حضور ﷺ کی صحبت و رفاقت کا یہ فیض تھا یا قدرت ہی کو یہ منظور تھا کہ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی عبداللہ کو یہ سب کچھ نظر آجائے' اس نے جب یہ منظر دیکھا تو کم عمری کے باعث کچھ نہ سمجھ سکا' گاؤں کی طرف بھاگا اور جا کر حضرت حلیمہ کو بتایا کہ سفید لباس میں ملبوس دو نورانی آدمیوں نے "قریشی بھائی" کا پیٹ چاک کر دیا ہے۔

حلیمہ بے قرار ہو گئی جب وہاں پہنچی تو اس وقت حضور ﷺ واپس تشریف لا رہے تھے' صحیح سلامت دیکھ کر حلیمہ کی جان میں جان آئی اور سارا واقعہ سن کر بہت متحیر ہوئی' جس کا پیٹ چاک کر دیا جائے وہ زندہ کیسے رہ سکتا ہے وہ اس کی کوئی توجیہہ نہ کر سکی اس نے اپنے شوہر کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کر لیا کہ حضرت آمنہ کی امانت اب فوراً لوٹا دینی چاہیے۔

ایک مرتبہ حضور نبی کرم ﷺ کے دربار اقدس میں کئی صحابہ کرام بیٹھے جمال جہاں آرا کی دید سے متمتع ہو رہے تھے کہ ایک شخص نے سب کا ترجمان بن کر عرض کیا۔

یا رسول اللہ! ہمیں اپنی ذات اقدس کے بارے میں کچھ بتایئے؟

آپ نے جواب میں ابتدا سے شق صدر تک کا ذکر اس طرح بیان فرمایا۔

انا دعوۃ ابی ابراھیم و بشرٰی	میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کی دعا
اخی عیسیٰ و رات امی حین حملت	اور اپنے بھائی حضرت عیسیٰؑ کی بشارت
بی انہ خرج منھا نور اضاء لھا	ہوں جب میری ذات بصورت امانت
قصور الشام واسترضعت فی بنی	میری والدہ کے سپرد ہوئی تو انہوں نے
سعد بن بکر فبینا انا مع اخ لی خلف	دیکھا کہ ان سے ایک نور خارج ہوا
بیوتنا نرعی بھما لنا اذ اتانی	جسکی روشنی میں انہوں نے محلات
رجلان علیھما ثیاب بیض بطست	شام دیکھ لئے...... میری پرورش قبیلہ
من ذھب مملوءۃ ثلجا ثم اخذانی	بنو سعد بن بکر میں ہوئی ہے ایک دفعہ کا
فشقا بطنی واستخرجا قلبی فشقاہ	ذکر ہے میں اپنے بھائی کے ساتھ
فاستخرجا علقۃ سوداء فطرحاھا ثم	گھروں کے پچھواڑے بکریاں چرا رہا

غسلا قلبی و بطنی بذالک الثلج حتی اذا انقیاہ ردہ کما کان' ثم قال احدھما لصاحبہ' زنہ بعشرۃ من امتہ فوزننی بعشرۃ فوزنتھم' ثم قال زنہ بمائۃ من امتہ' فوزننی بمائۃ فوزنتھم' ثم قال زنہ بالف من امتہ' فوزننی بالف فوزنتھم' فقال دعہ عنک فلو وزنتہ بامتہ لوزنھم

(ابن ہشام' ۱:۱۶۶)

تھا کہ اتنے میں دو آدمی آئے انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کے پاس ایک طشت زریں تھا' جس میں برف بھری ہوئی تھی' انہوں نے مجھے پکڑ کر پیٹ چاک کیا' دل نکال کر چیرا اور اس میں سے سودائے قلب کو نکال کر پرے پھینکا' پھر دل اور پیٹ کو اسی برف کے ساتھ دھو دیا۔ پھر ایک نے کہا انہیں دس امتیوں کے ساتھ تولو۔ جب انہوں نے تولا تو میرا پلڑا بھاری نکلا۔ اس نے کہا' اب سو امتیوں کے ساتھ تولو۔ جب تولا تو پھر بھی میرا پلڑا بھاری نکلا۔ اس نے کہا' اب ہزار امتیوں کے ساتھ تولو۔ جب تولا تو اس دفعہ بھی میرا پلڑا ہی بھاری نکلا۔ پہلے نے کہا رہنے دو' اگر تم انہیں پوری امت کے ساتھ بھی تولو گے تو پھر بھی ان کا پلڑا ہی بھاری نکلے گا۔

اسے ابن اسحاق نے خالد بن معدان کے طریق سے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے یہی واقعہ عتبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ (صحابی) سے بھی مروی ہے۔ اور اسے حاکم نے المستدرک میں بھی روایت کیا ہے۔ اسے دارمی نے بھی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام مسلم نے اپنی صحیح (کتاب الایمان) میں "معراج" کے بیان میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے "شق صدر" کی حد تک

اس واقعہ کو روایت کیا ہے۔ اس روایت کے مطابق ان دو فرشتوں میں سے ایک سیدنا جبرئیلؑ تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ نشان بھی حضور ﷺ کے سینہ مبارک پر دیکھا ہے۔

حضور ﷺ کی بنو سعد سے واپسی

حلیمہ سعدیہؓ نے رختِ سفر باندھا اور مکہ مکرمہ پہنچ گئیں، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے محبوب بیٹے کو سامنے دیکھ کر بے حد مسرور ہوئیں اور حیران بھی کہ حلیمہ تو انہیں بڑے اصرار کے ساتھ لے گئی تھی، پھر واپس کیوں لے آئی؟

حلیمہ نے جواب دیا سیدہ! میں ایک ناتواں عورت ہوں، زیادہ عرصہ آپ کی امانت کی حفاظت نہیں کر سکتی اس لئے کسی ناخوش گوار واقعہ سے پہلے ہی آپ کے پاس لے آئی ہوں۔

وہ ناخوش گوار واقعہ کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت آمنہ نے پوچھا۔

حلیمہ نے کچھ دیر تذبذب کے بعد سب کچھ بلاکم وکاست بیان کر دیا۔

حضرت آمنہ ہنس پڑیں اور فرمایا، حلیمہ!

میرے بیٹے کی قدر و عظمت کا تو ادراک نہیں کر سکتی، قدرت ان کی نگہبان ہے۔ اس لئے کوئی ناپسندیدہ قوت ان کے قریب بھی نہیں آئے گی۔ دل سے ہر قسم کا خوف و خطر نکال دو۔ اور خوش و خرم واپس جاؤ۔ حضرت حلیمہ نے حضور ﷺ کو ان کی امی جان کے پاس چھوڑا اور خود واپس چلی گئیں۔ (سیرت ابن ہشام، ۱: ۱۶۵)

جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو واپس مکہ مکرمہ لا کر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا تو آپ کی عمر مبارک چار سال تھی۔ اس وقت آپ پانچویں سال میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لئے بعض علماء نے عمر مبارک چار سال اور بعض نے پانچ سال لکھی ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ واقعہ شقِ صدر کے بعد ہم دیکھتے تھے۔

کان فی کل یوم ینزل علیہ رجلان ایضان فیغیبان فی ثیابہ ولا یظھران فقال الناس' ردیہ یا حلیمۃ علی جدہ و اخراجی من امانتک' قالت فعزمت علی ذالک فسمعت منادیا ینادی ھنیئا لک یا بطحاء مکۃ الیوم' الیوم یرد علیک النور.... الاخر

(الخصائص الکبرٰی' ۱:۵۶-۵۵)

ہر روز دو سفید شخص (نوری فرشتے) آپ کی خدمت میں اترتے اور آپ کے کپڑوں کے اندر غائب ہو جاتے تھے پھر ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ بستی کے لوگ ہمیں کہتے حلیمہ! اب انہیں ان کے دادا کے سپرد کر دو اور اپنی یہ امانت (بخیر و خوبی) واپس کر دو' پس میں نے (مکہ جانے کا) ارادہ کیا' تو اسی وقت غیبی آواز سنی' کوئی بصورت ندا وادی مکہ کو مبارک دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے اے سرزمین مکہ! آج تجھے مبارک ہو آج تجھ پر نور برسنے والا ہے۔

چنانچہ حضرت حلیمہ' حضور ﷺ کو لے کر مکہ معظمہ میں آگئیں اور حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا اور ساتھ سارے واقعات بھی سنا دیئے۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہے کاش میں اس کا زمانہ بعثت پا سکوں۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کو صحت مند' حسین و جمیل اور نور کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھا تو سینے سے چمٹا لیا' آنکھوں سے مسرت کے آنسو چھلک پڑے اور چار سالہ جدائی کی کوفت بھول گئیں۔ حضرت حلیمہ کو تحائف و ہدایا سے لاد دیا اور انعام و اکرام کی بارش کر دی اس نے ایک وفا شعار آیا اور مہرباں ماں ہونے کا حق ادا کر دیا تھا اور اپنی بساط کے مطابق خوب خدمت و نگہداشت کی تھی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اس کی فرض شناسی اور ذمہ داری سے بہت خوش ہوئیں اور دعائیہ کلمات کے ساتھ رخصت کیا۔

پیار بھری لوریاں

ابن الطراح بیان کرتے ہیں کہ ابو عبداللہ محمد بن یعلی الازدی ''کتاب الترقیص'' میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے زمانہ پرورش میں آپ کو ان دعائیہ کلمات کے ساتھ لوری دیتی اور آپ سے توسل کرتی تھیں:

یا رب إذ اعطیته فابقه　　واعله إلی العلا وارقه

واد حض اباطیل العدی بحقه

(اے باری تعالیٰ! اگر تو نے (ہمیں) یہ نعمتِ عظمیٰ عطا کی ہے تو اسے بقاء اور سلامتی بھی عطا فرمادے، اسے انتہائی بلندی کے مقام تک پہنچا اور اسے منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے حالات کی موافقت بھی عطا فرما اور دشمنوں کے تمام باطل حیلوں کو اسی کے توسل سے کالعدم فرما۔　　(الخصائص الکبریٰ، ۱:۹۵)

اسی طرح حضور ﷺ کی رضاعی بہن شیما آپ کو ایام رضاعت میں جو لوری دیتی تھی اس کے الفاظ امام احمد زینی دحلان نے یوں نقل کئے ہیں۔

یا ربنا ابق لنا محمدا　　حتی أراه یافعا وامردا

ثم أراه سیدا مسودا　　واکبت اعادیه معا والحسدا

واعطیه عزا یدور أبدا

(اے ہمارے رب! محمد ﷺ کو ہماری خاطر بقا اور سلامتی عطا فرما۔ حتی کہ میں آپ کو جواں اور تن آور دیکھ لوں۔ پھر میں آپ کو قوم کے ایسے سردار کے روپ میں دیکھوں کہ سب لوگ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہوں اور اے رب! ان کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل و رسوا کر دے اور انہیں وہ جاہ و عزت عطا کر جو ابدا لاباد تک قائم رہے۔)　　(السیرۃ النبویہ ۱:۵۵)

فہرست تصاویر

بنوسعد کی وہ بستی جہاں شق صدر کا واقعہ پیش آیا　　تصویر نمبر ۲۴

مذکورہ تصویر کے آخر ''حصہ نہم'' میں ملاحظہ فرمائیں

باب-۵

ایام طفولیت میں اعجازی قدروں کا ظہور

جو واقعہ عادۃً محال ہو اور اسباب و علل کے نظام میں عقل اس کی ظاہری توجیہہ سے عاجز و قاصر ہو جائے اگر کسی نبی سے صادر ہو تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس نبی کی نبوت اور صداقت کا یقین آجائے اور وہ جان لیں کہ اللہ تعالٰی نے اسے خاص طور پر ایسی امتیازی شان اور نمایاں برتری بخشی ہے جو دلیلِ نبوت ہے۔

باری تعالٰی نے ہر نبی اور رسول کو کوئی نہ کوئی خصوصیت بخشی اور اسے اس دور کے لوگوں پر فوقیت عطا کی مگر جب نبی آخر الزماں ﷺ کی باری آئی تو ان کی پیدائش سے بھی پہلے ان کی امتیازی شانوں کے اظہار کا سلسلہ شروع کر دیا حتی کہ ولادت کے بعد پورا بچپن ہی معجز نما کر دیا۔

بچپن کا دور بے شعوری کا دور ہوتا ہے۔ بچے کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ مگر ایک حضور نبی مکرم ﷺ کا بچپن ایسا پاکیزہ اور نرالا ہے کہ بے شعوری کے عیب سے بھی پاک ہے۔ کوئی عمل اس میں ایسا دکھائی نہیں دیتا جو محض معمولی بچپن کا نمائندہ ہو آپ کی ہر ادا بڑی منضبط اور ایک خاص سانچے میں ڈھلی ہوئی نظر آتی ہے جو دوسرے کو حیرت میں ڈالتی اور سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ یہ کیسے وجود میں آگئی اور اس عالمِ شیر خوارگی میں کیسے سرزد ہوئی؟ اس حوالے سے حضور ﷺ کا بچپن اول سے آخر تک معجزہ ہے جس نے پورے عالمِ عرب کو حیرت میں ڈال دیا۔ یہ اعجازی شانیں اور قدریں کیسے ظہور پذیر ہوئیں ہم ان کا ترتیب وار جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ روحانی فیوضات

اس سال پورا عرب خشک سالی کی لپیٹ میں تھا' ہر طرف ویرانی اور بربادی

چھائی ہوئی تھی' لوگ سخت مایوسی اور بے چینی کی حالت میں تھے' ان کے دل خوشی اور ہونٹ مسکراہٹ کو ترس گئے تھے۔ کوئی چارہ گر مسیحا اور درد کا درماں کرنے والا نہیں تھا جو ان کی خوشیاں واپس لادے اور غم والم سے بوجھل دلوں کو سکون کی دولت عطا کر دے۔ ظہور قدسی کے ساتھ ہی ان کی قسمت یوں بدل گئی جیسے موسم خزاں میں گلوں کی تازگی' پھولوں کی رعنائی اور گلاب کی خوشبو لوٹ آئی ہو' ہر شے پر بہار آ گئی قحط کا نام و نشان تک نہ رہا جو لوگ اس سال کو غم والم کا سال قرار دے چکے تھے انہوں نے ہی اس کا نام فرحت و مسرت کا سال رکھ دیا اور تاریخ عرب میں بہترین سال قرار دیا گیا' ہر طرف جل تھل ہو گئی اور اتنی بارش ہوئی کہ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔

یہ انقلاب حضور ﷺ کی ذات بابرکات کی وجہ سے آیا' اس کا اظہار حلیمہ کی گود میں بھی ہوا' وہ ایک قحط زدہ' غریب و نادار عورت تھی جس کی چھاتیوں میں اپنے سگے بیٹے عبداللہ کو سیراب کرنے کے لئے بھی دودھ نہیں تھا۔ مگر جونہی اس نے سرکار کو گود میں لیا تو دودھ کے چشمے ابل پڑے اور اس کا اپنا بیٹا بھی چین کی نیند سونے لگا۔ مریل اور سوکھی اونٹنی پر بھی جوبن آ گیا' جو چلنے اور قافلے کی اونٹنیوں کا ساتھ دینے سے عاجز تھی' وہ اچانک توانا اور تیز رفتار ہو گئی اور تمام اونٹنیوں سے آگے نکل گئی' اس کے پستان بھی دودھ سے لبریز ہو گئے اور وہ پورے گھرانے کی ضرورت پوری کرنے لگی' حالانکہ پہلے چند قطرے دودھ دیتی تھی اور سب گھر والے بھوکے رہتے تھے۔

حلیمہ کے اڑوس پڑوس کو بھی احساس ہو گیا کہ حلیمہ جو بچہ لائی ہے وہ بڑی برکتوں والا ہے جو اس پارس کو چھو جائے وہ بھی سونا بن جاتا ہے' قدرت نے ان کے ذہن میں ڈال دیا کہ ان کا مبارک ہاتھ شفا بخش ہے' چنانچہ قبائل میں جب بھی کوئی بیمار ہو جاتا وہ حلیمہ کے گھر آ کر آپ کا دست مبارک پکڑ کر اپنے جسم پر پھیرتا اسے شفا مل جاتی۔ اسی طرح بنو سعد اور حلیمہ کی جو کھیتیاں سوکھ گئی تھیں دوبارہ ہری بھری ہو گئیں۔ ان برکات و فیوضات کا ظہور آپ کے ایام طفولیت میں ہی ہونے لگ گیا تھا۔

۲۔ معجزانہ عجائبات

جو عجائبات دوران حمل اور وقت ولادت ظہور پذیر ہوئے تھے ان کا سلسلہ دور رضاعت اور ایام طفولیت میں بھی بتمام وکمال جاری رہا۔ عالم شیر خوارگی میں آپ کی بے مثلیت کا اظہار اس طرح بھی ہوا کہ چاند اشاروں پر رقص کرتا تھا۔

۱۔ حضرت عباسؓ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں جسے امام بیہقیؒ' ابن عساکر اور خطیب بغدادی نے روایت کیا ہے۔

یا رسول اللّٰہ! دعانی الی الدخول فی دینک امارۃ لنبوتک رایتک فی المھد تناغی القمر' و تشیر الیہ باصبعک فحیث اشرت الیہ مال قال انی کنت احدثہ ویحدثنی

(خصائص کبرٰی' امام سیوطی' ۱:۵۳)

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی نبوت پر دلالت کرنے والی ایک خاص نشانی نے مجھے آپ کے دین میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ایام طفولیت میں گہوارے کے اندر چاند کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے اور انگلی مبارک کے ساتھ جس طرف اشارہ فرمایا کرتے تھے چاند اسی طرف جھک جاتا تھا۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

۲۔ چاند کے علاوہ فرشتے بھی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے' اور گہوارے کو حرکت دینے کی خدمت پر مامور تھے' جب کوئی بھی نہ ہوتا تو بھی جھولا رقصاں رہتا تھا۔

ان مھدہ کان یتحرک بتحریک الملائکۃ

(الخصائص الکبرٰی' ۱: ۵۳ وکذا فی المواھب والزرقانی)

حضور ﷺ کا جھولا ملائکہ کے ہلانے سے ہمیشہ ہلتا رہتا تھا۔

۳۔ ایام طفولیت ہی سے کڑکتی دھوپ میں بادل آپ پر سایہ کرتے تھے اور تپش سے بچاتے تھے۔ امام ابو نعیم' ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے

كانت حليمة لا تدعه يذهب مكانا بعيدا فغفلت عنه فخرج مع اخته الشيماء في الظهيرة الى البهم فخرجت حليمة تطلبه حتى تجده مع اخته فقالت في هذا الحرة فقالت اخته يا امه! ما وجد اخي حرا رايت غمامة تظل عليه اذا وقف وقفت' واذا سار سارت' حتى انتهى الى هذا الموضع' قالت: احقا يابنية قالت: اى والله

(خصائص کبریٰ' امام سیوطی' ۱:۵۸)

حلیمہ آپ کا بہت خیال رکھتی تھی اور زیادہ دور نہیں جانے دیتی تھی' ایک روز قدرے غافل ہو گئی تو آپ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت ریوڑ کی طرف نکل گئے حلیمہ بے قرار ہو گئی اور فوراً تلاش میں نکلی' جب بہن کے ساتھ دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی' بچی کو ناراض ہوئی کہ اتنی سخت دھوپ میں انہیں لے کر کیوں آئی ہو؟ شیماء نے جواب دیا' امی جان! میرے بھائی کو دھوپ نے کچھ نہیں کہا بادل ان پر مسلسل سایہ فگن رہا' جب یہ ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا تھا اور جب یہ چلتے تو وہ بھی چل پڑتا تھا یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے حلیمہ یہ سن کر خوش گوار حیرت کے عالم میں چیخ پڑی۔ کیا یہ سچ ہے؟ میری بچی! شیماء نے جواب دیا ہاں' امی جان یہ بالکل سچ ہے۔

۴۔ اسی طرح حضور ﷺ کبھی کبھی اپنے جھولے میں ولادت کے فوراً بعد ایسا کلام بھی فرماتے تھے جو سمجھا جا سکتا تھا۔ مثلاً ابن عائذ کے نزدیک آپ ﷺ نے ولادت کے بعد

سب سے پہلا کلام یہ فرمایا۔

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا

واقدیؒ کے نزدیک آپ ﷺ نے ولادت کے فوراً بعد اپنا سرانور اٹھا کر لسان فصیح کے ساتھ پہلا کلام یہ فرمایا۔

لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ (کذا فی المواہب والزرقانی)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں اللہ کا رسول ہوں۔

۳۔ طبعی عدل وانصاف

ایک شیر خوار بچے کو اپنا بھی ہوش نہیں ہوتا کوئی بھی چیز اس کے منہ میں دی جائے تو وہ اسے چوسنا شروع کر دیتا ہے اور جب دودھ نہ نکلے تو رونے لگ جاتا ہے۔ اس عمر میں شعور اور عدل وانصاف کا مظاہرہ کرنا اور اسے معمول بنا لینا معجزہ ہی ہو سکتا ہے اور ایک نبی کے سوا ایسے بے نظیر عدل کا حامل کوئی نہیں ہو سکتا۔

پہلے ہی روز جب حلیمہ نے حضور ﷺ کو گود میں لیا' آپ نے دائیں طرف کا دودھ نوش فرمایا پھر حلیمہ سرتوڑ کوشش کرتی رہی کہ دوسری طرف کا دودھ بھی پی لیں مگر آپ نے دوسری طرف یعنی بائیں پستان کو منہ بھی نہ لگایا اور یہی معمول پورے زمانہ رضاعت میں قائم رکھا۔ جس کا بعد میں احساس ہوا کہ آپ دوسرے بھائی عبداللہ کے لئے دوسرا حصہ چھوڑتے ہیں اور اس کے حق میں تصرف پسند نہیں فرماتے۔

حلیمہ فرماتی ہیں۔

کنت اعطیہ الثدی الایمن فیشرب منہ ثم احولہ الی الثدی الا یسر فیا بی ان یشرب منہ .... و ذالک من عدلہ لانہ علم ان لہ شریکا فی الرضاعۃ

(خصائص کبریٰ' ۱:۵۹)

میں دائیں طرف کا دودھ پلاتی تو نوش فرماتے تھے' بائیں جانب کا پلانے کی کوشش کرتی تو انکار فرما دیتے تھے .... یہ عدل کی بات تھی' کیونکہ آپ جانتے تھے ان کا ایک رضاعی بھائی بھی ہے۔

۴۔ طہارت و نفاست

بچے کی طہارت و نفاست کے معاملات بھی کسی ضابطے کے پابند نہیں ہوتے وہ جب چاہتا اور جہاں چاہتا ہے اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔

مگر حضور ﷺ کے دورِ رضاعت و طفولیت میں کبھی ایک موقع بھی ایسا نہ آیا کہ بی بی حلیمہ کو دشواری پیش آئی ہو اور اسے گیلے کپڑے دھونے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو' اوقات مقرر تھے حضور ﷺ ان ہی اوقات میں معمولات سے فارغ ہوتے اور ایسی نفاست کے ساتھ رہتے جیسے ایک ہوش مند' مہذب اور نفاست پسند شخص زندگی گذارتا ہے' یہ شان بچپن ہی میں رشد و شعور کی عکاس تھی۔

۵۔ پیکرِ شرم و حیاء

شرم و حیاء ایک ایسا وصف ہے جو انسان کو ہر برائی سے محفوظ رکھتا ہے اس لئے اہل اللہ کو یہ جذبہ شدت کے ساتھ بطور خاص ودیعت کیا جاتا ہے' وہ اس کی بدولت ہر ایسے عمل سے مجتنب رہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔

حضور ﷺ کو یہ جوہر کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ وافر مقدار میں عطا کیا گیا تھا۔ کوئی بھی باحیاء شخص یہ گوارا نہیں کرتا کہ دوسرا شخص اسے برہنہ حالت میں دیکھے لیکن یہ احتیاط باشعور ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ بچپن اور عالم شیر خوارگی میں سب بچے حالات اور ماؤں بہنوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں' جو انہیں سنبھالتی اور ہر حالت میں لئے پھرتی ہیں۔

اس کے علاوہ ختنوں کے لئے جراح یا ڈاکٹر کے سامنے برہنہ ہونا پڑتا ہے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں مگر قدرت نے شرم و حیاء کے اس پیکر اتم کے لئے ایسا انتظام کر دیا کہ ایسی نوبت ہی نہ آئی' خود ارشاد فرماتے ہیں۔

من کرامتی علی ربی انی ولدت	یہ میرے رب کی عطا کردہ عزت ہے
مختونا ولم یر احد سوأتی	کہ اس نے مجھے مختون (ختنہ شدہ)
(خصائص کبریٰ' ۱: ۵۳)	پیدا کیا اور کسی نے مجھے عریاں نہیں دیکھا۔

یہ اعجاز نبوت ہے کہ بچپن ہی میں یہ احساس تھا کہ کوئی عریاں حالت میں نہ دیکھے' اس حالت میں کسی کے سامنے ہونا گوارا ہی نہ تھا اس لئے ہمیشہ لباس میں رہتے تھے اور عالم شیر خوارگی سے ہی قدرت نے طبع مبارک میں ایسا نظم پیدا کر دیا تھا کہ کسی نے بھی آپ کو کبھی عریاں حالت میں نہ دیکھا۔ شرم وحیاء کا یہ عالم تھا کہ آپ بچپن ہی سے عربوں کی ان مجالس میں شرکت سے گریز فرماتے جن میں رقص و سرود اور غناء وفجور ہوتا' حالانکہ یہ محافل اور تقریبات عربوں کے دور جاہلی کی ثقافت کا جزولاینفک تھیں۔ ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیلوں سے بھی حیاءً اجتناب فرماتے۔ جو تقوٰی وطہارت' پرہیز گاری اور شرم وحیاء کے منافی ہوتیں۔ آپ کے بچپن میں جب تعمیر کعبہ کا واقعہ پیش آیا تو آپ نے بھی اس میں حصہ لیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے آپ سے کہا کہ اپنی چادر اوپر کر کے اس میں تعمیر کعبہ کے لئے پتھر اٹھا لائیں' جوں ہی آپ چادر اوپر کرنے لگے آپ پر منجانب اللہ غشی طاری کر دی گئی جب اٹھے تو چادر درست کرنے کی فکر میں تھے۔ باری تعالٰی نے بچپن میں اس قدر عمل بھی ادا نہ ہونے دیا جس سے آپ کے معیار حیاء پر آنچ آئے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

۶۔ احسان کا بدلہ

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

ما لاحد عندنا ید الا و قد کافیناہ ما خلا ابابکر فان لہ عندنا یدا یکافیہ اللہ بھا یوم القیامۃ (ترمذی' ۲: ۲۰۷)	جس شخص کا بھی ہم پر احسان تھا ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے' سوائے ابوبکر کے۔ اللہ تبارک و تعالٰی قیامت کے دن اس کے احسانات کا بدلہ دیں گے

حلیمہ سعدیہ نے حضور ﷺ کی چار سال تک خوب دل و جاں سے خدمت کی' دودھ پلایا' محبت اور پیار سے پالا' ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی' مگر حقیقت یہ ہے کہ حلیمہ سعدیہ کی خدمت واحسان کا سلسلہ شروع ہونے سے بھی پہلے حضور ﷺ

نے اس کے گھر داخل ہوتے ہی پیشگی سب بدلے چکا دیئے کہ قدم رکھا اور اس کی تقدیر بدل دی۔ حلیمہ سعدیہ ایک غریب اور نادار عورت تھی جس کے گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا' دبلی پتلی اونٹنی چلنے سے معذور اور دودھ دینے سے قاصر تھی' بچہ بھوک سے بلکتا رہتا تھا اور گھر والے سب فاقے کرتے تھے یہ حضور ﷺ کا احسان تھا کہ تشریف لاتے ہی گھر کی کایا پلٹ دی اور اسے برکتوں سے معمور کر دیا۔ اونٹنی دودھ کی نہریں بہانے لگی جن سے حلیمہ کا اپنا بچہ بھی سیراب ہونے لگا اور ان کی زندگی میں پہلا موقع آیا کہ انہوں نے خوشحالی کا منہ دیکھا گویا حضور ﷺ نے حلیمہ اور اس کے سارے گھرانے کو آسودہ حال بنا دیا اور اسے وہ کچھ دے دیا جس سے وہ تہی دست تھی۔

حلیمہ سعدیہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی' اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہو چکی تھی' حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حلیمہ رضی اللہ عنہا کا تعارف کرایا جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت خوش ہوئیں۔ قدر افزائی کے لئے چالیس بکریاں عطا فرمائیں اور واپسی کے لئے ایک تیار اونٹ بھی دیا۔

(طبقات ابن سعد' ا: ۱۱۳)

بعد میں حضرت حلیمہؓ کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا یہ دولت ایمان بھی انہی احسانات کا حصہ ہے۔ حضور ﷺ نے اس قبیلے کو خصوصی طور پر نوازا۔ تفصیلات اس طرح ہیں۔

حنین ایک تاریخی مقام ہے یہاں بنو ہوازن آباد تھے جو مختلف قبائل اور شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔ حلیمہ کا قبیلہ "بنو سعد" بھی اسی کا حصہ تھا۔

جب اسلام کی روشنی پورے عرب میں پھیل گئی' اور مکہ بھی فتح ہو گیا تو بنو ہوازن کو پھر بھی ہوش نہ آیا بلکہ ان پر الٹا اثر ہوا' اپنی طاقت کے نشے میں چور اور عددی برتری پر نازاں ہو کر سوچنے لگے کہ انہیں آگے بڑھ کر اسلام کی غالب اور قاہر قوت پر حملہ کر دینا چاہیے تاکہ لوگوں کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھ جائے اور اہل مکہ جان لیں کہ ہم ان سے زیادہ بہادر اور جنگباز ہیں۔

اس کے جوانوں کی رگوں میں تازہ خون رواں دواں تھا۔ وہ ماہر تیغ زن اور مانے ہوئے تیرانداز تھے انہوں نے تیزی کے ساتھ یک طرفہ تیاریاں شروع کر دیں۔ جب اسلام کے غازیوں کو ان تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے خود پیش قدمی کر کے حنین میں ڈیرے ڈال دیئے۔

بنو ہوازن نے بھی ہراساں اور خوفزدہ ہونے کی بجائے میدان جنگ کا رخ کیا اور نقد و جنس' فرزند و زن اور مال مویشی سمیت میدان جنگ میں آگئے تاکہ کوئی واپسی کا تصور ہی نہ کرے اور سمجھ لے کہ ان کا سب کچھ یہیں ہے۔

وہ اسلامی فوج کی پیش قدمی کے ساتھ ہی حرکت میں آگئے اور آگے بڑھنے والی صف پر تیروں کی باڑھ ماری' قادر انداز تھے ایک تیر بھی خطا نہ گیا۔ کئی مسلمان سپاہی شہید ہو گئے۔ پھر ان کے تابڑ توڑ حملوں نے صفوں میں ہلچل مچا دی' یہ ابتدائی کاروائی اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ کچھ دیر کے لئے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان میں منتشر ہو گئے مگر بہت جلد سنبھل گئے اور منظم ہو کر اتنا زوردار حملہ کیا کہ بنو ہوازن تاب نہ لاسکے فرزند و زن اور مال و متاع چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو بے حد و حساب مال غنیمت ہاتھ آیا' چھ ہزار کے قریب جنگی قیدی ان کے قبضہ میں آئے جنگ ختم ہونے کے بعد حضور ﷺ کئی روز تک وہاں مقیم رہے' تاکہ ذمہ دار لوگ آئیں اور اپنے قیدی چھڑا کر لے جائیں' مگر انتظار کے باوجود وہ نہ آئے' حضور ﷺ اپنے لشکر اور قیدیوں سمیت واپس تشریف لے آئے اور سب کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

تقسیم کے بعد بنو ہوازن آپہنچے۔ ان میں حضور ﷺ کا رضاعی چچا "ابو ثروان" بھی تھا۔ اس نے حضور ﷺ کو بتایا کہ جو خواتین قید ہوئی ہیں ان میں آپ کی رضاعی پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں' جنہوں نے آپ کو کھلایا ہے' دودھ پلایا ہے اور بچپن میں خدمت اور دیکھ بھال کی ہے' ایک عام آدمی بھی ان رشتوں کا پاس کرتا ہے آپ تو خیر و برکت اور کرم و شرافت کا مجسمہ ہیں ہم آپ سے نیکی اور بہتری کی

زیادہ توقع رکھتے ہیں کرم فرمائیں اور انہیں آزادی عطا کر کے ہم پر احسان کریں۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

تمہارے اس نازک رشتے اور تعلق کا ہمیں احساس تھا اس لئے تمہاری منشا کے مطابق فیصلہ کرنا چاہتے تھے' مگر تم لوگوں نے بہت تاخیر کر دی سب کچھ تقسیم ہو چکا ہے۔ اب مال و متاع اور فرزند و زن میں سے ایک چیز کو منتخب کر لو' البتہ بنو عبد المطلب کے پاس جو کچھ ہے وہ ہم واپس کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے فرزند و زن اور اپنے اہل و عیال کو ترجیح دی' جب مسلمانوں کو علم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے حصے کے قیدی آزاد کر دیئے ہیں' تو انہوں نے بھی سب آزاد کر دیئے' دیکھتے ہی دیکھتے آزاد شدہ قیدیوں سے گلی کوچے بھر گئے۔

ان قیدیوں میں حضور ﷺ کی رضاعی بہن "شیماء" بھی تھی۔ جب اس نے اپنا تعارف کروایا تو آپ ﷺ کو ساٹھ سال پرانی یاد آ گئی' آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' اپنی چادر بچھا کر شیماء کو اس پر بٹھایا' بہت عزت کی اور فرمایا۔

یہاں رہنا چاہو تو میرا گھر حاضر ہے اور اگر واپس جانا چاہو تو انتظام کئے دیتے ہیں۔ اس نے عرض کیا مجھے واپس بھیج دیں کیونکہ سب رشتے دار واپس جا رہے ہیں۔ اس کی خواہش کے مطابق حضور ﷺ نے اسے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

(صحیح بخاری' ۲:۶۱۸) (طبقات ابن سعد' ۱:۱۱۵)

۷۔ محنت و مشقت کا شوق

حضور ﷺ کی طبیعت میں بچپن ہی سے محنت اور مشقت کا شوق موجود تھا۔ آپ میں تن آسانی کا رجحان شروع ہی سے نہیں تھا۔ آپ حضرت حلیمہؓ کے ہاں قیام کے دوران انتہائی کمسنی میں بھی اپنے رضاعی بھائی کے ہمراہ بکریوں کا ریوڑ چرانے کے لئے تشریف لے جاتے۔

۸۔ ذکر و تسبیح کا ذوق

آپ بالکل بچپن کے زمانے سے ہی کھانے سے قبل بسم اللہ پڑھتے اور تسبیح' تحمید اور تکبیر کی صورت میں اکثر ذکر الٰہی کرتے۔ یہ ذوق ولادت کے بعد سے ہی دیکھنے میں آگیا تھا۔ آپ نے اپنی زبان بھی ذکر الٰہی پر کھولی تھی۔ کھانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ اس قدر کمسنی میں یہ امور سب کے لئے حیرت کا باعث بنے رہتے تھے۔

۹۔ مجموعی سیرت

مذکورہ بالا تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کا بچپن بھی جامع اور کامل سیرت کا نمونہ تھا۔ بچپن تھا مگر بچپنہ نہ تھا۔ اس زمانے میں بھی شرم و حیاء کے پیکر تھے' کذب اور غلط بیانی سے زمانہ طفولیت میں بھی مکمل طور پر مجتنب اور پاک تھے۔ ہر حال میں صدق و صداقت پر کاربند رہتے آپ کا بچپن جملہ غیر اخلاقی عادات و معمولات سے منزہ تھا۔

ابن سعد' زھری سے روایت کرتے ہیں۔

قال قدم وفد ھوازن علی النبی ﷺ وفیھم عم لہ من الرضاعۃ ابو ثروان فقال یا رسول اللّٰہ لقد رأیتک مرضعا فما رأیت مرضعا خیرا منک' ورأیتک فطیما فما رأیت فطیما خیرا منک' ثم رایتک شابا فما رایت شابا خیرا منک' وقد تکاملت فیک خلال الخیر

(الخصائص الکبریٰ' ۱:۵۹)

انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ قبیلہ ھوازن کا ایک وفد حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا' اس میں آپ کا رضاعی چچا ابو ثروان بھی شامل تھا اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے آپ کو ایام رضاعت میں دیکھا ہے میں نے آج تک کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہیں دیکھا' پھر میں نے آپ کو بچپن میں دیکھا ہے' میں نے کسی کا بچپن آج تک آپ سے بہتر نہیں

دیکھا' پھر میں نے آپ کو جوانی میں دیکھا ہے' میں نے آج تک کسی کی جوانی آپ سے بہتر نہیں دیکھی۔ بے شک تمام خوبیوں اور نیکیوں نے آپ کی ذات میں کامل نشوونما پائی ہے۔

۱۰۔ ہمہ پہلو برکات

قاضی ثناء اللہ پانی پتی "شمائل محمدیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

قالت حلیمة ما كنا نحتاج الى السراج من يوم اخذناه لان نور وجهه كان انور من السراج فاذا احتجنا الى السراج فى مكان جئنا به فتنورت الامكنة بركته ﷺ وروى انه لما ارضعته حليمة در لبنها فانهمر فكانت ترضع معه عشرة او اكثر۔ وكانت حليمة اذا مشت به على واد يابس اخضر فى الوقت۔ وكانت تسمع الاحجار تنطق بسلامها عليه والاشجار تحن باغصانها اليه۔ وكان النبى ﷺ يخرج .... هو و اخوه برعيان الغنم فقال اخوه ان اخى الحجازى اذا وقف بقدمه على الوادى يخضر لوقته۔ و اذا جاء

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس روز سے ہم نے آپ ﷺ کو لیا کبھی ہمیں چراغ کی ضرورت نہ رہی۔ آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہمیں کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ ﷺ کو وہاں لے جاتے۔ آپ ﷺ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ آپ ﷺ کو دودھ پلانے لگیں تو آپ کے پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حضرت حلیمہ آپ ﷺ کو لے کر کسی خشک وادی سے

الی البئر و نحن نسقی الاغنام بغلو الماء الی فم البئر و اذا قام فی الشمس ظلته الغمامۃ۔ و تاتی الوحوش الیہ و ھو قائم لتقبلہ
(تفسیر المظہری ۲:۵۲۸)

گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی۔ حضرت حلیمہ خود سنتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے اور درختوں کی شاخیں آپ ﷺ کی طرف جھک جاتیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کا رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ حضور ﷺ جب کسی وادی میں جاکر کھڑے ہوتے تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تو کنویں کا پانی ابل کر (آپ کی خاطر) کنویں کے منہ تک آ جاتا۔ جب آپ ﷺ دھوپ میں کھڑے ہوتے تو بدلی آکر سایہ کرلیتی اور جنگلی جانور آپ ﷺ کے پاس آکر آپ ﷺ کو چومتے۔

حصہ ششم

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت آمنہ کے فرحت و مسرت اور رفاقت و یکجائی کے یہ دو سال لمحوں میں بیت گئے۔ حضور ﷺ چھ سال کے ہو گئے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے دل میں خیال آیا کہ اب بیٹے کو باپ کی قبر کی زیارت کرائی جائے۔ سفر دشوار اور طویل تھا ام ایمن کو ساتھ لیا اور مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئیں جو اس وقت صرف یثرب تھا۔

وہاں پہنچ کر دار النابغہ میں قیام کیا حضور ﷺ نے اپنی والدہ کے ہمراہ اپنے والد حضرت عبد اللہ کے مزار کی زیارت کی اور جو رشتہ دار یہاں آباد تھے سب کو دیکھا۔

یہاں بنو عدی بن النجار کا ایک تالاب تھا حضور ﷺ نے بہت جلد اس میں تیرنا سیکھ لیا اور پیراک بن گئے۔ عسکری تربیت کا یہ بھی ایک حصہ تھا جو یہاں مکمل ہوا۔

جب عرصہ دراز کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ یہاں تشریف لائے تو یہاں کے در و دیوار کے ساتھ بچپن کی یادیں وابستہ تھیں آپ ان کا اکثر تذکرہ فرماتے تھے۔

فکان رسول اللہ ﷺ یذکر امورا کانت فی مقامہ ذالک و نظر الی الدار فقال ھاھنا نزلت بی امی و احسنت العوم فی بیر بنی عدی بن النجار

(خصائص کبریٰ ۱: ۹۷ و طبقات ابن سعد وغیرہ)

پس آپ وہ حالات و واقعات بیان فرمایا کرتے تھے جو یہاں پیش آتے تھے جب دار النابغہ کو دیکھا تو فرمایا' ای جان یہاں آ کر قیام پذیر ہوئی تھیں اور بنو عدی کے تالاب کو دیکھا تو فرمایا اس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔

یہاں تقریباً ایک ماہ قیام رہا کچھ اور ٹھہرنے کا ارادہ تھا مگر یکے بعد دیگرے ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے جلد واپسی پر مجبور کر دیا۔

حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے تھے جسے امام ابو نعیم نے دلائل میں روایت کیا ہے۔

فنظرت الی رجل من الیهود یختلف ینظر الیّ فقال لی یا غلام! ما اسمک؟ قلت: احمد' و نظر الی ظهری فاسمعه یقول: هذا نبی هذه الامة ثم راح الی اخوالی فاخبرهم فاخبروا امی فخافت علی و خرجنا من المدینة
(خصائص کبریٰ' ۱:۷۹)

پس میں نے ایک یہودی کو دیکھا جو بار بار آتا جاتا اور مجھے دیکھتا تھا بالآخر اس نے سوال کیا۔ اے بچے' تیرا نام کیا ہے؟ میں نے جواب دیا' احمد اس نے میری پشت کو دیکھا میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا' یہ بچہ اس امت کا نبی ہے۔ پھر وہ یہودی میرے ماموؤں کے پاس آیا اور انہیں یہی بات بتائی ماموؤں نے میری امی جان سے بات کی تو انہیں میری وجہ سے فکر لاحق ہوئی اور انہوں نے مدینہ سے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔

اسی طرح حضرت ام ایمن فرماتی ہیں۔

اتانی رجلان من یهود یو ما نصف النهار بالمدینة فقال: اخرجی لنا احمد' فاخرجته فنظرا الیه و قلباه ملیا۔ ثم قال احدهما لصاحبه' هذا نبی هذه الامة و هذه دار هجرته
(الخصائص الکبریٰ' ۱:۷۹)

مدینہ میں قیام کے دوران ایک روز دو یہودی دوپہر کے وقت میرے پاس آئے ایک نے کہا' ذرا احمد کو باہر لاؤ! میں حضورؐ کو لے کر باہر آئی تو انہوں نے حضورؐ کو بہت غور سے دیکھنا شروع کر دیا اور نشانیاں تلاش کرتے رہے۔

پھر ایک نے دوسرے سے کہا' یہ بچہ
اس امت کا نبی ہے اور یہ مدینہ اس کا
دارالہجرت ہو گا۔

یہود کے فتنہ و شر کے پیش نظر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو لے کر مکہ روانہ ہو گئیں۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام آتا ہے جسے ابواء کہتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت آمنہؓ بیمار ہو گئیں بیماری بڑھتی گئی۔ آخر اسی عالم مسافرت میں بیس سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ آپؓ کی قبر مبارک ابواء میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔

مکہ و مدینہ کے طریق قدیم پر ایک مقام "مستورہ" آتا ہے وہاں سے صحراء میں ۲۴ کلومیٹر کے فاصلہ پر "وادی ابواء" ہے اور قبر مبارک ابواء کی آبادی سے باہر ہے۔ مزار اقدس اور چار دیواری کو وادی کے امیر نے منہدم کروا دیا تھا۔ ۱۹۸۶/۸۷ء میں احقر کے ہمراہ کچھ رفقاء تھے ہم سب نے مل کر پتھر اکٹھے کئے اور ممکنہ حد تک چار دیواری اور مزار مبارک کی علامت بنائی جو تاحال قائم ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہر سال یہاں کی حاضری نصیب ہوتی ہے اس حاضری کا ذریعہ ظہور احمد ہوتا ہے جسے میں "ظہور احمد ابوائی" کے نام سے بلاتا ہوں۔ وہی ہمیشہ وہاں لے جانے کا اہتمام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین) الحمد للہ اس باب کی تحریر کے دوران بھی جب رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوا تو مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۹۴ء بروز اتوار ابواء شریف کی حاضری ہوئی۔ افطار اور نماز مغرب کا شرف وہیں مزار اقدس پر نصیب ہوا۔ اہلیہ صاحبہ اور چند دیگر رفقاء و احباب خاص طور پر محمد اسلم قادری' علامہ غالب لاہوری اور محمد حنیف سندھو بھی ہمراہ تھے۔

امام ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ ام سماعہ بنت ابی رھم اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ وہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت ان کے پاس تھیں وہ بیان کرتی ہیں میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ شان معصومیت کے ساتھ اپنی والدہ کی وفات کے

وقت ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت آمنہ نے آخری وقت بڑی حسرت کے ساتھ حضور ﷺ کے چہرہ اقدس پر پیار بھری نگاہ ڈالی یہ شعر کہے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

بارک فیک اللہ من غلام — یا ابن الذی من حومۃ الحمام
نجابعون الملک المنعام — فودی غداۃ الضرب بالسہام
بمائۃ من ابل سوام — ان صح ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام — من عند ذی الجلال والاکرام
تبعث فی الحل وفی الحرام — تبعث بالتحقیق والاسلام
دین ابیک البر ابراھام — فاللّٰہ انھاک عن الاصنام
ان لاتوالیھا مع الاقوام

اے بیٹے اللہ تجھے برکت دے اے اس عظیم باپ کے فرزند جس نے بادشاہ حقیقی اور منعم کائنات کی عنایت و مہربانی سے زبردست موت کے آہنی چنگل سے نجات حاصل کی۔ چنانچہ جس روز قرعہ اندازی ہوئی تو ان کے بدلے سو چرنے والے اونٹ قربان کئے گئے۔ میرے پیارے محمد ﷺ جو خواب میں نے دیکھے ہیں اگر وہ سچے ہیں تو میں وثوق سے کہہ سکتی ہوں تو جلیل و کریم رب تعالیٰ کی طرف سے نبی بن کر مخلوق کی طرف مبعوث ہونے والا ہے۔ تو حق و صداقت اور اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کے دین اور اسلام کی روشنی کے ساتھ حرم اور غیر حرم کے تمام علاقوں کی طرف مبعوث ہو گا پوری قوم بتوں کی پرستش اور انکی محبت میں گرفتار ہے لیکن اللہ پاک نے تجھے ان خرافات سے روک دیا ہے۔ کہ آپ ان بت پرستوں سے دوستی نہ کریں۔

(خصائص کبریٰ' امام سیوطی' ۱:۷۹) (شرح المواہب اللدنیہ' زرقانی ۱: ۱۶۴)

ان اشعار کے بعد آپ کے آخری کلمات یہ تھے۔

کل حی میت و کل جدید بال و کل — ہر زندہ کو موت آئے گی ہر نیا پرانا ہو گا

كبير يفنى و انا ميتة و ذكرى باق	اور ہر بڑا فنا ہو گا اب میں تو مر رہی
و لدت طهرا و قد تركت خيرا	ہوں لیکن میرا ذکر دنیا میں باقی رہے گا
(الخصائص الکبریٰ '۱: ۷۹)	کیونکہ میں ایک ایسے بچے کو جنم دے
	چلی ہوں جو سراپا طہارت ہے۔

ام سماعہ رضی اللہ عنہا مزید روایت کرتی ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر ہم نے جنات کو روتے اور نوحہ خوانی کرتے سنا۔ جو اشعار جنات نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر کہے ان میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

نبكى الفتاة البره الامينه	ذات الجمال العفة الرزينه
زوجه عبدالله و القرينه	ام نبى الله ذى السكينه
و صاحب المنبر بالمدينه	صارت لدى حفرتها رهينه

(الخصائص الکبریٰ '۱: ۸۰)

حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کے وقت اپنی عمر مبارک کے پانچ سال مکمل فرما کر چھٹے سال میں داخل ہو چکے تھے۔

آج حضور ﷺ "یتیم الابوین" (ماں اور باپ دونوں کی طرف سے یتیم) ہو گئے۔ آپ نے والد گرامی کی تو شفقت بھی نہ دیکھی تھی صرف قبر ہی دیکھی تھی اور اسی سفر میں والدہ ماجدہ بھی قبر میں آرام فرما گئیں۔ کم سنی' بے آب و گیاہ صحراء اور سفر تنہائی۔ حضور ﷺ کے یہی تین ساتھی رہ گئے۔ اب وہ حبشی خادمہ ام ایمن اکیلی حضور ﷺ کے ہمراہ تھی۔ جو آپ کی انگلی پکڑ کر کبھی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر لاتی اور کبھی آپ کے حسین چمکتے ہوئے رخساروں سے آنسو پونچھتی۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی عمر وفات کے وقت بیس برس تھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ (غلبہ اسلام کے بعد) حضور ﷺ ایک مرتبہ ایک ہزار مسلح مجاہدین کے ہمراہ ابواء کے مقام پر اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لائے آپ پر وہاں رقت طاری ہو گئی اور دوسرے صحابہ بھی فرط تاثر سے رو پڑے۔

فہرست تصاویر

مذکورہ تصاویر کتاب کے آخر "حصہ نہم" میں ملاحظہ فرمائیں

حصہ ہفتم

ایمان ابوین کریمین

باب-۱

بنیادی تصور

جس زمانے میں کوئی نبی موجود نہ ہو اسے "دور فترت" کہتے ہیں۔ اس دور کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی شخص کفر و شرک' بت پرستی اور خلاف توحید' عقائد و اعمال سے مجتنب رہے تو وہ ناجی اور عند اللہ مقبول ہوتا ہے۔ ایک دین کے تفصیلی احکام پر عمل پیرا ہونا ان کے لئے لازم نہیں کیونکہ اس وقت نبی موجود نہیں ہوتا جو انہیں احکام بتائے' تفصیلات سے آگاہ کرے اور اپنا اسوہ حسنہ پیش کر کے انہیں اپنی پیروی کی تلقین کرے اس لئے ایسے لوگوں کا توحید باری کا قائل ہو جانا ہی کافی ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں' تلاشِ حق میں کوشاں رہیں' اور جو کام اچھا سمجھیں کرتے رہیں' یہی کچھ ان کے لئے سامانِ نجات ہو جاتا ہے۔

یہ ایک غلط اور گمراہ کن تصور ہے کہ جو بھی دور فترت یا دور جاہلیت میں ہو وہ کافر ہوتا ہے۔ دور جاہلیت میں چند ایسے افراد بھی تھے جو سچے دین کی تلاش میں تھے اور بت پرست قوم میں رہتے ہوئے بھی جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم و رواج سے کلی طور پر مجتنب تھے بلکہ لوگوں کو توحید کے منافی عقائد و اعمال سے روکتے بھی تھے کہ وہ ان مکروہ خرافات سے باز آ جائیں' اس سلسلے میں ورقہ بن نوفل اور زید بن عمرو بن نفیل کے نام قابل ذکر ہیں جو جاہلی حرکات سے بیزار اور مشرکانہ رسوم کے خلاف ننگی تلوار تھے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی اسی دور کے مسلمان ہیں جو طبعی طور پر بت پرستی سے نفور تھے اور جاہلی عادات و اطوار کو پسند نہیں کرتے تھے وہ تاریک ترین حالات میں بھی خیر و صداقت اور صراطِ مستقیم کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ انہوں نے اس راہ میں ناقابل تصور تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کیں مگر انہوں نے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا' جاہلی رسوم و اطوار کے سامنے ہتھیار نہ ڈالے اور سچائی کی تلاش میں

مسلسل سرگرمِ عمل رہے تا آنکہ اپنے مقصد و مدعا میں کامیاب ہو گئے۔ اس لئے یہ کہنا کہ دورِ جاہلیت کا ہر فرد کافر اور جہنمی تھا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں

ولا یظن بکل من کان فی الجاہلیۃ انہ کافر علی العموم فقد تحنف فیھا جماعۃ

یہ گمان نہ کیا جائے کہ دورِ جاہلیت کا ہر آدمی کافر تھا کیونکہ اس میں کچھ لوگ راہ حق پر بھی تھے۔

(السیرۃ النبویہ' زینی دحلان' ۱:۵۸)

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اہل کتاب اور کاہنوں سے سن لیا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں اس لئے وہ ان کے انتظار میں تھے اور ہر اس برے عمل سے بیزار تھے جو قوم بڑے فخر سے انجام دے رہی تھی' یہ لوگ جاہلیت کے شب کدے میں اگرچہ ٹمٹماتے چراغ کی لو کی طرح تھے تاہم ان کا وجود تھا۔

حضرت آمنہؓ کی حیاتِ مقدسہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی اسی گروہ کا ایک فرد تھیں۔ آپ کی زندگی میں شرک' بت پرستی کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا' اس کے برعکس ایسے بہت سے امور ہیں جو ان کی فکری راست روی' توحید پسندی' خدا اور آخرت پر ایمان' درست عقیدے پر دلالت کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ تو صرف نبی اکرم ﷺ کی آمد و بعثت کے بارے میں سن کر راہ حق کے مسافر بنے تھے مگر حضرت آمنہؓ نے بچشم خود اس آمد کا مشاہدہ کیا تھا' انوار کی بارش دیکھی تھی خواب میں اور پھر بیداری میں شام کے محلات کا نظارہ کیا تھا' غیبی ہدایات پائی تھیں اور آسمانی مبارک بادیاں وصول کی تھیں۔ حضرت حلیمہ جب حضور ﷺ کو لے کر آئیں تو وہ شقِ صدر کے واقعہ کے باعث تشویش کا شکار تھیں۔ آپ نے حلیمہ اور اس کے شوہر سے فرمایا۔

اخشیتما علیہ الشیطان کلا واللّٰہ ما للشیطان علیہ سبیل و انہ لکائن

کیا تمہیں اس پر شیطانی اثرات کا اندیشہ ہے؟ ہرگز نہیں' بخدا! شیطان

لا بنی ھذا شان کو اس پر کوئی قدرت نہیں ہو سکتی‘
میرے اس بیٹے کی بڑی شان ہے۔

مدینہ میں یہود کو یہ کہتے سنا کہ یہ اس امت کے نبی ہیں تو ان کے یقین میں اور اضافہ ہوا پھر وفات کے وقت جو اشعار کہے ان میں رب کریم کی جلالت وقدرت اور حضور ﷺ کی بعثت پر یقین کا واضح اشارہ موجود ہے۔

ان اشعار کو پیچھے آپ کی وفات کے بیان میں درج کیا گیا ہے۔ اس موقع پر انہیں دوبارہ پڑھا جائے۔

ان میں واضح طور پر حضرت آمنہ نے شرک اور بت پرستی سے نفرت اور بیزاری کا اعلان فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت اور نبوت پر اپنے یقین کا اظہار فرمایا ہے۔ دینِ اسلام اور دینِ ابراہیمی کا صراحۃً ذکر کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کی توحید پرستی اور ملتِ ابرھیمی پر ایمان کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟

انہی اشعار کو امام سیوطیؒ نے بھی آپ کے عقیدہ توحید پر دلیل تسلیم کیا ہے۔

ان دلائل وشواہد کے ہوتے ہوئے ان کے توحید اور عقیدہ رسالت کا قائل ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔ جبکہ ان کا دامن شرک سے بھی پاک ہے اور ایسی کوئی شے ان سے علی التحقیق ثابت بھی نہیں۔

آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی بھی یہی شان ہے‘ دونوں مقدس وجود ساری زندگی بتوں سے مجتنب رہے‘ جاہلی حرکات سے پرہیز کیا اور ایک باوقار ستھری اور پاکیزہ زندگی گزاری جس میں شرک کا کوئی دخل نہیں تھا اور اس دور کے حوالے سے یہی سامان نجات تھا۔

آپ چونکہ اس عظیم الرتبت نبی کے والدین تھے جو فضائل وکمالات کا مصدر اور برکات وفیوضات کا مخزن ہیں اس لئے قادر وقیوم رب نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ آپ کے ماں باپ کو زندہ کیا‘ وہ آپ پر ایمان لائے اور شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوئے اس کا ذکر امام سہیلی نے کیا ہے‘ اور اس سلسلے میں دو احادیث بیان ہیں۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا اخبرت ان رسول اللہ ﷺ سال ربہ ان یحیی ابو یہ فاحیاھمالہ و امنا بہ ثم اماتھما

(الروض الانف:۱۱۳)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ آپ کے والدین کو زندہ کردے' چنانچہ اللہ تعالی نے ان کو زندہ کیا وہ آپ پر ایمان لائے' پھر انہیں دوبارہ موت دی گئی۔

دوسری حدیث بھی حضرت عائشہ ہی سے مروی ہے فرماتی ہیں' حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کے قریب سے گزرے تو رو پڑے' حزن و غم کے آثار رُخ پُرنور پر نمایاں ہو گئے' مجھے فرمایا کہ اے حمیرا! یہیں رکو' میں اونٹ کا سہارا لے کر بیٹھ گئی' آپ بہت دیر بعد تشریف لائے' چہرہ انور سے فرحت و مسرت کے آثار نمایاں تھے اور آپ مسکرا رہے تھے میں نے عرض کیا۔

یا ابی انت و امی یا رسول اللہ! نزلت من عندی و انت باک حزین مغتم لبکیت لبکائک ثم عدت الی و انت فرح متبسم فعم ذا یا رسول اللہ

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ میرے پاس سے تشریف لے گئے تو حزین و غمگین تھے' جس وجہ سے میں بھی روتی رہی' اب آپ تشریف لائے ہیں تو بہت خوش ہیں اور مہکتے ہونٹوں پر تبسم رقصاں ہے' میرے آقا! اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا:

ذھبت لقبر اٰمنۃ امی فسالت ان یحییھا فاحیاھا فامنت بی و ردھا اللہ عز و جل

میں اپنی امی جان آمنہؓ کی قبر پر گیا تھا' پس اللہ تعالی سے سوال کیا کہ انہیں زندہ کر دے' چنانچہ رب کریم نے

انہیں زندہ کیا' وہ مجھ پر ایمان لائیں
اور پھر وفات پا گئیں۔

یہ احادیث بیان کرنے کے بعد امام سہیلی ان پر تبصرہ کرتے ہیں۔

واللّٰہ قادر علی شی ولیس تعجز رحمتہ و قدرتہ عن شی و نبیہ علیہ السلام اہل ان یخصہ بما شاء من فضلہ و ینعم علیہ بما شاء من کرامتہ صلوات اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم

(الروض الانف:۱۱۳)

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' اور اس کی قدرت و رحمت کسی شے سے عاجز نہیں اور اس کے نبی اس بات کے حقدار ہیں کہ وہ جس فضل و شرف سے چاہے انہیں نوازے اور جس اعزاز و انعام سے چاہے سرفراز فرمائے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ان پر اور ان کی آل پر اللہ تعالیٰ کے درود و سلام ہوں۔

(اہم نوٹ)

حضور ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے مسئلہ پر بہت سی تحریروں میں سے درج ذیل تین تحریریں جامع معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ (الحاوی للفتاوی) امام جلال الدین سیوطیؒ
۲۔ شرح المواھب اللدنیہ امام زرقانیؒ
۳۔ تحقیقی مقالہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ

احقر کی رائے میں ان تحریروں کی موجودگی میں الگ سے اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت نہیں ان کو ہی حذفِ تکرار کے ساتھ مختصراً و ملخصاً کتاب میں شامل کرنے سے مقصود بہتر طریقہ سے پورا ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے انہی تحریروں پر اکتفاء کیا ہے۔

"مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ" کا اردو ترجمہ (از علامہ صائم چشتی) بازار میں موجود تھا۔ اول تا آخر نظر ثانی اور ضروری ترمیمات کے بعد ان کے شکریہ کے ساتھ اسے شامل باب کیا جا رہا ہے۔ جبکہ امام زرقانیؒ کی تحریر (شرح الزرقانی) کا ترجمہ مفتی عبد القیوم خان صاحب (صدر شعبہ افتاء ادارہ منہاج القرآن) نے حال ہی میں کیا ہے جسے خلاصۃً ان کے شکریہ کے ساتھ شامل باب کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح اعلیٰ حضرتؒ کی تحریر کو بھی حذفِ تکرار اور ترتیبِ نو کے ساتھ عام فہم انداز میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین اکابر کی ان قیمتی تحریروں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ (ادارہ)

باب۔۲

امام سیوطیؒ کی تحقیق

مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مسئلہ

اس حکم میں کہ نبی اکرم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما جنتی اور ناجی ہیں ہرگز ہرگز آگ میں نہیں ہیں اور اس امر میں جن علمائے اعلام نے جو صراحت اور وضاحت کی ہے ان کے اس بارے میں کئی مسالک ہیں۔

پہلا مسلک

ان کی وفات دین فطرت پر ہوئی اور ان کے لئے کوئی عذاب نہیں

چونکہ رسول اکرم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا وصال مبارک حضور سرورِ کائنات ﷺ کی بعثت مبارکہ سے قبل ہوا ہے اور بعثت سے پہلے فوت ہونے والے کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم کا ارشاد ہے۔

۱۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا — اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج دیتے۔

(بنی اسرائیل، ۱۷:۱۵)

اہلِ کلام واصول میں سے ہمارے ائمہ اشاعرہ اور فقہاء شوافع نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ کوئی شخص فوت ہو گیا اور اسے دعوتِ اسلام نہیں پہنچی تو وہ ناجی فوت ہوا اور اس کے ساتھ قتال نہیں کیا جائے گا۔ قبل اسکے کہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے۔

اور اگر (بغیر دعوتِ اسلام) اسے قتل کیا گیا تو دیت اور کفارہ کی ضمانت دی جائے گی۔

اس پر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور تمام اصحاب کی نص ہے بلکہ بعض اصحاب نے یہ زیادہ کیا ہے کہ ایسے شخص کے قتل پر قصاص واجب ہے مگر اس کا خلاف صحیح ہے کیونکہ یہ حقیقی مسلمان نہیں اور قصاص کے لئے مکافات یعنی برابر ہونا شرط ہے۔

بعض فقہاء نے ایسے شخص کے فوت ہونے کے بعد معذب نہ ہونے کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنی اصل فطرت پر فوت ہوا ہے اور اس سے تو عداوتِ اسلام وقوع پذیر ہوئی اور نہ ہی اس کے پاس کوئی رسول آیا جس کی اس نے تکذیب کی ہو۔

۲۔ یہ پہلا مسلک ہے جو ہم نے اس شخص کے متعلق اپنے شیخ، شیخ الاسلام امام شرف الدین مناوی ؒ سے سنا۔ ان سے جب کسی نے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کے والدِ گرامی آگ میں ہیں؟ تو آپ نے اس سائل پر شدید غصے اور سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔ پھر سائل نے عرض کیا کہ کیا ان کا اسلام ثابت ہے؟ تو آپ نے فرمایا ان کا وصال زمانہ فترت میں ہوا تھا اور بعثت سے قبل تعذیب و سزا نہیں۔

۳۔ ابن الجوزی کے نواسے نے "قراۃ الزمان" میں ایک جماعت سے حکایت کرتے ہوئے حضور نبی اکرم، نور مجسم ﷺ کی والدہ ماجدہ کو زندہ فرمانے والی حدیث پر اپنے دادا کے کلام کو نقل کیا اور کہا اس پر تو قرآن مجید کی نص ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا
(بنی اسرائیل، ۱۷:۱۵)

اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج دیتے۔

نیز حضور اکرم ﷺ کے والد مکرم اور والدہ مکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تو دعوت ہی نہیں دی گئی پھر ان کا گناہ کیا ہے؟ اور الابی نے شرح مسلم میں اسی پر جزم ویقین کیا ہے میں عنقریب اس عبارت کا ذکر کروں گا۔

اور بے شک احادیث میں اہلِ فترت کے لئے آیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا امتحان لیا جائے گا اور ان کو عذاب و سزا نہ ہونے کے متعلق آیات میں اشارات موجود ہیں۔

۴۔ اس نظریہ کی طرف حافظ العصر شیخ الاسلام علامہ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی ؒ نے

اپنی بعض کتب میں میلان کا اظہار کیا ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی آل کے وہ لوگ جو آپ کی بعثتِ مبارکہ سے پہلے وصال فرما گئے ہیں کے بارے گمان ہے کہ قیامت کے روز بوقت امتحان اطاعت گزار اور فرماں بردار ہوں گے اور یہ اکرام رسول اللہ ﷺ کے لئے ہوگا کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

۵۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا
(بنی اسرائیل ۱۷:۱۵)

ہم اس وقت تک کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتے جب تک کہ رسول نہ بھیجیں۔

اور یہ وہی آیت ہے جس کے استدلال پر ائمہ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ بعثت سے پہلے فوت ہونے والوں کے لئے تعذیب نہیں اور انہوں نے اس آیت سے معتزلہ اور ان لوگوں کا رد پیش کیا ہے جنہوں نے ان کی ہمنوائی میں عقل کو حکم بنایا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم اپنی اپنی تفسیر میں حضرت قتادۃ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان "**وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا**" کا مطلب یہ ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا جب تک کہ اللہ کی طرف سے اس کے پاس کوئی خبر اور نشانی نہ آجائے۔

۶۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ
(الانعام ۶: ۱۳۱)

(اور رسولوں کا ہدایت کے لئے برابر مبعوث کیا جانا) یہ اس لئے ہے کہ آپ کا رب بستیوں کو ان (مکینوں) کے ظلم پر اس حال میں ہلاک نہیں کر دیتا کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہوں۔

۷۔ علامہ زرکشی "شرح جمع الجوامع میں اس آیت مبارکہ کو اس قاعدہ پر استدلال کے طور پر لائے ہیں کہ منعم حقیقی کا شکر محض عقلی طور پر واجب نہیں بلکہ سمعی طور پر واجب ہے۔

۸۔ خداوندِ قدوس جل مجدہ الکریم قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (القصص ۲۸:۴۷)

اور ایسا نہ ہو کہ اگر ان پر ان کے سبب سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے کوئی مصیبت آپڑے تو یہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔

۹۔ اس آیت مبارکہ کو بھی علامہ زرکشی نے اپنے موقف میں بیان کیا ہے علاوہ ازیں' امام ابن ابی حاتم اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ فترت میں فوت ہونے والا بارگاہ خداوندی میں عرض کرے گا' اے میرے پروردگار نہ مجھ تک تیری کتاب ہی آئی اور نہ ہی تیرا رسول آیا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (القصص ۲۸:۴۷)

اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔

۱۰۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مقدس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ

اور اگر ہم ان کو اس (ہدایت) سے قبل ہی کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو

نَخْزٰی○ (طٰہٰ، ۲۰:۱۳۴)

نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا پس ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوں۔

۱۱۔ امام ابن ابی حاتم زیر آیت روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی کہ جو لوگ عہد فترت میں فوت ہوئے ہوں گے وہ قیامت کے دن بارگہ خداوندی میں عرض کریں گے کہ اے پروردگار تو نے نہ ہمارے پاس کوئی کتاب بھیجی اور نہ کوئی رسول بھیجا اور پھر یہ آیت پڑھی۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا ......الخ

۱۲۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (القصص، ۲۸:۵۹)

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں فرماتا جب تک کہ ان بستیوں کے صدر مقام پر اپنا رسول نہ بھیجے جو لوگوں کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے۔

۱۳۔ امام ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ مجدہ الکریم نے ملت کو ہلاک نہیں فرمایا جب تک کہ حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف مبعوث نہیں فرمایا، پھر جن لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور ظلم کئے وہ ہلاک ہو گئے۔

۱۴۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى

یہ ایک بڑی خیروبرکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا تو اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ○
(الانعام'۶:۱۵۷'۱۵۶)

مگر کبھی تم یہ کہنے لگتے ہو کہ کتاب تو ان پر نازل ہوئی تھی جو ہم سے پہلے دو گروہ تھے اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے۔

۱۵۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ○ ذِكْرٰى وَ مَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ○
(الشعراء'۲۶:۲۰۹'۲۰۸)

اور ہم نے کسی بستی کو غارت نہیں کیا مگر اس کے لئے ڈرانے والے تھے نصیحت کرنے کے لئے اور ہمارا کام ظلم کرنا نہیں۔

عبد بن حمید' ابن المنذر' ابن ابی حاتمؒ اپنی تفسیروں میں اس آیت کے ماتحت حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بستی کو ہلاک نہیں فرماتے مگر پہلے اس پر حجت قائم فرماتے ہیں اور نشانیاں ظاہر کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی طرف رسول اور کتاب بھیجی جاتی ہے جن میں ان کے لئے پند ونصائح کا ذکر ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے حجت ہوتی ہے "وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ" (ہم ظالم نہیں ہیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو عذاب دینے سے پہلے دلائل (نشانیاں) اور حجت قائم فرمالیتے ہیں

۱۶۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔
وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ○
(فاطر'۳۵:۳۷)

اور وہ (کفار) اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (اس عذاب دوزخ سے) نکال (اب) ہم نیک کام کیا کریں گے وہ کام نہیں جو (ہم خود اچھا سمجھ کر) کرتے رہے (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں جس کو سوچنا

ہوتا سوچ لیتا اور تمہارے پاس
ڈرانے والے بھی آئے۔

مفسرین کرام اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے لئے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت و نبوت کو حجت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آپ ﷺ ہی کو اس آیت کریمہ میں "نذیر" کہا گیا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں پر کوئی چیز واجب نہیں کیونکہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر تشریف لا کر اظہارِ رسالت فرمائے اور معجزات پر قائم ہو جائے تو عقلمند کو بحث و نظر کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بغیر احکامِ خداوندی کو سننے کے واجبات و ضروریاتِ دین کا علم نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر تشریف لے آئے تو اس کی طرف غور کرنا ضروری اور لازمی ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ چنانچہ امام فخرالدین رازیؒ کی اتباع کرتے ہوئے کتاب "الحاصل والمحصول" کے مصنف اور امام بیضاویؒ نے اپنی کتاب "المنہاج" میں انہی امور کا تذکرہ فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت امام قاضی تاج الدین سبکیؒ نے کتاب "شرح المختصر لابن الحاجب" میں شکرِ منعم کے مسائل بیان کرتے ہوئے یہ مسئلہ تخریج فرمایا ہے کہ جب تک کسی شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم کی طرف سے دعوت الی الحق نہ پہنچ جائے یعنی رسول نہ آئے وہ شخص ناجی ہے لہٰذا اس سے اس وقت تک قتال نہ کیا جائے جب تک کہ اسے اسلام کی دعوت نہ دے لی جائے۔

۱۸۔ صاحب معالم التنزیل حضرت امام بغویؒ اپنی تصنیف "التہذیب" میں نقل فرماتے ہیں کہ جب تک کسی شخص کو اسلام کی دعوت نہ دے لی جائے اس وقت تک اسے قتل کرنا جائز نہیں' اور اگر کوئی شخص اسلام کی دعوت دینے سے قبل ہی اس کو قتل کر دیتا ہے تو اس کے وارثوں کو دیت یا کفارہ دینا پڑے گا اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسے شخص کے قتل پر دیت اور کفارہ کے معاملہ میں کسی مسلمان کا ضمانت دینا

ضروری نہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے قتل سے تاوان واجب نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں ان کی اصل یہ ہے کہ اس پر عقلاً حجت قائم ہو چکی ہے اور ہمارے نزدیک دعوت پہنچنے سے قبل اس پر حجت قائم نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

۱۹۔ حضرت امام رافعیؒ "الشرح" میں فرماتے ہیں کہ جس شخص کو دعوت نہ پہنچی ہو اسے اطلاع اور دعوت الی الاسلام دیئے بغیر قتل کرنا جائز نہیں اور اگر وہ قتل ہو جائے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے برخلاف اسکے قتل پر ضمان ہو گا اور بنائے اختلاف یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس پر عقلاً حجت ہو چکی ہے اور ہمارے نزدیک اسے دعوت نہیں پہنچی اس لئے اس پر حجت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی ارشاد خداوندی وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا کے مطابق اس سے مواخذہ ہو گا۔

۲۰۔ حضرت امام غزالی اپنی کتاب "البسیط" میں فرماتے ہیں کہ جس شخص کو دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اس کی دیت اور کفارہ دینا پڑے گا' صحیح مسلک کے مطابق اس کا قصاص نہیں ہو گا کیونکہ وہ بالتحقیق مسلمان نہیں صرف معناً مسلمان ہے۔

۲۱۔ علاوہ ازیں علامہ ابن رفعت نے اپنی تصنیف "کفایہ" میں مزید تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ وہ فطرت پر پیدا ہوا اور اس سے "اسلام کے خلاف" عناد اور دشمنی ظاہر نہیں۔

۲۲۔ امام نووی نے شرح مسلم میں کفار و مشرکین کے بچوں کے مسئلہ میں لکھا ہے کہ تمام محققین کے نزدیک صحیح اور مختار مذہب یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

امام نووی کہتے ہیں کہ جب اس شخص کو عذاب نہیں ہو گا جسے دعوت نہیں پہنچی تو (وہ بچے) تو بدرجہ اُولیٰ مستحق عذاب نہ ہوں گے۔ اگر آپ سوال کریں کہ جو مسلک وہ خود بیان کرتے ہیں کیا یہ تمام تر اہل جاہلیت کے لئے عام ہے۔ تو میں کہتا ہوں نہیں بلکہ یہ اس شخص کے لئے مخصوص ہے جسے بذریعہ رسول دعوت الی الحق نہ پہنچی ہو۔

مگر جب ان کو انبیائے سابقین میں سے کسی نہ کسی کی دعوت پہنچ جائے اور پھر بھی وہ اپنے کفر پر قائم رہیں تو وہ قطعی طور پر آگ میں جائیں گے اور اس مسئلہ میں کسی بھی قسم کا ہرگز نزاع نہیں۔ لیکن حضور کے والدین شریفین کا حال ظاہر ہے کہ آپ اس گروہ میں شامل ہیں جنہیں آخر زمانہ تک کسی بھی رسول اور پیغمبر کی طرف سے دعوت نہیں پہنچی۔

ان کے اور انبیائے سابقین کے درمیان بُعدِ زمانی پایا جاتا ہے ہمارے نبی مکرم ﷺ سے قبل آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے ان کے اور حضور ﷺ کی بعثت کے درمیان چھ سو سال کا دور فترت پایا جاتا ہے اور پھر ان دونوں کے زمانہ میں تو مشرق و مغرب میں زمین کے ہر طبقہ پر جہالت کا دور دورہ تھا اور کسی جگہ بھی احکام شریعت کی دعوت پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور شریعتوں کو جاننے والے لوگ مفقود ہو چکے تھے اور دعوت الی الحق کا کام اہل کتاب کے علماء میں سے ایک چھوٹی سی جماعت مختلف جگہوں پر جیسے شام وغیرہ میں، متفرق طور انجام دے رہی تھی اور نہ ہی انہوں نے کوئی لمبی عمر پائی کہ وہ اس میں تحقیق و جستجو کر سکتے بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی قلیل عمر پائی۔

۲۳۔ امام حافظ صلاح الدین علائی اپنی کتاب "الدر السنیہ فی مولد سید البریہ" میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ کا نور اپنے والد مکرم سے آپ کی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی طرف منتقل ہوا تو اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ اور آپ کی والدہ مکرمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک بھی آپ کے والد گرامی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک کے برابر ہی تھی روایت ہے کہ جب سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جبین اقدس سے تاجدار انبیاء ﷺ کا نور اقدس جناب سیدہ آمنہ کے شکم اطہر میں منتقل ہو چکا تھا اور اس وقت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی ۔ انہی ایام میں آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ (**زادھما اللہ تعظیما و تکریما**) اہل خانہ کے لئے کھجوریں، لینے کے لئے تشریف لے گئے تو وہیں پر بنو نجار کے قبیلہ میں آپ کی خالاؤں کے ہاں

آپ کا وصال مبارک ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کا نور پاک اس وقت بھی اپنی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ کے شکم مقدس میں تشریف فرما تھا اور اکثر طور پر عورتوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ مردوں کے دین اور شریعت کے بارے میں نہیں جانتیں' خصوصاً اس زمانہ میں' جس میں عورتیں تو درکنار مرد بھی کچھ نہ جانتے ہوں' یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ ہوئی اور آپ ﷺ نے اعلانِ رسالت فرمایا تو اہلِ مکہ نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل' ۹۴) نیز کہتے تھے کہ (اگر اللہ کو رسول بھیجنا منظور ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا' کیونکہ ہم نے اپنے پہلے آباؤ اجداد سے یہی بات سنی ہے) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ (المومنون' ۲۴)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر ان لوگوں کو بعثت رسول کا علم ہوتا تو وہ ہرگز اس کا انکار نہ کرتے اور بعض اوقات وہ خیال کرتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی وہی دین لے کر مبعوث ہوئے تھے جس پر وہ قائم ہیں اس لئے کہ نہیں کوئی ایسا شخص ہی نہیں ملا جو انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحیح شریعت کی طرف رہنمائی کرتا کیونکہ وہ مٹ چکی تھی اور اس کو جاننے والے بھی مفقود ہو چکے تھے اور ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے بھی زائد وقفہ ہے پس اس امر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ دونوں صحیح معنوں میں اسی مسلک میں داخل تھے۔

۲۴۔ علاوہ ازیں شیخ عزالدین بن عبدالسلام' اپنی کتاب "امالی" میں فرماتے ہیں جس کی عبارت یہ ہے کہ' تو اس بناء پر ہر نبی کی قوم کے علاوہ جو لوگ بھی ہوئے سوائے سابق نبی کی ذریت کے اہل فترت میں سے تھے' اگرچہ بلاشبہ وہ سابق نبی کے مخاطبین کے زمرہ میں ہیں مگر پہلی شریعت مٹ جائے تو وہ سب کے سب اہل فترت میں سے ہو جاتے ہیں یہ شیخ عزالدین کا کلام ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے والدین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اہل فترت میں سے تھے' اس لئے کہ وہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذریت سے تھے اور نہ ہی ان کی قوم کی اولاد سے تھے۔

۲۵۔ آپ حافظ العصر ابو الفضل علامہ ابن حجر عسقلانی کے قول کو مزین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے متعلق گمان ہے کہ وہ ان دو امور کے تحت آئیں گے۔ پہلا امر یہ ہے جسے امام ابو عبداللہ حاکم نے المستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بروایت صحیح بیان کیا ہے کہ ایک ایسے انصاری نے حضور سرور انبیاء ﷺ سے پوچھا جو راوی کے گمان کے مطابق سب سے زیادہ سوال پوچھا کرتا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے خیال میں آپ کے والدین آگ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا' میں نے اپنے رب سے اس کے متعلق دریافت نہیں کیا' میں قیامت کے دن مقامِ محمود پر کھڑا ہوں گا۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ مقامِ محمود پر قیام کرنے کے وقت اپنے والدین کریمین کے متعلق بھلائی کی امید رکھتے ہیں اور وہ بھلائی یہ ہے کہ آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے اور انہیں اہل فترت کے امتحان کے وقت توفیق اطاعت نصیب ہوگی۔ اور اس میں قطعاً شک وریب نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مقامِ محمود پر جلوہ افروز ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہوگا محبوب سوال کرو تاکہ عطا کیا جائے اور شفاعت فرمایئے تاکہ قبول کی جائے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں جب سوال کروں گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے عطا فرمائے گا اور دوسری بات یہ ہے جو امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان **وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى** کے تحت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ کی رضا یہ ہوگی کہ آپ کے اہل بیت اطہار سے کوئی ایک شخص بھی آگ میں نہ جائے۔

۲۶۔ علاوہ ازیں تیسری حدیث علامہ ابو سعید نے اپنی کتاب "شرف النبوت" میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

سالت ربی ان لا یدخل النار احدا میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا

من اھل بیتی فاعطانی ذالک

کہ میرے اہل بیت میں سے کسی ایک کو بھی جہنم میں نہ ڈالے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری اس التجا کو قبول فرمالیا اور جو میں نے مانگا تھا وہ مجھے عطا فرمایا۔

نیز یہ روایت محب ابن جریر طبریؒ نے اپنی کتاب "ذخائر العقبی" میں بھی نقل فرمائی ہے اور چوتھی حدیث ان دونوں سے زیادہ واضح ہے۔

۲۷۔ حضرت امام رازیؒ ضعیف سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی کتاب "فوائد" میں روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اذا کان یوم القیامہ شفعت لابی و امی و عمی ابی طالب و اخ لی کان فی الجاھلیۃ

جب قیامت کا دن ہو گا تو میں اپنے والد گرامی اور اپنی والدہ محترمہ اور اپنے عم محترم ابوطالب اور دور جاہلیت کے اپنے رضاعی بھائی کی شفاعت کروں گا

اور علامہ محب طبری جو کہ حفاظ حدیث اور فقہائے کرام میں سے ہیں اپنی تصنیف لطیف "ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ" میں نقل فرماتے ہیں کہ

اگر یہ حدیث ثابت ہو جائے تو بخاری کی اس حدیث کی تاویل کرنی پڑے گی جو حضرت ابوطالب کی تخفیف کے بارے میں بیان ہوئی ہے اور یہ حدیث صرف حضرت ابوطالب کے لئے محتاج تاویل ہے' ورنہ حضور رسالت مآب ﷺ کے والدین کریمین اور رضاعی بھائی کے لئے اس کی تاویل کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کا زمانہ پایا اور اسلام قبول نہ کیا' جب کہ پہلے تینوں کا وصال فترت کے زمانہ میں ہوا۔

یہ متعدد احادیث ہیں جو ایک دوسری کی تقویت کا باعث ہیں' کیونکہ ضعیف حدیث کثرتِ طرق سے قوی ہو جاتی ہے اور ان سے ملتی جلتی حدیث حضرت عبداللہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جسے حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے۔

۲۸۔ جو ہم کہتے ہیں اس حدیث سے بھی صاف طور پر مترشح ہوتا ہے جسے امام ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے کہ حدیث بیان کی مجھ سے قاسم بن ہاشم سمار نے اور حدیث بیان کی ان سے مقاتل بن سلیمان رملی نے ابی معشر سے کہ سعید مقبری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

سالت ربی ابناء العشرین من امتی فوھبھم لی

میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی امت میں سے بیس سال کے لوگوں کے لئے دعا کی اس نے وہ مجھے عطا فرما دیئے۔

۲۹۔ اگرچہ یہاں مقصود غیر واضح ہے مگر ابن عمر سے دیلمی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اول من اشفع لہ یوم القیامۃ اھل بیتی ثم الاقرب فالاقرب

قیامت کے دن سب سے پہلے میں اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا پھر ان کے بعد قریبی رشتہ داروں کی اور پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں گے۔

۳۰۔ محب طبری نے "ذخائر العقبیٰ" میں اور امام احمد نے "مناقب" میں حضرت علی سے روایت کیا آپ نے فرمایا ہے۔

یا معشر بنی ھاشم والذی بعثنی بالحق نبیا لو اخذت بحلقۃ الجنۃ ما بدات الا بکم

یا بنی ہاشم قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر مبعوث فرمایا اگر مجھے جنت میں لے جانے کے لئے حلقہ وار شفاعت کا اذن ہوا تو میں تم سے اس کی ابتدا کروں گا۔

۳۱۔ اس حدیث کو خطیب نے اپنی تصنیف تاریخ بغداد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیان

کردہ یغنم کی حدیث سے روایت کیا ہے' نیز انہوں نے اس حدیث کو ابو البختری کی طرف منسوب کیا جسے اس نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ما بال اقوام یزعمون ان رحمی لا ینتفع بلی حتی تبلغ حکم وھم احد قبیلتین من الیمن انی لاشفع فاشفع حتی ان من اشفع لہ یشفع فیشفع حتی ان ابلیس لیتطاول طمعا فی الشفاعۃ

کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو کہتے ہیں کہ میرے رشتہ داروں کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا یہاں تک کہ یہ فائدہ یمن کے ایک قبیلہ حکم تک پہنچے گا' مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور میں شفاعت کروں گا' حتیٰ کہ جس کے لئے شفاعت کی سفارش کروں گا' وہ بھی شفاعت کرے گا حتیٰ کہ اس سلسلہ شفاعت کو دیکھ کر ابلیس بھی شفاعت کی لمبی آرزوئیں کرنے لگے گا۔

۳۲۔ ایسے ہی امام طبرانیؒ نے حضرت ام ہانیؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کا خیال ہے کہ میری شفاعت میرے اہل بیت کو حاصل نہ ہو گی جب کہ میری شفاعت کی صورت حال یہ ہے کہ وہ "حا" اور "حکم" قبیلوں تک پہنچے گی۔

۳۳۔ علامہ زرکشیؒ نے "الخادم" میں ابن دحیہ سے نقل کیا ہے شفاعت کی قسموں میں سے ایک یہ ہے کہ ابولہب کے عذاب میں ہر پیر کے دن تخفیف ہو جاتی ہے کیونکہ جب اس کی کنیز ثویبہؓ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ کی بشارت سنائی تو اس نے خوش ہو کر اس کنیز کو آزاد کر دیا تھا اور یہ رعایت اسے رسول اللہ ﷺ کے اکرام کی وجہ سے ہے۔

۳۴۔ اسی طرح امام سہیلیؒ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے

کہ زندوں کو فوت شدگان کی وجہ سے اذیت نہ دو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الاحزاب' ۳۳:۵۷)
بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔

شاید یہ روایت صحیح ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ پاک سے سوال کیا تو اس نے میرے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ مجھ پر ایمان لائے۔

۳۵۔ اہل فترت تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم: ان لوگوں کی ہے جو نگاہِ بصیرت سے ادراکِ توحید کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان تبدیل شدہ شریعتوں میں سے کسی ایک میں بھی داخل نہیں ہوتے جیسا کہ جناب قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو ہیں اور ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو شریعت حقہ جس کے نشانات قائم ہوتے ہیں' میں داخل ہو جاتے ہیں جیسے جناب تبع اور ان کی قوم۔

دوسری قسم: ان لوگوں کی ہے جو موجودہ شریعت میں تغیر و تبدل کرتے ہیں اور توحید پر قائم رہنے کی بجائے شرک کرتے ہیں اور از خود ایک شریعت بنا کر اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام مقرر کرتے ہیں۔

اس قسم کے اکثر لوگ ہیں جیسا کہ عمر بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے اہلِ عرب کے لئے بتوں کی پرستش کی بنیاد ڈالی اور اپنی طرف سے خود ہی شریعت بنا کر اس خود ساختہ شریعت کے احکام میں "بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام" وغیرہ جانور مقرر کئے اور ان کو ذبح کرنے سے منع کر دیا۔ اور عرب کے ایک گروہ نے اس کی بنائی ہوئی شریعت پر اضافہ کر کے جنات اور ملائکہ کی پرستش کی' بیٹوں اور بیٹیوں کو جلایا اور اپنے معبودوں کے لئے گھر بنا کر پردے کھینچ دیئے اور انکے لئے دربان مقرر کئے۔ اس طرح وہ کعبہ کی مشابہت اختیار کرتے جیسے کہ انہوں نے لات' منات اور عزیٰ کے معاملہ میں کیا۔

تیسری قسم: ان لوگوں پر مشتمل ہے جو نہ مشرک ہوئے نہ موحد اور نہ ہی کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے اور نہ اپنے لئے نئی شریعت بنائی اور نہ نیا دین بنایا بلکہ ان کی ساری عمر غفلت میں ہی گزر گئی اور زمانہ جاہلیت میں اس قسم کے لوگ بھی پائے جاتے

تھے پس جب اہلِ فترت تین اقسام میں منقسم ہو گئے تو صحیح معنوں میں عذاب دوسری قسم کے لوگوں پر ان کے کفر کی وجہ سے آئے گا اور انہیں معذور قرار نہیں دیا جائے گا۔

اس کے برعکس جو لوگ تیسری قسم کے ہیں فی الحقیقت وہی اہل فترت ہیں وہ ہرگز عذاب میں مبتلا نہیں ہوں گے جیسا کہ اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے۔

اب رہے اہلِ فترت میں سے پہلی قسم کے لوگ تو ان کے لئے سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ایک امت کے طور پر اٹھایا جائے گا اور جنابِ تبعؑ اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں وہی حکم ہو گا جو ان لوگوں کے بارے میں تھا جنھوں نے اس دین کو قبول کر لیا تھا جب تک کہ ان میں سے کوئی شخص اسلام کا زمانہ نہ پا لے جو تمام ادیان کا ناسخ ہے۔

دوسرا مسلک

انبیاء کرام کے والدین کافر نہیں ہوتے

رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے متعلق دوسرا مسلک یہ ہے کہ ان دونوں "مقدس ہستیوں" سے صدورِ شرک ثابت نہیں بلکہ وہ اسی دین حنیف پر تھے جو ان دونوں کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین تھا' جیسا کہ اس دینِ حنیف پر اہلِ عرب کا ایک گروہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرھما کی مثل قائم تھا اور یہ وہ مسلک ہے جس پر ایک گروہ گامزن ہے اور ان میں سے ایک امام فخرالدین رازیؒ ہیں جنھوں نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں فرمایا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

ان ازر لم یکن والد ابراھیم بل کان عمہ	آزر ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔

اور اس پر متعدد وجوہ سے حجت پکڑی ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے والدین کرام کافر نہیں ہوتے اور اس پر بھی کئی وجوہ سے استدلال کیا ہے' ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ

تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلَّذِیْ یَرٰاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ
(الشعراء ۲۶:۲۱۸٬۲۱۹)

آپ کے قائم ہونے کے وقت ہم آپ کا ساجدین کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں۔

امام فخرالدین رازیؒ کہتے ہیں:

معناہ انہ کان ینقل نورہ من ساجد الی ساجد و بھذا التقدیر فالأیہ دالۃ علی انّ جمیع اباء محمد ﷺ کانوا مسلمین

اس کا معنیٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نور مبارک ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ بریں تقدیر یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے۔

اور یہ امر اس بات کو قطعی طور پر واجب کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافروں میں سے نہ تھے بلکہ وہ یعنی آزر آپ کا چچا تھا۔

اس کے بعد امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں کہ ان دلائل میں سے جو حضور ﷺ کے آباؤ اجداد کے مشرک نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ۔

ولم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات

میں ہمیشہ طیب و طاہر اصلاب سے طیب و طاہر اور پاکیزہ ارحام میں منتقل ہوتا رہا ہوں۔

یہ حدیثِ پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کے آباؤ اجدادِ کرام میں سے کوئی ایک شخص بھی شرک میں ملوث نہیں ہوا' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ — بے شک مشرک تو محض ناپاک ہیں۔
(التوبہ' ۹:۲۸)

تو اس آیت کریمہ کے مطابق ضروری ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد کرام میں سے کوئی بھی مشرک نہ ہو۔

امام سیوطیؒ کی طرف سے امام رازیؒ کے مسلک کی تائید

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ

امام رازیؒ نے جو مسلک اختیار کیا ہے میں اس کی تائید کئی امور کی بناء پر کرتا ہوں ان میں سے ایک مستنبط دلیل ہے جو دو مقدموں سے مرکب ہے۔

۱۔ اول یہ کہ بے شک احادیثِ صحیحہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر اصل اصول سیدنا حضرت آدم علیہ اسلام سے لے کر آپ کے والدِ محترم سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ تک اپنے اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے بہتر اور افضل ہیں۔

۲۔ دوسرا یہ کہ وہ احادیث و آثار اس امر پر دلالت کرتے ہیں جن میں واضح طور پر آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام یا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت مبارکہ تک اور پھر آپ کے عہدِ مقدس سے لے کر قیامِ قیامت تک زمین ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہے گی جو دینِ فطرت پر قائم رہتے ہوئے توحید پرست اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہوں گے اور انہی کے دم سے زمین کی حفاظت کی جاتی ہے۔ ان پر رحمتوں' برکتوں کا نزول ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ موجود نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ اس میں ہے ہلاکت اور بربادی کا شکار ہو جائے۔

جب آپ ان دونوں مقدموں کو ملائیں گے تو ان سے یہ قطعی نتیجہ برآمد ہو گا اور یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا' اس لئے کہ یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے آباؤ اجداد اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بہتر اور افضل تھے' جب کہ ہر زمانہ کے لوگوں میں ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کا فطرت پر ہونا بھی

ثابت ہے۔

پس اگر ہر زمانہ میں کچھ لوگ فطرت پر تھے تو یہی تھے اور یہی ہمارا مدعا ہے اور اگر ان کے غیروں کو فطرت پر قرار دیا جائے اور یہ مشرک تھے تو یہاں دو باتوں میں سے ایک کا ہونا یقیناً لازم آئے گا۔

اول: یہ کہ مشرک شخص مسلمان سے بہتر اور افضل ہو یہ بالاجماع باطل ہے۔

دوم: یہ کہ یہ کہا جائے کہ دوسرے لوگ حضور ﷺ کے آباؤ اجداد سے بہتر تھے تو یہ احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل اور مردود ہے' تو لازم ہوا کہ آباؤ النبی ﷺ میں سے کوئی ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے اپنے زمانہ میں تمام اہلِ زمین سے بہتر تھے۔

۱۔ امام بخاریؒ ———— حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیہ	میں بنی نوع انسان میں قرناً بعد قرنٍ بہترین زمانوں میں مبعوث ہوتا رہا حتی کہ اس زمانہ میں میری بعثت ہوئی۔

(بخاری' کتاب المناقب)

۲۔ امام بیہقیؒ "دلائل النبوۃ" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللّٰہ فی خیرھما فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شئ من عھد الجاھلیۃ و خرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی و امی فانا خیر کم	جب بھی لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے ہیں اللہ تعالٰی نے ان دونوں میں سے اچھے گروہ میں مجھے رکھا ہے پس میں اپنے والدین سے پیدا ہوا تو مجھے عہدِ جاہلیت کی کوئی برائی نہیں پہنچی۔ اور میں نکاح سے پیدا ہوں

نفسا و خیر کم آباء

(دلائل النبوۃ ' ۱:۴۷)

سفاح سے نہیں ' چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدِ مکرم اور والدہ مکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک اس نکاح کا اہتمام قائم رہا ' پس میں ذاتی طور پر بھی اور اپنے آباء و اجداد کی وجہ سے بھی تم سب لوگوں سے بہتر ہوں۔

۳۔ حافظ ابو نعیم "دلائل النبوۃ" میں کئی طرق سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ولم یزل اللّٰہ ینقلنی من الاصلاب الطیبہ الی الارحام الطاھرۃ مصفیٰ مھذّباً لا تنشعب شعبتان الّا کنت فی خیر ھما

اللہ تبارک و تعالیٰ جل مجدہ الکریم ہمیشہ مجھے اصلابِ طیبہ سے ارحامِ طاہرہ کی طرف مصفّا ' مہذّب اور پاکیزہ صورت میں منتقل فرماتا رہا۔ نیز ہر زمانے میں دو گروہ ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ہمیشہ بہتر گروہ مقرر فرما رکھا تھا۔

۴۔ امام مسلم" اور امام ترمذی" "مسلم "اور "ترمذی " میں صحت کے ساتھ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل واصطفی من ولد اسماعیل بنی کنانہ واصطفی من بنی کنانہ قریشا واصطفی من

اللہ تبارک و تعالیٰ نے "حضرت ابراہیم" کی اولادِ پاک سے "حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام" کا انتخاب فرمایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے

قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم
(ترمذی، ابواب المناقب)

"بنی کنانہ" کو منتخب فرمایا اور "بنی کنانہ" سے "قریش" کو چنا اور قریش سے "بنو ہاشم" کو پسند فرمایا اور مجھے بنو ہاشم سے منتخب فرمایا۔

۵۔ حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف السہمی نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے فضائل میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی فرمودہ اس حدیث کو ان لفظوں سے نقل فرمایا ہے

ان اللّٰہ اصطفی من ولد ادم ابراھیم واتخذہ خلیلا واصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل ثم اصطفی من ولد اسماعیل نزار ثم اصطفی من ولد نزار مضر ثم اصطفی من مضر کنانہ ثم اصطفی من کنانہ قریشا ثم اصطفی من قریش بنی ھاشم ثم اصطفی من بنی ھاشم بنی عبد المطلب ثم اصطفانی من بنی عبد المطلب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو چنا اور انہیں خلعتِ خلت سے سرفراز فرمایا اور پھر اولاد ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پسند کیا پھر ان کی اولاد سے نزار کو منتخب فرمایا اور نزار کی اولاد سے مضر کو منتخب کیا پھر اولاد مضر سے کنانہ کا انتخاب عمل میں لایا گیا اور پھر کنانہ کی اولاد سے قریش کو منتخب فرمایا اور پھر قریش سے بنو ہاشم کو پسند کیا اور پھر بنو ہاشم سے بنو عبد المطلب کو منتخب فرمایا اور پھر بنو عبد المطلب سے ہمیں منتخب فرمایا۔

۶۔ علامہ محب طبریؒ "ذخائر العقبیٰ" میں اور امام ابن سعدؒ "طبقات ابن سعد" میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خیر العرب مضر و خیر مضر بنو عبد مناف و خیر بنی مناف بنو ھاشم و خیر بنی ھاشم بنو عبدالمطلب واللہ ما افترق فرقتان منذ خلق اللہ الا کنت فی خیر ھما

تمام عرب میں سے بہتر مضر ہیں اور اولاد مضر میں سب سے بہتر بنو عبدِ مناف ہیں اور بنو عبدِ مناف میں سب سے بہتر بنو ہاشم ہیں اور بنو ہاشم میں سب سے بہتر بنو عبد المطلب ہیں۔ اللہ رب العزت کی قسم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے لے کر جب بھی بنی آدم دو گروہوں میں تقسیم ہوئے ہیں میں ان میں سے بہتر گروہ میں ہوتا تھا۔

۷۔ امام طبرانی' امام بیہقی' اور حافظ ابو نعیم' حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ خلق الخلق فاختار من الخلق بنی ادم و اختار من بنی ادم العرب و اختار من العرب مضر و اختار من مضر قریشا و اختار من قریش بنی ھاشم واختارنی من بنی ھاشم فانا من خیار الی خیار

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو تمام مخلوق میں سے بنی آدم کو پسند فرما لیا اور تمام بنی آدم سے عربوں کو پسند فرمایا اور پھر عربوں میں سے مضر کو اختیار فرمایا اور مضر سے قریش کو پسند فرمایا اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چنا۔ چنانچہ ہم بہتر سے بہتر کی طرف منتقل ہوتے رہے۔

۸۔ امام ترمذی' ترمذی میں حسن حدیث کی صورت میں اور امام بیہقی "دلائل النبوۃ" میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ حین خلقنی جعلنی من خیر خلقہ ثم حین خلق القبائل جعلنی من خیرھم القبیلۃ و حین خلق الانفس جعلنی من خیر انفسھم ثم حین خلق البیوت جعلنی من خیر بیوتھم فانا خیرھم بیتا و خیرھم نفسا

(ترمذی' ابواب المناقب)

خدا نے مخلوق بنائی تو مجھے سب سے بہتر مخلوق میں سے بنایا' پھر جب اس نے قبائل بنائے تو مجھے ان میں سے قبیلہ کے لحاظ سے بہتر بنایا' پھر جب اس نے نفوس کو بنایا تو مجھے ان میں سے نفس کے لحاظ سے بہتر بنایا' پھر جب اس نے گھرانے بنائے تو مجھے ان میں سے بہتر گھرانے والا بنایا چنانچہ میں ان سب سے گھرانے اور اپنی ذات کے لحاظ سے بہتر ہوں۔

۹۔ امام طبرانیؒ' امام بیہقیؒ اور حافظ ابو نعیمؒ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ قسم الخلق قسمین فجعلنی فی خیرھما ثم جعل القسمین ثلاثا فجعلنی فی خیرھا ثم جعل ثلاث قبائل فجعلنی فی خیرھا ثم جعل القبائل بیوتا فجلعنی فی خیرھا بیتا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلقت کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا اور ہمارے لئے بہترین قسم کو پسند فرمایا پھر اس قسم کی تین قسمیں بنائیں تو ان میں سے بھی بہتر قسم ہمارے لئے مخصوص کی اور پھر اس سے تین قبیلے مقرر فرمائے تو میرے لئے بہترین قبیلہ منتخب کیا اور پھر ان قبائل کو گھروں میں تقسیم کیا تو میرے لئے تمام قبائل میں سے بہترین گھر پسند کیا۔

۱۰۔ ابو علی بن شاذان کی نقل کردہ یہ روایت مسند بزاز میں ہے اور علامہ محب طبریؒ نے اسے "ذخائر العقبیٰ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنما

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ قریش کے کچھ لوگ "میری پھوپھی جان" سیدہ صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی جاہلیت کے زمانہ کا تفاخر بیان کرنے لگے۔

ان کے جواب میں سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ "ہم میں سے رسول اللہ ﷺ ہیں" آپ کا یہ ارشاد سنا تو اہل قریش نے کہا کہ تم تو درخت اگاتی ہو اور کھجور کا درخت تو کوڑا کرکٹ میں بھی اگ آتا ہے جناب سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قریش کے اس طعن کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا تو آپ غضب ناک ہو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں منادی کر دو' چنانچہ لوگ جمع ہو گئے' تو آپ نے منبر شریف پر کھڑے ہو کر فرمایا:

اے لوگو! میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا نسب بیان کرو لوگوں نے عرض کیا' محمد بن عبد المطلب (صلی اللہ علیہ و علی ابیہ و جدہ و بارک وسلم) آپ نے فرمایا:

فما بال اقوام ینزلون اصلی فو اللّٰہ انی لافضلھم اصلا و خیرھم موضعا	ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو میرے اصل کو فروتر بیان کرتے ہیں' خدا کی قسم! میں اصل کے لحاظ سے بھی ان سے افضل ہوں اور مقام کے لحاظ سے بھی ان سے بہتر ہوں۔

۱۱۔ امام حاکمؒ حضرت ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ آپ پر عیب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی مثال تو اس کھجور کی سی ہے جو کوڑا کرکٹ میں اگ آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ جملہ سنا تو غضب ناک ہو کر فرمایا:

ان اللّٰہ خلق خلقہ فجعلھم فرقتین فجعلنی فی خیر الفرقتین ثم	جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کو تخلیق فرمایا تو اس کے دو گروہ بنائے

جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرهم قبیلا ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیرهم بیتا ثم قال انا خیرکم قبیلا و خیرکم بیتا

اور میرے لئے ان دونوں میں سے بہترین گروہ مقرر فرمایا' پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبائل بنائے تو میرے لئے بہترین قبیلہ مقرر فرمایا پھران کو گھروں میں تقسیم فرمایا تو مجھے ان تمام سے گھر کے اعتبار سے بہتر گھر میں پیدا فرمایا اور پھر حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سے قبیلے کے لحاظ سے بھی بہترین اور گھر کے لحاظ سے بھی بہترین ہوں۔

۱۲۔ امام طبرانیؒ نے"اوسط"میں اور امام بیہقیؒ نے "دلائل النبوۃ" میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قال لی جبریل قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد و لم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم.

جبرائیل نے ہماری خدمت میں ہمارے ہی متعلق عرض کیا کہ میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو چھان مارا مگر کسی ایک شخص کو بھی محمد ﷺ سے افضل نہیں پایا اور نہ ہی کسی باپ کے بیٹوں کو بنو ہاشم سے افضل دیکھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی کتاب"امالی"میں فرماتے ہیں کہ یہ بات سب کو معلوم ہی ہے کہ برتری پسندیدگی اور برگزیدگی منجانب اللہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک کے ساتھ افضلیت حاصل نہیں ہو سکتی۔

۱۳۔ علامہ عبدالرزاقؒ اپنی کتاب "مصنف عبدالرزاق" میں ابن جریجؒ سے روایت

فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

ثم یزل علی وجہ الدھر فی الارض سبعۃ مسلمون فصاعدا فلولا ذالک ھلکت الارض و من علیھا	ہر زمانے میں زمین پر سات یا اس سے زیادہ مسلمان ضرور ہوتے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور جو کچھ زمین کے اوپر ہے سب تباہ و برباد ہو جائے۔

۱۴۔ علامہ ابن منذرؒ نے اپنی تفسیر میں علامہ دبریؒ اور امام عبدالرزاقؒ سے یہی روایت نقل کی ہے اور امام ابن جریرؒ اپنی تالیف "تفسیر ابن جریر" میں ان لوگوں کے متعلق روایت بیان کرتے ہیں کہ شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ زمین ہرگز باقی نہ رہتی۔ مگر یہ کہ زمین پر ہمیشہ چودہ ایسے اشخاص موجود رہتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی اہلِ زمین سے مصیبتوں کو دور رکھتا ہے اور ان کی برکتیں پیدا فرماتا ہے سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے کیونکہ وہ ایک وقت ایسا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ دوسرا کوئی مسلمان زمین پر موجود نہیں تھا۔

۱۵۔ ابن منذرؒ اپنی تفسیر میں ارشاد خداوندی

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ (البقرہ ۲: ۳۸)

کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زمین پر ہمیشہ اللہ تعالی کے ولی رہتے ہیں۔ جب سے اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا ہے۔ اللہ تعالی نے ابلیس کے لئے زمین کو خالی نہیں چھوڑا بلکہ اس پر ہمیشہ اپنے ولیوں کو بھی رکھا جو اللہ تبارک وتعالی کی اطاعت کرتے ہیں۔

۱۶۔ حافظ الحدیث علامہ ابو عمر ابن عبدالبرؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن قاسمؒ حضرت مالکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا مجھے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا یہ فرمان پہنچا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

لا یزال اللہ تعالی فی الارض ولی مادام فیھا للشیطان ولی	جب تک زمین میں شیطان کے ولی رہیں گے اس وقت تک ہمیشہ خدا تعالی کے ولی بھی زمین پر رہیں گے۔

۱۷۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "کتاب الزہد" میں اور علامہ خلالؒ اپنی کتاب "کرامات اولیاء" میں بخاری، مسلم کی شرطوں پر صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین کو کبھی خالی نہیں چھوڑا، اور ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے سات ایسے خاص بندے ضرور موجود رہتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہلِ زمین پر آنے والی مصیبتوں کو دور فرماتا ہے۔ یہ حدیث بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔

۱۸۔ علامہ ازرقیؒ "تاریخ مکہ" میں روایت نقل کرتے ہیں کہ زہیر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین پر ہمیشہ سات یا اس سے زیادہ مسلمان موجود رہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو زمین اور اس پر جو کچھ بھی ہے ہلاک اور برباد ہو جائے۔

۱۹۔ امام احمد بن حنبلؒ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

لم یزل بعد نوح فی الارض اربعۃ عشر یدفع بھم العذاب

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد زمین پر ہمیشہ چودہ ایسے اشخاص ضرور موجود رہتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ اہلِ زمین سے عذاب دور کر دیتا ہے۔

۲۰۔ علامہ خلالؒ اپنی تالیف "کرامات اولیاء" میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت زاذان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کے بعد ایسے بارہ اشخاص یا اس سے زیادہ افراد سے زمین کبھی خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ اہل زمین کو بچائے رکھتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تمام لوگ ہدایت پر تھے

اخبار و آثار کی روشنی میں یہ بات مسلمہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوحؑ تک سب لوگ ہدایت پر تھے۔ درج ذیل دلائل اس امر کی تائید کرتے ہیں۔

۱۔ امام ابن منذرؒ اپنی تفسیر میں آیت کریمہ

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (ابراہیم ۱۴: ۴۰)

کی تفسیر کرتے ہوئے صحیح سند کے ساتھ ابن جریج کی روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے کچھ لوگ ہمیشہ دین فطرت پر رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ ان تینوں احادیث میں "من بعد نوح" یعنی نوح علیہ السلام کے بعد کے زمانہ کی قید لگائی ہے اس لئے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے سب لوگ ہدایت پر تھے۔

۲۔ حضرت بزارؒ "مسند بزار" میں اور امام ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ اپنی اپنی تفاسیر میں اور امام حاکمؒ اپنی تالیف "المستدرک" میں صحت کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد گرامی

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً وہ لوگ ایک امت تھے۔

(البقرۃ ۲: ۲۱۳)

کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے اور ان دس صدیوں میں تمام لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہے اور پھر جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں ہے کہ لوگ ایک امت تھے پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے۔

۳۔ ابو یعلیٰ، طبرانی، ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل فرماتے ہیں کہ وہ تمام لوگ اسلام پر تھے۔

۴۔ ابن ابی حاتم آیت کریمہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کی تفسیر میں حضرت قتادۃ رحمہ اللہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیوں کا وقفہ ہے اور وہ سب لوگ راہِ ہدایت پر تھے اور شریعت حقہ پر تھے، پھر ان میں اس کے بعد اختلاف پیدا ہو گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے

حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ زمین کی طرف بھیجا۔

۵۔ علامہ ابن سعدؒ "طبقات ابن سعد" میں دوسری وجہ سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ۔

کان بین ادم و نوح عشرۃ قرون کلھم علی الاسلام

حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیانی عرصہ دس صدیوں میں ہمارے آباؤ اجداد میں سے تمام لوگ اسلام پر تھے۔

طوفان نوح کے بعد فقط مومنین باقی بچے

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں لوگ کفرو شرک میں مبتلا ہو گئے اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کفار کی ہلاکت و تباہی کے لئے بددعا کرنا پڑی۔ چنانچہ سیلاب کی صورت میں ایک بہت بڑا طوفان آیا جس نے کرۂ زمین کو تمام کفار و مشرکین سے پاک کر دیا۔

"التنزیل" میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا "رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت سام بالاجماع مومن ہیں اور اس پر نص یہ ہے کہ آپ اپنے والدِ گرامی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے والوں میں تھے اور سفینۂ نوح پر بیٹھ کر نجات حاصل کرنے والوں میں سوائے مومنوں کے اور کوئی نہ تھا اور قرآن کریم میں ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ ھُمُ الْبَاقِیْنَ (الصافات ۳۷:۷۷)

اور ہم نے اس کی ذریت کو باقی رہنے والوں میں رکھا۔

ابن سعدؒ طبقات میں کلبی کے طریق سے ابی صالح کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام سفینہ سے اترے تو ایک قریہ میں تشریف لے گئے اور وہاں کشتی سے اترنے

والے ہر شخص نے اپنے لئے الگ الگ گھر بنایا اور اس قریہ کا نام "سوق الثمانین" یعنی اسی بازار رکھا اور بنو قابیل تمام غرق ہو گئے تھے۔ پھر جب "سوق الثمانین" بستی تنگ ہو گئی تو ان لوگوں نے باب شہر کی بنیاد ڈالی اور پھر ان کی تعداد مسلسل بڑھنے لگی حتی کہ ان کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی اور وہ سب اسلام پر تھے اور بابل میں رہائش پذیر تھے کہ نمرود بن کوش بن کنعان بن حام بن نوح ان کا بادشاہ بن گیا اور اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ بتوں کی پرستش کریں چنانچہ وہ لوگ بت پوجنے لگے۔

چنانچہ ان جمیع آثار و اخبار سے واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد نمرود کے زمانہ تک قطعی اور یقینی طور پر مومن تھے آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا نمرود ہی کے زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آزر تھے۔

آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں چچا تھا

آزر بت پرست تھا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ چچا تھا چنانچہ یہ قول

ان ازر لیس ابا ابراھیم	آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں۔

سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے۔

۱۔ ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں ساتھ آیت کریمہ **وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ** کے تحت روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا:

ان ابا ابراھیم لم یکن اسمہ ازر وانما کان اسمہ تارخ	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہرگز آزر نہیں تھا بلکہ ان کا نام تارخ تھا۔

۲۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ' ابن المنذر' ابن ابی حاتم بعض صحیح طریقوں سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت مجاہد نے فرمایا۔

لیس ازر ابا ابراھیم	آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ

نہیں تھا۔

۳۔ علامہ ابن منذرؒ اپنی تفسیر میں آیت کریمہ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ کے تحت صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہرگز آزر نہیں تھا بلکہ ان کا نام تیرح یا تارخ تھا' یعنی ابراہیم بن تارح بن شاروخ بن ناحور بن فالخ آپ کا سلسلہ نسب ہے۔

۴۔ ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے' آپ نے فرمایا' نہیں بل اسمہ تارخ بلکہ اس کا نام تارخ ہے اور آپ نے لغت کی رو سے بتایا کہ عربوں کے ہاں "اب" باپ کے لفظ کا "عم" چچا پر اطلاق کرنا ایک شائع متعارف بات ہے اگرچہ یہ اطلاق بطور مجاز کیا جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○

(البقرہ'۲:۱۳۳)

(اے بنی اسرائیل) کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب یعقوب کے پاس موت حاضر ہوگئی تھی اور اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے رب کی اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی وہی تو خدائے واحد ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اس آیت میں لفظ "اب" کا اطلاق حضرت اسماعیل علیہ السلام پر ہوا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے اور یہاں لفظ "اب" کا اطلاق حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی ہوا ہے حالانکہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دادا ہیں۔

۵۔ ابن ابی حاتمؒ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے "الجد اب" یعنی دادا بھی باپ ہی ہے اور یہ آیت تلاوت فرماتے۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ (البقرہ ۲: ۱۳۳) انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے رب کی اور آپ کے باپ دادا کے رب کی۔

۶۔ ابن ابی حاتم مزید ابی عالیہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ تو یہاں چچا کو "اب" باپ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور محمد بن کعب القرضی کا زیر آیت یہ قول مزید نقل فرمایا کہ ماموں بھی باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے اور اس بارے میں یہ اقوال سلف صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ہیں۔

۷۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جسے ابن المنذر نے صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب نمرودیوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ایندھن جمع کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک بوڑھی عورت بھی لکڑیاں جمع کر رہی تھی۔

پس جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں داخل کرنے لگے تو آپ نے فرمایا حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اور جب آپ کو آگ میں ڈال دیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء ۲۱: ۶۹) ہم نے حکم دیا اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور آرام دہ بن جا۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر نے کہا کہ میری وجہ سے ان سے آگ کو دور کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ میں سے ایک شرارہ بھیجا جو اس کے پاؤں پر گرا' اور اس کو جلا دیا' اس حدیث میں یقیناً اس امر کی تصریح موجود ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور اس میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آزر ان دنوں ہلاک ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔

۸۔ بے شک اللہ سبحانہ نے قرآن مجید میں یہ خبردی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ نے اسی وقت اس کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا اور آثار واحادیث میں آیا ہے کہ یہ آپ پر اس وقت ظاہر ہوا جب آزر شرک کی موت مرا اور آپ نے اس کے بعد کبھی اس کے لئے مغفرت طلب نہیں کی۔

ابن ابی حاتمؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔

ما زال ابراهيم يستغفر لابيه حتى مات فلما مات تبين له انه عدو لله فلم يستغفر له

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا کے مرنے تک اس کے لئے استغفار طلب کرتے رہے اور جب وہ مرگیا اور آپ پر ظاہر ہوگیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ نے اس کے لئے مغفرت نہیں مانگی۔

۹۔ ابن ابی حاتم نے دوسری روایت محمد بن کعبؒ اور قتادہؒ اور مجاہدؒ اور حسنؒ وغیرھم سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کی موت تک اس کے لئے پرامید تھے پس جب وہ شرک پر مرگیا تو آپ نے اس سے اظہارِ بریت کر دیا' پھر آگ کے واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کی طرف ہجرت کر گئے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ نص بیان فرمائی ہے پھر کچھ عرصہ بعد آپ شام سے ہجرت کر کے مصر میں تشریف لے گئے اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے وہاں کے جابر بادشاہ سے ملنے کا اتفاق ہوا تو اس نے حضرت سارہؓ کی خدمت کے لئے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بطور کنیز پیش کیا' پھر آپ وہاں سے شام کی طرف لوٹ آئے' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ہاجرہؓ اور اس کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ کی طرف لے جاؤ' تو آپ دونوں کو لے کر مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں آگئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا کی۔

رَبَّنَاۤ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ○ رَبَّنَاۤ اِنَّکَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ ؕ وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ○ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ○ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ○

(ابراہیم ۱۴: ۳۷-۴۱)

اے ہمارے رب! میں نے (تیرے حکم سے) اپنی ایک اولاد (اسماعیلؑ) کو تیرے بزرگ گھر کے نزدیک جہاں کھیتی (تک) نہیں لا بسایا ہے۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم رکھیں پس تو (اپنے فضل سے) بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان (سب) کو (اپنے لطف و کرم سے) پھل بطور رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر گزار ہوں۔ اے ہمارے رب تو تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے اس بڑھاپے میں مجھے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ بخشے بیشک میرا رب دعاؤں کا سننے والا ہے اے میرے رب مجھے نماز پر قائم رکھ اور میری ذریت سے بھی اے میرے رب اور میری یہ دعا بھی قبول فرما اے ہمارے رب جس دن حساب قائم ہو تو مجھے اور میرے والدین اور جملہ مومنوں کو بخش دے۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کی ہلاکت کے طویل عرصہ بعد

ان آیات میں اپنے والدین کے لئے مغفرت طلب کی ہے تو اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جس کے کفر اور اس کی مغفرت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اظہار بریت کا ذکر ہے وہ آپ کا چچا ہے حقیقی باپ نہیں

۱۰۔ علامہ ابن سعدؒ "طبقات" میں کلبیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بابل سے شام کی طرف ہجرت فرمائی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک ۳۷ سال تھی' پس آپ حران میں تشریف لائے اور وہاں ایک زمانہ تک قیام فرمایا' پھر آپ اردن میں آ گئے اور وہاں پر بھی ایک عرصہ گزارا اور پھر وہاں سے واپس شام کی طرف لوٹ آئے اور ایلیا و فلسطین کے مابین "السبع" کے مقام پر اترے' پھر وہاں کے بعض شہریوں نے آپ کو تکلیف پہنچائی تو آپ ان سے رخ پھیر کر رملہ اور ایلیا کے درمیان ایک مقام پر ٹھہرے اور ابن سعد نے واقدی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت آپ کی عمر مبارک نوے سال تھی پس ان ہر دو آثار سے پتہ چل جاتا ہے کہ آگ کے واقعہ کے بعد بابل سے ہجرت کرنے اور مکہ معظمہ میں اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرنے کے درمیان پچاس سال سے بھی زیادہ مدت کا فاصلہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بت پرستی کا آغاز

پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سلسلہ توحید جاری رہا' چنانچہ علامہ شہرستانیؒ "الملل والنحل" میں فرماتے ہیں کہ دینِ ابراہیم قائم تھا اور توحید صدرِ عرب میں ظاہر اور مشہور تھی سب سے پہلے توحید کو چھوڑ کر اصنام پرستی شروع کرنے والا عمرو بن لحی ہے۔ (عمرو بن لحی اور عمرو بن عامر ایک ہی شخص ہے)

۱۔ بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر الخزاعی کو دیکھا وہ آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے اور وہ سب سے پہلے سوائب کو مقرر کرنے والا تھا۔ (صحیح البخاری' ۱: ۴۹۹)

۲۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی

روایت نقل کی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے سیب السوائب اور بتوں کی پرستش شروع کرنے والا ابو خزاعہ عمرو بن عامر ہے اور میں نے اسے دیکھا کہ وہ آگ میں اپنی آنتیں کھینچ رہا ہے۔

۳۔ ابن اسحاقؒ نے اور ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو دیکھا وہ جہنم کی آگ کے ساتھ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے...... اور یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیم کو تبدیل کیا اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے دین اسماعیل کو تبدیل کیا یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کو نصب کیا اور جانوروں میں بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام مقرر کئے۔

۴۔ امام بزارؒ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد لوگ اسلام پر تھے اور شیطان لوگوں کو بدعات کی طرف لے کر اسلام سے نکالنے لگا حتی کہ ان پر تلبیہ میں نئے الفاظ داخل کر کے یوں بنا دیا۔

لبّیک اللّٰھم لبّیک لبّیک لا شریک	حاضر ہوں' یا اللہ حاضر ہوں حاضر ہوں
الّا شریک ھو لک تملکہ و ما ملک	تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جسے تو نے ملکیت دی۔

شیطان نے یہ مہم جاری رکھی یہاں تک کہ انہیں اسلام سے نکال کر شرک کی طرف لے آیا۔

۵۔ امام سہیلیؒ روض الانف میں بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن لحی کا وہ زمانہ ہے جب خزاعہ نے بیت اللہ شریف پر غلبہ حاصل کیا تو عربوں نے اسے رب بنا لیا وہ ان کے لئے جو بدعات جنم دیتا وہ اس کو اپنے لئے شریعت بنا لیتے کیونکہ وہ لوگوں کے لئے کھانا تیار کر کے حج کے دنوں میں ان کی دعوت کرتا اور انہیں لباس پہناتا اور ابن اسحاقؒ نے ذکر کیا ہے کہ عمرو بن لحی نے سب سے پہلے حرم میں بت داخل کئے اور لوگوں کو ان کی عبادت پر ابھارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تلبیہ اس طرح تھا۔

لبّیک اللّٰھم لبّیک لا شریک لک لبّیک حاضر ہوں' یا اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہاں تک کہ عمرو بن لحی لوگوں کے درمیان تلبیہ پڑھ رہا تھا کہ شیطان نے ایک بوڑھے کی صورت میں عمرو بن لحی کے ساتھ یہ تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا تو عمرو بن لحی نے کہا۔

لبّیک لا شریک لک میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔

شیطان نے بوڑھے کے روپ میں کہا۔

الّا شریک ھو لک مگر وہ تیرا شریک ہے۔

عمرو بن لحی نے اس جملے کا انکار کرتے ہوئے پوچھا وہ کون ہے جو اس کا شریک ہے؟ شیطان نے کہا

قل تملکہ و ما ملک کہو کہ وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے ملکیت دی۔

اس بات میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ عمرو نے ایسا ہی کہنا شروع کر دیا اور عربوں نے اس کو دین بنالیا۔

۶۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ تمام عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے یہاں تک کہ عمرو بن عامر الخزاعی مکہ کا متولی ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے اجداد کرام کے ہاتھوں سے بیت اللہ کی تولیت نکل گئی' پس عمرو مذکور نے بتوں کی پرستش جاری کر دی اور عرب کے لئے سوائب وغیرہ مقرر کرکے گمراہی کی شریعت بتائی اور تلبیہ میں لبّیک لا شریک کے بعد **الّا شریکا لک تملکہ و ما ملک** کے الفاظ زائد کئے پس یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ کہا اور عربوں نے اس شرک پر اس کی اتباع کی پس ان کی قوم نوح اور تمام پہلی امتوں سے مشابہ ہے اور ان میں سے اکثر اس دین پر تھے اور بقایا دینِ ابراہیم پر تھے اور خزاعہ کی تولیت کعبہ کی مدت تین سو سال ہے اور ان کی یہ منحوس ولایت حضور نبی اکرم ﷺ کے جد امجد حضرت قصی

رضی اللہ عنہ کی آمد تک ہے آپ نے ان سے جنگ کی اور عربوں نے ان کے ساتھ لڑائی میں آپ کی مدد کی اور آپ نے ان کی تولیت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا مگر اس کے بعد عرب ان بدعات سے واپس نہ آئے جو ان کے لئے عمرو الخزاعی نے بتوں کی پوجا وغیرہ کی صورت میں جاری کی تھیں۔

پس ثابت ہوا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر عمرو بن لحی مذکور کے زمانہ تک تمام کے تمام یقیناً مومن ہیں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد توحید پر قائم رہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو توحید پر قائم رہے اور بت پرستی سے اجتناب کرتے رہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

(الزخرف' ۴۳:۲۶۔۲۸)

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو مگر ہاں میں اسی کی (عبادت کرتا ہوں) جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی مجھے سیدھی راہ سکھائے گا اور اسی کلمہ (توحید) کو وہ اپنی اولاد میں باقی رہنے کے لئے چھوڑ گئے تاکہ وہ (اللہ کی طرف) راجع رہیں۔

(i) عبد بن حمیدؒ نے تفسیر میں اپنی سند سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے آپ کی اولاد میں باقی رہا۔

(ii) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ

عَقِبِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ توحید کی گواہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان کے بعد آپ کی اولاد میں ہمیشہ باقی رہی۔

(iii) عبدالرزاقؒ نے معمر سے انہوں نے حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ارشاد خداوندی وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِہٖ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کلمہ سے مراد اخلاص اور توحید ہے جو ہمیشہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں باقی رہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتی اور اس کی عبادت کرتی رہی۔ ابن منذرؒ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ابن جریج نے آیت کریمہ عقب ابراہیم کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اولاد ابراہیم میں اس کے بعد یہ بات ہمیشہ باقی رہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تا قیام قیامت ہمیشہ ایسے لوگ موجود رہیں گے جو دین فطرت پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

۲۔ دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ

(ابراہیم ۱۴:۳۵)

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے دور رکھ کہ ہم بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔

(i) امام ابن جریرؒ اس آیت کریمہ کے متعلق اپنی تفسیر میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا پس آپ کی اولاد میں سے اس دعا کے بعد کسی نے بتوں کی پرستش نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی کہ اس شہر کو امن والا بنا دے اور آپ کے اہل کو پھلوں سے رزق دیا اور آپ کو امام بنایا اور آپ کی اولاد میں سے لوگوں کو نماز پر قائم رکھا۔

(ii) امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں وہب بن منبہ سے روایت کی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی طرف اتارا گیا تو آپ پریشان ہو گئے۔ بیت الحرام کے قصہ میں یہ طویل حدیث ذکر کی گئی ہے اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اس کے لئے ایک امت بنائی ہے جو میرے حکم کی فرماں برداری کرے گی اور لوگوں کو میرے راہ پر بلائے گی وہ پسندیدہ اور راہ ہدایت پر گامزن ہو گی۔ اس کے بیٹے اور اس کی ذریت جو بعد میں آئے گی کے حق میں اس کی دعا قبول ہو گی اور وہ ان میں شفیع ہو گا اور ان کے لئے گھر بنائے گا اور وہ اس گھر کے متولی اور مددگار ہوں گے۔

یہ حدیث پاک حضرت مجاہدؒ کے اس قول کے موافق ہے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بیت اللہ شریف کی تولیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیگر تمام ذریت کے بالعکس حضور رسالت مآب ﷺ کے آباؤ اجداد کے لئے خصوصیت کے ساتھ مشہور و معروف ہے یہاں تک کہ عمرو بن الخزاعی نے یہ تولیت ان سے چھین لی تو پھر ان میں واپس آ گئی' پس یہ معروف بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے حضور رسالت مآب ﷺ کے اجدادِ شریفہ خصوصیت کے ساتھ چنے ہوئے لوگ ہیں اور ان میں ایک کے بعد دوسرے میں نور نبوت منتقل ہوتا رہا۔

(iii) ابن ابی حاتمؒ نے سفیان بن عیینہؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے پوچھا گیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کسی نے بتوں کی پوجا کی ہے؟ فرمایا نہیں کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی۔

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم ۱۴، ۳۵) — مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے دور رکھ کہ ہم بتوں کی پرستش کرنے لگیں۔

(۳) قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ — اے میرے رب! مجھ نماز پر قائم رکھ

ذُرِّیَّتِیْ (ابراہیم ۱۴: ۴۰) اور میری ذریت میں سے بھی (ایسے لوگ ہوں جو نمازوں کی پابندی کرنے والے ہوں۔)

ابن المنذرؒ حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے ارشاد خداوندی رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ کے متعلق فرماتے ہیں 'پس اولاد ابراہیم علیہ السلام سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

ملت ابراہیمی پر قائم افراد کا ذکر اچھے انداز میں کرنے کی تلقین

۱۔ ابن حبیبؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عدنان حضرت معد' حضرت مضر' حضرت خزیمہ اور حضرت اسد رضی اللہ عنہم حضرت ابراہیم کی ملت پر تھے' لہٰذا ان کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ کیا کرو۔

۲۔ علامہ ابن سعدؒ "طبقات ابن سعد" میں عبداللہ ابن خالد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تسبوا مضر فانه كان قد اسلم جناب مضر کی شان میں گستاخی نہ کرنا کیونکہ وہ بلاشک وریب مسلمان تھے۔

۳۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ربیعہ اور مضر کو برا نہ کہو یہ دونوں مومن تھے۔

۴۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تسبوا تميما و ضبه فانهما كانا مسلمين تمیم اور ضبہ کو برا نہ کہو' کیونکہ یہ دونوں مومن تھے۔

۵۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تسبوا قسا فانه كان مسلما قس کو برا نہ کہو کیونکہ یہ مومن تھے۔

امام سہیلیؒ اپنی کتاب "الروض الانف" میں یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ

حضرت کعب بن لوی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے یوم العروبہ کو جمع فرمایا اور کہا کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یوم العروبہ کا نام جمعہ رکھا۔ اس روز قریش جمع ہوتے تو آپ انہیں خطاب فرماتے اور حضور سرور کائنات ﷺ کی بعثت مبارکہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے بتاتے کہ جان لو کہ وہ میرا بیٹا ہو گا کہ جان لو کہ وہ میرا بیٹا ہو گا اور میں تمہیں ان کی اتباع کرنے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں اور آپ کی شان میں یہ شعر کہا کرتے۔

یا لیتنی شاهدا نخواه دعوته

اذا قریش تبغی الحق خذلانا

اے کاش! میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جبکہ قریش حق کو رسوا کرنا چاہیں گے۔

امام سیوطیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس روایت کو حافظ ابو نعیمؒ نے بھی ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی سند سے "دلائل النبوۃ شریف" میں نقل فرمایا ہے اور اس کے آخر پر یہ جملہ نقل کیا ہے کہ جناب کعب کی وفات اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مابین پانچ سو ساٹھ برس کا عرصہ ہے۔

جو روایات ہم نے نقل کیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہدِ مقدس سے لے کر حضرت کعب بن لوی رضی اللہ عنہما تک تمام تر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے اور حضرت کعب کے صاحبزادے جناب مرہ کے بارے میں بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دین ابراہیم پر ہی تھے اس لئے کہ ان کے والد نے انہیں مومن رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت عبدالمطلب کے متعلق تین اقوال

۱۔ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی جیسا کہ بخاری وغیرہ میں روایت آئی ہے۔

۲۔ آپ توحید پر تھے اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر تھے اور یہ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ظاہر ہے نیز اس سے قبل حضرت مجاہد اور سفیان بن عیینہ وغیرہما کی

وہ تفسیر بیان کی جا چکی ہے جو انہوں نے اس سلسلہ میں آیات قرآنیہ کے تحت کی ہے۔

۳۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں حضور سرور کائنات رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد زندہ فرمایا حتی کہ وہ آپ پر ایمان لا کر مسلمان ہوئے اور پھر اس کے بعد وصال فرما گئے۔

امام سہیلیؒ "روض الانف" میں بیان فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو طالب کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو وہاں ابوجہل اور ابن ابی امیہ بھی موجود تھے' آپ ﷺ نے فرمایا چچا جان: **لا الہ الا اللہ** کہہ دیجئے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے متعلق اپنی گواہی پیش کر سکوں' اسی اثنا میں ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے حضرت ابو طالب کو کہا کہ کیا آپ ملت عبدالمطلب کو چھوڑ رہے ہیں؟ تو جناب ابو طالب نے کہا:

انا علی ملۃ عبدالمطلب میں ملت عبدالمطلب پر ہوں۔

امام سہیلیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کا ظاہر طور پر یہی اقتضاء ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات شرک پر ہوئی ہے مگر میں نے مسعودیؒ کی بعض کتب میں حضرت عبدالمطلب کے متعلق دیکھا کہ آپ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جب آپ نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل کا مشاہدہ کیا تو آپ نے حالتِ اسلام میں انتقال کیا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کے دن توحید پر اٹھایا جائے گا۔

نیز مسند بزار اور کتاب النسائی میں عبداللہ ابن عمروؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدۃ نساء العالمین سیدہ فاطمہ الزہرا کو فرمایا۔ بیٹی!

تم نے انصار کی ایک میت کی تعزیت کی ہے شاید تم ان کے ساتھ قبرستان تک گئی ہوں گی جناب سیدہ نے عرض کیا نہیں ابا جان! ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا تو آپ نے فرمایا بیٹی!

لو کنت بلغت معھم الکدی ما اگر تم ان لوگوں کے ساتھ قبرستان

رأیت الجنۃ حتی یراھا جد ابیک	میں جاتیں تو تم اس وقت تک جنت کو نہ دیکھتیں جب تک تمہارے باپ کے دادا اسے نہ دیکھ لیتے۔

اس روایت کو ابو داؤد نے بھی نقل کیا ہے مگر اس میں اس آخری حصہ کا تذکرہ نہیں کیا کہ جب تک آپ کے والد کے دادا جان جنت کو نہ دیکھ لیتے اور امام نسائی نے اپنے دادا کی بجائے 'اپنے باپ کے دادا کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں یہ اس ضعیف حدیث کی تقویت کے لئے ہیں جس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی اور والدہ ماجدہ کو زندہ فرمایا اور وہ برکت حاصل کرنے کے لئے آپ پر ایمان لائے۔ فرمایا ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس بات سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخویف کا ارادہ فرمایا ہو اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول حق ہے اور حضرت فاطمہؓ کا لوگوں کے ساتھ قبرستان میں جانا آگ میں ہمیشہ رہنے کو واجب نہیں کرتا اور یہ تمام کلام امام سہیلیؒ کا ہے۔

اور امام شہرستانیؒ اپنی تصنیف "الملل و النحل" میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نورِ مقدس حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی پیشانی کی شکنوں میں نمایاں ہوتا اور اسی نور کی برکت کے طفیل آپ کے دل میں بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر کا القاء کیا گیا اور اسی نور مبارک کی برکت سے آپ اپنی اولاد کو ظلم و زیادتی سے منع فرماتے تھے اور انہیں مکارمِ اخلاق کا درس دیتے اور ذلیل امور سے روکتے تھے۔

اسی نورِ مصطفےٰ ﷺ کی برکت سے آپ نے اپنی وصیت مبارکہ میں اپنی اولاد کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

انہ لن یخرج من الدنیا ظلوم حتی ینتقم منہ و تصیبہ عقوبۃ	ظالم شخص اس وقت تک دنیا سے نہیں جائے گا جب تک اس سے بدلہ نہ لے لیا جائے گا اور اسے سزا ملے گی۔

اتفاق کی بات ہے کہ ایک آدمی فوت ہو گیا اور اسے کوئی سزا نہ ملی' حضرت

عبد المطلب سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے سوچنے کے بعد فرمایا کہ اس گھر کے پیچھے ایک اور گھر ہے جہاں محسن کو اس کے احسان کی جزا دی جائے گی اور خطا کار کو اس کی خطاؤں کی سزا دی جائے گی اور یہ اسی نورِ سرور انبیاء ﷺ کی برکت ہے کہ آپ نے کعبہ شریف پر حملہ آور ہونے والے ابرہہ کو فرمایا کہ اس گھر کی حفاظت اس کا رب فرمائے گا۔

اور جو کچھ آپ نے کوہ ابو قبیس کے اوپر چڑھ کر ارشاد فرمایا اس میں سے یہ شعر بھی ہیں۔

لاهم ان المرء يمنع رحله فامنع رحالك
لا يغلبن صليبهم و محالهم يوم حالك
وانصر على ال الصليب و عابديه اليوم آلك

یہ ابرہہ کی قوم کے آدمی کچھ نہیں ہیں یہ تمہارا راستہ روکتے ہیں لہٰذا تم ایک طرف ہو جاؤ۔ محال ہے کہ یہ صلیب پرست دشمن غلبہ پا سکیں۔ ان صلیب پرستوں کی برکت کے لئے خدا سے دعا مانگو۔ آج تک تمہاری نسل خانہ کعبہ کی عبادت کرتی رہی ہے۔

"طبقات ابن سعدؒ" میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے دیت دس اونٹوں کی ہوتی تھی۔ حضرت عبد المطلب پہلے شخص ہیں جنہوں نے جان کے بدلہ میں سو اونٹوں کی سنت جاری کی پھر قریش اور عربوں میں سو اونٹوں کی دیت رواج پذیر ہو گئی اور رسول اکرم ﷺ نے بھی اسے قائم رکھا۔

کفار آباؤ اجداد کی طرف نسبت کرنے کی ممانعت

احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کفار آباؤ اجداد کی طرف نسبت کرنے والے کے لئے سخت وعید ہے اور حضور ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ ایسا کرنے والا اپنے کفار آباؤ اجداد کے ساتھ جہنم میں جائے گا جبکہ دوسری طرف حضور ﷺ خود اپنی نسبت اپنے آباؤ اجداد کی طرف کرتے ہیں اس مضموں پر مندرجہ ذیل احادیث

روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن خود کو حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی ذات سے منسوب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **انا النبی لا کذب انا بن عبد المطلب** جن شواہد ودلائل سے امام فخرالدین رازیؒ اور آپ کے موافقین نے اپنی گفتگو کو مضبوط بنایا ہے ان سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد قوی تر ہے کہ خود کو اپنے کفار آباء سے منسوب نہ کرو۔

۲۔ امام بیہقیؒ "شعب الایمان" میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو اشخاص نے خود کو اپنے آباؤ اجداد کی طرف منسوب کیا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں بن فلاں کا بیٹا ہوں' اس کی یہ بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں دو شخص خود کو اپنے آباؤ اجداد سے منسوب کرتے تھے اور ان میں سے ایک شخص تو اپنی نو پشتیں گن جاتا جب کہ دوسرا شخص یہ کہتا کہ میں فلاں بن فلاں بن اسلام ہوں۔

چنانچہ ان دونوں کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے شخص کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا کہ تو نے اپنے جن نو عدد باپ دادوں سے خود کو منتسب کیا ہے وہ سب کے سب جہنم میں ہیں اور تو ان کا دسواں بھی ان سے منسوب ہونے کی وجہ سے جہنمی ہے اور دوسرے کو فرمایا تو نے جو دو نسبتیں بیان کی ہیں وہ دونوں جنتی ہیں اور تو ان کا تیسرا بھی جنتی ہے۔

۳۔ امام بیہقیؒ اس ضمن میں دوسری روایت حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ سے یہ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من انتسب الی تسعۃ اباء کفار یرید بھم عزا و شرفا فھو عاشر فی النار

(مسند احمد بن حنبل' ۴:۱۳۴)

جو شخص خود کو اپنے نو کافر آباؤ واجداد سے منسوب کرے گا اور یہ نسبت بیان کرکے اس کا مقصد اپنے آپ کو صاحب عزت و شرف بنانا ہو تو وہ ان

کے ساتھ دسواں جہنمی ہو گا۔

۴۔ تیسری روایت امام بیہقیؒ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تفتخروا باباء کم الذین ماتوا فی الجاھلیۃ فو الذی نفسی بیدہ لما یدحرج الجعل بانفہ خیر من اباء کم الذین ماتوا فی الجاھلیہ

تم اپنے ان آباؤ اجداد پر فخر نہ کرو جو جاہلیت میں فوت ہوئے مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو کچھ گبریلا (گرگٹ) اپنی ناک سے لڑھکاتا پھرتا ہے وہ تمہارے جاہلیت میں مرنے والے آباؤ اجداد سے بہتر ہے۔

۵۔ چوتھی روایت امام بیہقیؒ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا ہے تاکہ وہ لوگ رک جائیں جو ان اشخاص کو وجہ تفاخر سمجھتے ہیں جو جہنم کے کوئلوں میں سے ایک کوئلہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی حیثیت ان گبریلوں سے بھی ذلیل تر ہے جو اپنی ناک سے غلاظت کو لڑھکاتے پھرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے سلسلہ نسب کی پاکیزگی پر حضرت عبد اللہ بن عباس کا استدلال

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا سلسلہ نسب پاکیزہ نکاحوں کے ذریعے آگے چلایا اور فواحشات کی آلودگی سے آپ کو محفوظ رکھا اور آپ کو پاک صلبوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل فرمایا چنانچہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیت کریمہ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آباؤ اجداد میں ایک کے بعد دوسرے کی طرف پاک صلبوں کے ذریعے منتقل ہوتے رہے حتیٰ کہ آپ نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ کا نورِ نبوت آپ کے آباؤاجداد میں ظاہر تھا پھر آپ کے والدین کی جانب سے کسی نے شرک نہیں کیا کیونکہ یہ نسب آپ تک پہنچنے تک انتہائی طور پر مصفی اور پاکیزہ رہا ہے تاکہ یہ اس نسب سے مختص ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت کی غایت اور اس کے تفرد کی وجہ سے نہایت قرار دیا ہے پس اس کی مشارکت و مماثلت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یہی وجہ ہے کہ آپ کے والدین کریمین کا وصال آپ کی چھوٹی عمر میں ہی ہو گیا۔ بلکہ آپ کے والد گرامی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال اس وقت ہو گیا جب آپ ابھی اپنی والدہ مکرمہ کے بطن میں جلوہ افروز تھے جب کہ آپ کی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے وصال مبارک کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک صرف چھ سال تھی۔ اور جب تو آپ کے نسب کا حال اور آپ کی پیدائش کی طہارت کا عرفان حاصل کرلے گا تو تجھے پتہ چل جائے گا کہ آپ ﷺ بزرگ آباؤ اجداد کا خلاصہ ہیں اور آپ کے آباء میں سے کوئی شخص بھی رذیل مطعون اور مبتذل نہیں۔ بلکہ سب کے سب سردار اور قائد تھے۔

ابو جعفر نحاس ”معانی القرآن“ میں آیت مبارکہ **وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ** کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ تقلب سے مراد حضور ﷺ کا ساجدین کی پشتوں میں پھرنا ہے حتیٰ کہ آپ نبی پیدا ہوئے۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی ”کا کیا ہی اچھا ارشاد ہے:

تنقل احمد نورا عظیما	تلالا فی جباہ الساجدینا
تقلب فیھم قرنا فقرنا	الی ان جاء خیر المرسلینا

احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کا نور عظیم سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں منتقل ہوتا رہا اور صدیوں پاکیزہ صلبوں میں پھرتے پھرتے خیر المرسلین بن کر جلوہ افروز ہوا۔

نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا:

حفظ الالہ کرامہ لمحمد اباء الانجاد صونا لاسمہ

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب محمد ﷺ کے نام کی لاج اور آپ کی کرامت کی خاطر آپ کے بزرگ آباء کی بھی حفاظت فرماتا رہا ہے۔

آپ ہر فضل واحسان کے چراغ ہیں اور آپ کے نور سے ہی تمام نور نکلتے ہیں' آپ کو خدائے عالم الغیب کی جانب سے علوم کے جواہر عطا کئے گئے ہیں اور انہیں علوم میں سے حضرت آدم علیہ السلام کے اسماء بھی ہیں وہ ہمیشہ پوشیدگی میں آپ کے لئے اُمہات اور آباء کا انتخاب فرماتا رہا کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں رسولوں نے اپنی قوم کو آپ کے متعلق بشارت نہ دی ہو' زمانے آپ کے وجود پر فخر وناز کرتے رہے اور آپ کے طفیل رفعتوں پر رفعتیں حاصل کرتے رہے اور اے سیّدہ آمنہؓ آپ کے وجود مسعود سے ایک کریم انسان عالم وجود میں آیا ہے جس کے آباؤ اجداد بھی کریم ہیں وہ نسب ایسا بلند و برتر ہے کہ جوزاء (برج) نے اس کی بلندیوں کو اپنے ستاروں کا ہار بنا کر پہنا دیا ہے پس اے آمنہ اس فضیلت پر مبارک باد قبول ہو جس سے حضرت حوا کو شرف حاصل ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جنم دینے کی وجہ سے حضرت آمنہ کو جو فخر وفضیلت حاصل ہوا ہے اسے عورتیں حاصل نہیں کر سکتیں آپ سے قبل کنواری مریم قوم کے پاس جو بچہ لے کر آئی تھیں آپ اس سے کہیں زیادہ افضل بچہ قوم کے پاس لائی ہیں۔

فائدہ: امام ابن ابی حاتمؒ اپنی تفسیر میں حضرت عطاء ؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان انچاس پشتیں ہیں۔

سیدہ آمنہؓ کے اشعار

حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے متعلق ایک خاص واقعہ منقول ہے جسے ابو نعیمؒ نے دلائل النبوہ میں بیان کیا ہے۔ حضرت ام سماعہ بنت ابو رہمؓ اپنی والدہ ماجدہ سے

روایت کرتی ہیں کہ میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھی اور رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت پانچ سال تھی اور آپ ﷺ ان کے سر کے قریب تھے جناب سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ کے رخِ انور کو دیکھے جا رہی تھیں اور اسی عالم حسرت و یاس میں دیکھتے ہوئے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

بارک فیک اللہ من غلام یا ابن الذی منهم حومہ الحمام

نجا بعون الملک المنعام فودی غداۃ الضرب بالسهام

بمائۃ من ابل سوام ان صح ما ابصرت فی المنام

فانت مبعوث الی الانام من عند ذی الجلال والاکرام

تبعث فی الحل وفی الحرام تبعث بالتحقیق والاسلام

دین ابیک البر ابراهام فاللہ انهاک عن الاصنام

ان لا توالیها مع الاقوام

اے میرے بیٹے! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو برکتیں عطا فرمائے آپ اس عظیم باپ کے فرزند ارجمند ہیں جو سردار اور شریف قوم تھے اور جنہوں نے صاحب جود و سخا اور بزرگ و برتر خداوند قدوس کی نصرت و امداد سے نجات حاصل کی اور جن کی زندگی بچانے کے لئے صبح کے وقت تیروں سے قرعہ اندازی ہوئی تو ان کے بدلہ میں ایک سو اچھی نسل کے اونٹوں کا فدیہ دیا گیا۔ اے میرے چاند! میں نے خواب میں جس چیز کا مشاہدہ کیا ہے اگر وہ درست ہے تو آپ خدائے ذوالجلال والاکرام کی طرف سے تمام لوگوں کے لئے نبی بن کر مبعوث ہونے والے ہیں۔ اور آپ حلت و حرمت کے لئے اسی دین کے ساتھ نبی بن کر مبعوث ہوں گے جو آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا' اور اللہ تبارک وتعالیٰ بتوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا اور ان قوموں کے ساتھ آپ کی دوستی نہیں ہو گی جو اصنام پرستی کرتی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر زندہ کے لئے موت ہے اور ہر بننے والی چیز کو ختم ہونا ہے اور ہر کبیر کے لئے فنا ہے میں بھی مر رہی ہوں مگر میرا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا اس لئے کہ میں اس خیر ہی خیر کو چھوڑ کر جا رہی ہوں جسے میں نے طیب و طاہر اور پاکیزہ جنا ہے' پھر اس کے بعد جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال مبارک ہو گیا تو میں نے آپ کی موت پر جنات کی یہ نوحہ خوانی سنی اور مجھے ان کا یہ نوحہ حفظ ہو گیا۔

نبکی الفتاۃ البرۃ الامینہ ذات الجمال العفۃ الرزینہ

زوجۃ عبداللّٰہ والقرینہ ام نبی اللّٰہ ذی السکینہ

و صاحب المنبر بالمدینہ صارت لدی حفرتہا رہینہ

ہم روتے ہیں اس پاک باز' امینہ اور نوجوان بی بی کی موت پر جو گراں مایہ اور انتہائی قیمتی جمال و عفت کی مالکہ ہے' وہ مقدس بی بی اجو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صاحب قرینہ زوجہ مکرمہ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نبی ﷺ کی سکون و راحت دینے والی والدہ معظمہ ہیں آپ ان کی امی جان ہیں جو مدینہ منورہ میں صاحب منبر ہوں گے۔ لہٰذا آپ کو خوشی سے سپرد لحد نہیں کیا جا سکتا۔

یہ متذکرہ بالا استدلال قائم کرنے کے بعد امام جلال الدین سیوطی" ارشاد فرماتے ہیں کہ تم سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے منقولہ بالا کلام کو دیکھ ہی رہے ہو کہ اس میں کس قدر صراحت کے ساتھ اقوام عرب کے اصنام پرستوں کے ساتھ دوستی اور موالات کا انکار موجود ہے اور کتنی وضاحت کے ساتھ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دین کی حقانیت کا اعتراف کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی فرمائی گئی ہے کہ ان کے لخت جگر ﷺ اہل عالم کی طرف خدائے ذوالجلال والاکرام کا دین اسلام لے کر مبعوث ہونے والے ہیں۔ اور یہ ایسے کلمات طیبات ہیں جو جناب آمنہ رضی اللہ عنہا کی ذات اقدس کے معاذاللہ مشرکہ ہونے کی قطعی طور پر نفی کر رہے ہیں۔

انبیاء کرام کی ماؤں کے ایمان کا ثبوت

پھر میں نے انبیاء کرام کی ماؤں کے متعلق تحقیق کی ان سب کو مومنہ ہی پایا۔

چنانچہ حضرت اسحاق، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی ماؤں اور حضرت حواء والدہ شیث علیہما السلام کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ نیز حضرت ہاجرہ ام اسماعیل علیہا السلام اور جناب یعقوب علیہ السلام کی والدہ مکرمہ اور جناب یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی ماؤں اور حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت شمویل و شمعون اور حضرت ذی الکفل علیہم السلام کی ماؤں کا اسلام پر ہونا احادیث میں وارد ہوا ہے۔

امام حاکم المستدرک میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، اور حضرت یعقوب کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل میں سے ہوئے ہیں۔ سوائے امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے۔

بنی اسرائیل تمام تر مومنین تھے اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثتِ مبارکہ تک کوئی کافر نہیں تھا مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کے ساتھ انہوں نے کفر کیا اور بنی اسرائیل سے تمام انبیاء کرام کی مائیں سب کی سب مومنہ تھیں اور یہ کہ اکثر انبیائے بنی اسرائیل انبیاء کرام کی اولاد تھے۔

جیساکہ مشہور خبروں میں ہے کہ ان کی نبوت انہیں کی ذریت اور نسل میں ہوتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماؤں کا مومنہ ہونا بعض مفسرین کے نزدیک منصوص ہے اور ابو حیان نے اپنی تفسیر میں اسے راجح قرار دیا ہے۔

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے والدین کے مومن ہونے کا بیان

حضرت نوحؑ بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے ہیں۔

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ اے میرے پروردگار! مجھ کو بخش

دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا (نوح ۷۱:۲۸) دے اور میرے والدین کو (بھی) اور (ان کو بھی) جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوئے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگہ خداوندی میں یوں دعا کی۔

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (ابراھیم ۱۴:۴۱) اے ہمارے رب! جس دن حساب قائم ہو تو مجھے اور میرے والدین اور جملہ مومنوں کو بخش دے۔

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے ان دعاؤں میں اپنے والدین کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اور قرآن کی رو سے مغفرت کی دعا صرف مومن کے لئے ہی ہو سکتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے والدین مومن تھے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قرآن مجید میں خاص طور پر صرف اپنے چچا کے متعلق استغفار کرنے سے معذرت کی ہے اپنی والدہ کے متعلق کچھ نہیں کہا جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مومنہ تھیں۔

حضور ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان پر ہونے والے اعتراض کا جواب

اگر کوئی سوال کرے کہ حضور سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ کے والدین کریمین سیدنا عبد اللہ اور سیدتنا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہما کے متعلق ایسی روایات موجود ہیں جن میں ان کا معاذ اللہ کافر اور جنتی ہونا ثابت ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے والدین نے کیا کیا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِیْمِ (البقرہ ۲:۱۱۹) اور آپ سے اہل دوزخ کے متعلق سوال تک نہ کیا جائے گا۔

اور یہ حدیث کہ آپ اپنی والدہ مکرمہ کے لئے استغفار فرما رہے تھے کہ

جبرائیل نے آپ کے سینہ مبارک پر ہاتھ مار کر کہا کہ۔

لا تستغفر لمن مات مشر کا — مشرک فوت ہونے والوں کے لئے دعائے مغفرت نہ فرمائیں۔

اور آپ کو والدہ مکرمہ کے لئے استغفار کرنے سے منع کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ (التوبہ ۹: ۱۱۳) — نبی کے لئے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں یہ جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے اللہ سے بخشش مانگیں۔

اور حضور سرور کائنات ﷺ کا ملیکہ کے بیٹوں کو یہ فرمانا کہ تمہاری ماں جہنم میں ہے تو ان دونوں کو یہ بات گراں گزری تو آپ نے انہیں بلا کر فرمایا میری ماں بھی تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔

یہ منفی روایتیں نقل کرنے کے بعد سیدنا امام جلال الدین سیوطی" فرماتے ہیں کہ اس کا سب سے بڑا جواب تو یہ ہے کہ یہ تمام تر روایات ضعیف ہیں اور ان میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں سوائے مسلم شریف میں آنے والی اس حدیث کے جس میں ہے کہ آپ کو اپنی والدہ کے استغفار کی اجازت نہیں ملی یا وہ حدیث جو آپ کے والد گرامی کے متعلق ہے۔ چنانچہ ان ہردو روایات کا جواب آگے آرہا ہے مگر یہ روایات کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

لیت شعری ما فعل ابوای — کاش مجھے اپنے والدین کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے کیا کیا

اور اس پر آیت کریمہ نازل ہو گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت سرے سے حدیث کی کسی بھی معتمد کتاب میں موجود ہی نہیں البتہ بعض کتب تفاسیر میں اس روایت کو منقطع سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے مگر نہ تو اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے حجت پکڑی جا سکتی ہے اگر ہم احادیث واہیہ سے حجت پکڑنے لگیں تو ہم اس کا

واہی حدیث سے معارضہ کریں گے۔ ابن جوزی نے حضرت علیؓ کی حدیث سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے ہماری خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

انی حرمت النار علی صلب انذلک و بطن حملک و حجر کفلک

جس صلب سے آپ کا نزول ہوا ہے اور جس بطن مقدس سے آپ کو اٹھایا ہے اور جس آغوش اقدس نے آپ کی کفالت کی ہے ہم نے ان سب پر جہنم حرام کر دیا ہے۔

اگرچہ معارضہ کے باب میں واہی روایت کو واہی روایت کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے مگر ہم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ اس سے حجت پکڑتے ہیں پھر آیت سے مذکورہ استنباط علم اصول، علم بلاغت اور اسرار بیان کی کئی وجوہ کے باعث بھی مردود ہے۔ اور وہ یہ کہ اس کے ماقبل اور مابعد کی آیات سے ہی صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تمام تر آیات یہودیوں کے حق میں ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ

(البقرہ، ۲:۴۰)

اے آل یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا۔ تو میں بھی اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھی سے ڈرتے رہو۔

چنانچہ یہ سب آیات "وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ" تک یہودیوں کے حق میں ہیں اور یہ قصہ انہی پر ختم ہوتا ہے اور اس کے درمیان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد

يَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ دو آیات ہیں جن سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ "اصحاب جحیم" سے مراد کفار اہل کتاب ہیں اور یہ بات صراحت کے ساتھ اس اثر میں موجود ہے جسے عبد اللہ بن حمید الفریابی' ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے اپنی تفاسیر میں حضرت مجاہدؒ سے بیان کیا ہے کہ سورہ البقرہ کی ابتدائی آیات میں سے چار آیات مومنین کی تعریف میں ہیں اور تیرہ آیاتِ منافقین کی صفت میں ہیں اور پھر آیت نمبر چالیس سے ایک سو بیسویں آیت تک بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کے حق میں ہیں اس روایت کی سند صحیح ہے۔

اور جو چیز اس امر کو مزید مضبوط کرتی ہے وہ یہ ہے کہ سورہ البقرہ مدنی اور اس میں اکثر طور پر یہودیوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور مناسبت کے لحاظ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جحیم' لغت و آثار کی رو سے آگ کے اس طبقہ کا نام ہے جو بہت بڑا ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم حضرت ابی مالک رضی اللہ عنہ سے "اصحاب جحیم" کے تحت روایت نقل کرتے ہیں کہ "جحیم" آگ کے بہت بڑے اور سخت طبقہ کا نام ہے۔

ابن جریر اور ابن منذرؒ حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ "**لها سبعة ابواب**" کے تحت نقل کرتے ہیں کہ دوزخ کے ان طبقات کے نام یہ ہیں۔

جہنّم' لظٰی' حطمہ' سعیر' سقر' جحیم' ہادیہ اور فرمایا کہ جہنم کا چھٹا طبقہ یعنی جحیم "ابو جہل کے لئے" ہے اور اس روایت کا اسناد صحیح ہے' ابو جہل اپنے عظیم کفر' سخت گناہ' دعوتِ اسلام سے عناد و انحراف اور علم کے بعد انکار کرنے کے باعث اسی مقام کے لائق ہے اس کے بارے میں تخفیف عذاب کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اب جب کہ یہ ظاہر ہے کہ جہنم کا یہ سخت تر طبقہ "جحیم" اس بڑے سے بڑے کفر کی سزا ہے جو دعوت و تبلیغ کے وقت "ابو جہل" جیسے معاندین سے سرزد ہوتا تھا۔ اور جب یہ صحیح ہے کہ حضور ﷺ کی قرابت داری کی وجہ سے تمام اہل نار سے کم تر عذاب حضرت ابو طالب کا ہے۔

اور آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا ادراک کر کے آپ سے

حسن سلوک بھی کیا اور طویل عمر پانے کے باوجود اس دعوت کو "بظاہر" قبول کرنے سے رکے بھی رہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین "رضی اللہ عنہما" کے جنتی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے جب کہ انہیں حضرت ابو طالب سے کہیں زیادہ اپنے بیٹے ﷺ کی قرابت اور محبت حاصل ہے اور ان کے لئے زمانہ فترت کا عذر بھی موجود ہے اور ان کی عمریں بھی مختصر ہیں۔ ان شواہد کی موجودگی میں ان کے متعلق یہ غلط گمان رکھنا کہ وہ معاذ اللہ دوزخ کے تحت تر طبقہ جحیم میں ہیں۔ معمولی سا ذوق سلیم رکھنے والے شخص کے لئے بھی ناقابل فہم امر ہے۔

نیز وہ حدیث کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے سینہ اطہر پر تھپکی دے کر کہا کہ آپ مشرکہ "والدہ" کے لئے استغفار نہ کریں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو علامہ بزار ؒ نے غیر معروف افراد کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اور وہ حدیث جس میں ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی والدہ مکرمہ کے لئے استغفار کرنے سے منع کرنے کے لئے آیت کریمہ **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ** نازل ہوئی ہے تو اس کے متعلق بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ:

آیت کریمہ حضرت ابو طالب کے حق میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر ان کے لئے استغفار شروع کیا کہ جب تک مجھے منع نہ کیا گیا میں آپ کے لئے استغفار کروں گا۔

اور وہ حدیث جس میں آپ نے بنو ملیکہ کو فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری ماں کے ساتھ جہنم میں ہے معاذ اللہ تو اسے امام حاکم نے المستدرک میں نقل کرتے ہوئے اس کی تصحیح بھی کی اور المستدرک' حدیث کو صحیح قرار دینے میں جس قدر سہل پسند واقع ہوئے ہیں وہ ایک مشہور بات ہے اور علوم حدیث میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ اگر اکیلے صاحب مستدرک کسی حدیث کو صحیح قرار دیں تو ان کی بات کو قبول نہیں کیا جائے گا پھر علامہ ذہبی جب اس حدیث کو مختصر المستدرک میں لائے ہیں تو آپ نے وہاں حاکم کے قول کو بھی نقل کیا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں' عقبہ کہتے ہیں

میں نے کہا قسم بخدا عثمان بن عُمیر کو دار قطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پس علامہ ذہبی نے اس حدیث کے ضعف کو واضح کیا ہے اور اس پر شرعی حلف بھی اٹھایا ہے پس جب اس مسئلہ میں صرف ضعیف احادیث ہی پائی جاتی ہیں تو دوسری احادیث پر غور کرنے کا وسیع میدان موجود ہے۔

علاوہ ازیں یہ حقیقت ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں سے کچھ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین یعنی دینِ حنیف پر بھی تھے اور انہوں نے شرک کو ترک کر رکھا تھا اور جب یہ حقیقت موجود ہے تو اس کے لئے کون سا امر مانع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین بھی اسی مسلکِ حنیفہ پر ہی گامزن تھے۔

چنانچہ حافظ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی تصنیف "التلقیح" میں لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بتوں کی عبادت ترک کرنے والوں کے یہ نام ہیں۔

ابوبکر صدیق' زید بن عمرو بن نفیل' عبداللہ بن جحش' عثمان بن الحویرث' ورقہ بن نوفل' رباب بن البرا' اسعد بن حمیری' قیس بن ساعدہ ایادی' ابو قیس بن

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ کی دیوار سے پشت سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھا اور وہ کہہ رہے تھے اے گروہ قریش! تم میں سے میرے سوا کوئی شخص بھی دین ابراہیم پر نہیں پھر کہا اے اللہ اگر مجھے اس طریق عبادت کا علم ہوتا جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو اس طریق سے تیری عبادت کرتا لیکن مجھے اس کے متعلق علم نہیں۔

یہ روایت اس امر کی تائید کرتی ہے جو مسلک اوّل کے تحت بیان کیا جا چکا ہے کہ اس وقت کوئی ایسا آدمی باقی نہ رہ گیا تھا جو دعوت و تبلیغ کا کام کرتا اور دعوت کی حقیقت سے آشنا ہوتا۔

نیز حافظ ابو نعیمؒ "دلائل النبوۃ" میں عمرو بن عبسہ سلمیؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے دورِ جاہلیت ہی میں اپنی قوم کے معبودوں سے اعراض کر لیا تھا اور امام بیہقیؒ اور حافظ ابو نعیمؒ دونوں نے دلائل النبوۃ میں شعبی کے طریق سے

جہینہ کے ایک بزرگ سے روایت بیان کی ہے کہ عمیر بن حبیب الجہنی نے زمانہ جاہلیت میں شرک ترک کر رکھا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ نے اسلام کا زمانہ پالیا۔

نیز اشاعرہ کے امام شیخ ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ ابوبکر ہمیشہ اس سے رضا کے ساتھ رہے اور لوگوں میں اس کلام کی مراد کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ابوبکر صدیق بعثت سے پہلے مومن تھے کہ ابو الحسن اشعری نے اس کلام میں کہا ہے جبکہ دوسروں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ ایسی حالت میں رہے کہ وہ موردِ غضب نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ عنقریب ایمان لا کر چنے ہوئے لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

حضرت علامہ شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر اس سے یہ امر مراد ہے تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر ہیں اور جو عبارت علامہ اشعری نے حضرت صدیقؓ کے حق میں لکھی ہے تو "بات یہ ہے کہ اس سے کسی کی حق تلفی نہیں ہوئی صحیح بات یہ ہے کہ حضرت صدیق کے متعلق یہ بات کہیں ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی اللہ تعالیٰ کا انکار کیا ہو' شاید بعثت مصطفےٰ ﷺ سے قبل آپ کی حالت زید بن عمرو بن نفیل اور ان کے ساتھیوں جیسی ہو' یہی وجہ ہے کہ دوسرے صحابہ کو چھوڑ کر' خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہی بات رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے حق میں بھی ہے کیونکہ ان دونوں کی طرف سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کفر کا حال ثابت نہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کا حال بھی ویسا ہی ہو جیسا حال زید بن عمرو بن نفیل' ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھیوں کا تھا بے شک ان دونوں کو رسول اللہ کی برکت سے زمانہ جاہلیت میں دینِ حنیف حاصل تھا۔

تیسرا مسلک

حضور ﷺ کے والدین کا معجزتاً زندہ ہو کر آپ ﷺ پر ایمان لانا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لئے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس مسلک کی طرف حفاظ محدثین کے طائفہ کثیرہ کا میلان پایا جاتا ہے جن میں ابن شاہینؒ' حافظ ابوبکر خطیب بغدادیؒ' امام سہیلیؒ' امام قرطبیؒ' محب طبریؒ اور علامہ ناصرالدین دمشقیؒ شامل ہیں۔

ان حضرات نے اس مسلک کا استدلال اس روایت سے کیا ہے جسے علامہ ابن شاہینؒ نے "الناسخ والمنسوخ" میں حافظ ابوبکر خطیب بغدادیؒ نے "السابق واللاحق" میں امام دار قطنیؒ اور ابن عساکرؒ نے "غرائب مالک" میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں۔ حضور ﷺ نے ہمارے ساتھ آخری حج کیا اور آپ حجون کی گھاٹی سے نہایت غمزدہ حالت میں تشریف لا کر میرے پاس سے گزرے اور پھر آپ نیچے اتر کر طویل عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہے اور پھر جب آپ وہاں سے لوٹ کر میرے پاس تشریف لائے تو آپ نہایت شادمان وشگفتہ خاطر تھے اور آپ کے ہونٹوں پر تبسم کھیل رہا تھا۔

میں نے آپ سے اس خوشی کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ

ذھبت الی قبر امی فسالت اللہ ان یحییھا فاحیاھا فامنت بی و ردھا اللہ۔

میں نے اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر جا کر اللہ تعالیٰ سے ان کو زندہ کرنے کی دعا کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں زندہ فرما دیا اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس بلا لیا۔

حضرت امام سہیلیؒ اس روایت کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔

اللہ قادر علی کل شی و لیس تعجز

اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت

رحمتہ و قدرتہ عن شی و نبیہ ﷺ اھل ان یختص بماشاء من فضلہ و ینعم علیہ بما شاء من کرامتہ

حاصل ہے اور اس کی رحمت وقدرت کسی امر میں درماندہ اور کمزور نہیں اور حضور ﷺ اس بات کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جس بزرگی اور خصوصیت سے چاہے نوازے۔

اور حضرت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ زندہ کرنے والی حدیث کا نہی الاستغفار والی حدیث سے کوئی تعارض نہیں اور اس کی دلیل ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ وہ حدیث ہے جس میں حجۃ الوداع کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ ابن شاہین نے اس حدیث کو دوسری حدیث کا ناسخ قرار دیا ہے۔

حضور ﷺ کے لئے احیائے موتیٰ کا ثبوت

علامہ ناصرالدین منیر مالکی کتاب "المقتفیٰ فی شرف المصطفیٰ" میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی مکرم ﷺ کے لئے مردوں کو زندہ کیا گیا اور یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات کی مثل و نظیر ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے مزید وضاحت سے فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کفار کے لئے استغفار سے منع فرمایا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی' میرے والدین کو زندہ کیا جائے' چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی خاطر آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور وہ حالت ایمان میں فوت ہوئے۔

حضرت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے فضائل آپ کے وصال مبارک تک مسلسل ظہور پذیر ہوتے رہے اور یہ بات بھی آپ کے فضائل میں ہے نیز یہ کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین کا زندہ ہونا اور ایمان لانا عقلاً اور شرعاً ممتنع نہیں۔ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے مقتول کا اپنے قاتل کے متعلق اطلاع دینے کا ذکر موجود ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے نبی مکرم ﷺ کے ہاتھوں پر مردوں کی ایک

جماعت کو زندہ فرمایا۔

پس جب امور ثابت ہیں تو حضور رسالت مآب ﷺ کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کے بعد ایمان لانے میں بھی کوئی امتناع نہیں' بلکہ یہ تو حضور ﷺ کے فضل و کرامت میں اضافہ کا باعث ہے۔

جناب حافظ فتح الدین بن سید الناس اپنی سیرت کی کتاب "عیون الاثر" میں حضور ﷺ کے والدین کریمین کے زندہ ہونے کے واقعہ کے بعد بیان کرتے ہیں کہ تعذیب کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں۔ ان کے درمیان بعض اہل علم نے تطبیق کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ہی مقامات رفیعہ اور درجات عالیہ کی طرف بلند ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال مبارک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے قرب خاص میں جگہ دی۔

پس یہ جائز ہے کہ یہ درجہ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہو کیونکہ آپ کے لئے اس سے قبل اس درجہ کا ظہور نہ ہوا تھا اور زندہ کرنے اور ایمان لانے کا واقعہ ان احادیث سے بعد کا ہے پس ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں پایا جاتا اور اس کی طرف بعض علماء نے اشارہ کیا ہے۔

بعد ازاں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی خبر "وما اسداہ" بیان کی ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت حلیمہؓ آپ کے پاس تشریف لائیں۔

هذا جزاء الام عن ارضاعه لكن جزاء الله عنه عظيم
و كذالك ارجو ان يكون لامه عن ذاك امنة يد و نعيم
و يكون احياها الاله وامنت بمحمد فحديثها معلوم
فربما سعدت به ايضا كما سعدت به بعد الشفاء حليم

یہ والدہ کی طرف سے انہیں دودھ پلانے کی جزا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جزائے عظیم ملے گی۔ اور مجھے حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہی امید ہے کہ ان پر احسانات و انعامات ہوں گے'

کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا اور وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے انہوں نے سعادت سے ایسے ہی حصہ لیا جیسا کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو ملا۔ اگرچہ یہ بات بھی مسلم ہے کہ بسا اوقات انسان کو شقاوت کے بعد سعادت نصیب ہو جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی اپنی کتاب "مورد الصادی فی مولد الہادی" میں مذکورہ بالا حدیث بیان کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہیں کہ۔

حبا اللّٰہ للنبی مزید فضل ۔۔۔ علی فضل و کان بہ رؤفا

فاحیا امہ و کذا ابوہ ۔۔۔ لایمان بہ فضلا لطیفا

فسلم فالقدیم بذا قدیر ۔۔۔ وان کان الحدیث بہ ضعیفا

اللہ تبارک وتعالیٰ حضور نبی اکرم ﷺ پر مزید فضل وکرم نازل فرمائے۔ وہ آپ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا تاکہ وہ آپ پر ایمان لائیں یہ اس کا آپ پر بڑا ہی لطیف فضل ہے اور تم بھی اس بات کو تسلیم کرلو کہ وہ ایسے امور پر قدیم سے ہی قدرت رکھتا ہے اگرچہ اس بارے میں بیان ہونے والی حدیث ضعیف ہے۔

حضرت امام سہیلی "الروض الانف" میں مسلم کی حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین کے متعلق کفر منسوب کرنے کی ایسی کوئی بات کرنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ زندوں کو مردوں کے باعث ایذا نہ دو اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا

(الاحزاب ۳۳:۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے (اس نے) ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ابو بکر بن العربی مذہب مالکیہ کے اماموں میں سے ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ کے والدین آگ میں ہیں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کے مطابق یہ بات کہنے والا شخص ملعون ہے۔

ولا اذی اعظم من ان یقال عن ابیہ انہ فی النار	اور اس سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے لئے اور اذیت کیا ہو گی کہ آپ کے والدین کریمین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ آگ میں ہیں۔

بعض علماء پانچویں قول کی طرف گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے' چنانچہ شیخ تاج الدین الفاکہانی اپنی کتاب "الفجر المنیر" میں فرماتے ہیں کہ

اللّٰہ اعلم بحال ابویہ	اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے والدین کے حالات کو زیادہ جانتا ہے۔

حضور ﷺ کو مباح فعل سے بھی ایذاء دینا جائز نہیں

الباجی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مباح فعل سے ایذاء دینا بھی جائز نہیں جب کہ دوسرے لوگوں کو مباح فعل سے ایذاء دینا جائز ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کو مباح فعل سے ایذاء دینے سے ہمیں منع نہیں کیا گیا اور نہ ہی فعل مباح کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچتی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جب ابو جہل کی بیٹی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کی بات ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا! فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ امر کو حرام نہیں کرتا۔ مگر خدا کی قسم! رسولِ خدا کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک آدمی کے ہاں جمع نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ مؤلف نے دونوں پر حکم قرار دیا کہ حضور ﷺ کو فعل مباح سے بھی تکلیف نہیں دینی چاہئے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑی ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا

(الاحزاب '۳۳:۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے (اس نے) ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پس مومنین پر یہ شرط لگادی گئی کہ وہ دوسرے لوگوں کو ان کے کسی فعل کے بغیر ایذا نہ دیں' اور حضور ﷺ کو ایذاء دینا خصوصیت کے ساتھ غیر مشروط طور پر منع ہے۔

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یحییٰ بن عبد المالک بن ابی غنیہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے عامل نوفل بن الفرات نے بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس اہل شام کا ایک امان یافتہ کاتب تھا۔ اس نے ایک ایسے آدمی کو ایک ضلع کا افسر بنا دیا' جس کے باپ نے ایک مجوسیہ سے زنا کیا تھا۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ تجھے اس امر کی جرأت کیسے ہوئی کہ ایسے شخص کو ایک ضلع کا افسر بنا دیا۔ اس نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ امیر المؤمنین کو خیریت سے رکھے اس بات کی وجہ سے مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے والد بھی مشرک تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس کی یہ بات سنی تو آہ سرد کھینچ کر خاموش ہو گئے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا کیا میں اس کی زبان کانوں یا ہاتھ اور ٹانگ کاٹ دوں یا اس کی گردن ہی کاٹ دوں؟ پھر فرمایا جب تک میں زندہ ہوں تو حکمران نہیں بن سکے گا۔

سیدنا امام جلال الدین سیوطیؒ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ مجھ سے کہا گیا کہ میں اس مسئلہ کو نظم کی صورت دے کر اپنی تالیف کو ختم کر دوں تو میں نے

کہا "جس رب عظیم نے حضرت محمد ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور آپ کے صدقہ اور وسیلہ سے جنوں اور انسانوں کو ان امور سے نجات دے گا جو ان کی ہلاکت کا باعث ہیں تو آپ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نجات کا حکم بھی مشہور و معروف ہے اور اہل تصنیف حضرات نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔"

جن میں سے ایک جماعت نے آپ ﷺ کے والدین کریمین کو ان اشخاص پر محمول کیا ہے، جن کے پاس دعوت دینے والے مددگاروں کی خبر نہیں پہنچی اور جس شخص کو دعوت کی خبر نہ پہنچے اس پر عذاب کا حکم نہیں ہوگا اور یہی مذہب تمام شافعیوں اور اشعریوں کا ہے اور سورہ اسراء میں اس کے متعلق حجت موجود ہے اور قرآن مجید میں اس کے بارے میں جو آیات پائی جاتی ہیں وہ مشہور و معروف ہیں اور بعض فقہاء نے اس کی تعلیل میں نہایت لطیف معانی بیان کئے ہیں اور امام رازیؒ نے ایک الگ موقف اختیار کیا ہے جو سننے سے تعلق رکھتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

اذھم علی الفطرۃ التی ولدوا و لم یظھر عناد منھم و تخلف	حضور ﷺ کے والدین کریمین فطرت پر پیدا ہوئے ہیں اور ان سے دینِ اسلام کے خلاف عناد اور مخالفت کا اظہار نہیں ہوا۔

اور دوسرے گروہ کا موقف ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین توحید اور دین حنیف پر پیدا ہوئے تھے اور حضرت آدمؑ سے لے کر آپ کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک آپ کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی مشرک نہیں تھا اور نہ ہی ان میں سے کسی نے توحید کو ناپسند کیا ہے۔

نیز یہ کہ زمانہ جاہلیت میں ایک فرقہ دین ہدایت پر تھا جس میں زید بن عمرو اور ابن نوفل اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں ان لوگوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور حضرت امام سبکیؒ نے اس پر ایک مقالہ لکھا ہے اور امام اشعریؒ نے اس کے علاوہ مزید لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ توحید پرست رہے ہیں۔ وہ رسول

اللہ ﷺ کی صحبت کے زیر اثر تھے اور انہوں نے جاہلیت میں بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ اندریں حالات رسول اللہ ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما شرک سے بچے رہنے کا زیادہ استحقاق رکھتے ہیں اور انہوں نے بیشمار نشانیوں کو دیکھا ہے۔

ایک جماعت نے آپ کے والدین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔ ابن شاہین نے اس بارے میں ایک حدیث کا تذکرہ کیا لیکن وہ حدیث ضعیف ہے۔ چنانچہ اگر یہ تمام مسالک متفرد یعنی الگ الگ بھی ہوتے تو بہر صورت کافی تھے۔ اب جبکہ یہ سب ایک جگہ جمع ہیں تو اس شخص کی کیا حالت ہو گی جو ادبا خاموش رہنے پر بھی راضی نہیں ہوتا؟ مگر انصاف پسند شخص کہاں؟ اللہ تبارک وتعالی حضور نبی اکرم ﷺ پر رحمت نازل فرمائے کسی توحید پرست نے ان کی طرح دین حنیف کی تجدید نہیں کی۔"

حضرت امام بیہقی شعب الایمان میں حدیث بیان فرماتے ہیں کہ حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو ادرکت والدی او احدھما وانا فی صلوۃ العشاء و قد قرات فیھا بفاتحۃ الکتاب تنادی یا محمد لاجبتھالبیک

اگر میں اپنے والدین میں سے دونوں یا کسی ایک کو پالیتا اور میں عشاء کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھ چکا ہوتا تو اس حالت میں میری والدہ محترمہ مجھے آواز دیتیں کہ اے محمد ﷺ! تو میں انہیں نماز چھوڑ کر جواب دیتا کہ امی جان میں حاضر ہوں۔

علامہ صلاح صفدی نے اپنے تذکرہ میں رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی حضرت عبداللہ کے یہ اشعار نقل فرمائے ہیں کہ۔

لقد حکم السارون فی کل بلدہ — بان لنا فضلا علی سادۃ الارض

وان ابی ذو المجد والسؤددالذی — یشار بہ ما بین نشز الی خفض

وجد و اباء لہ اثلوا العلا — قدیما بطیب العرق والحسب المحض

ہر ملک کے مسافروں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ہمیں زمین کے سرداروں پر فضیلت حاصل ہے اور میرے والد گرامی حضرت عبدالمطلب اس سرداری اور بزرگی والے ہیں جس کی طرف ہر نشیب و فراز سے اشارہ کیا جاتا ہے اور ان کے آباؤ اجداد قدیم سے ہی پاک حسب والے ہیں۔

- امام موفق الدین بن قدامہ حنبلیؒ اپنی کتاب المقنع کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو مسلمان یا کافر حضور ﷺ کی والدہ معظمہ پر اتہام تراشی کرتا ہے اسے قتل کر دیا جائے۔

باب۔۳

امام زرقانیؒ کی تحقیق

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

ان النبی ﷺ نزل الحجون کئیبا حزینا فاقام بہ ماشاء اللہ عز وجل ثم رجع مسرورا' قال سالت ربی' فاحیالی امی فامنت بی ثم ردھا

نبی کریم ﷺ مقام حجون پر سخت پریشان و مغموم حالت میں اترے۔ پھر جب تک اللہ نے چاہا وہاں ٹھہرے۔ پھر خوشی خوشی واپس تشریف لائے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں حالتوں (پریشانی اور خوشی) کے بارے میں پوچھا' جیساکہ بعد والی حدیث میں ہے) تو فرمایا "میں نے اپنے رب سے (والدہ کو زندہ کرنے کا) سوال کیا۔ تو اس نے میرے لئے میری ماں کو زندہ فرمایا' پھر وہ مجھ پر ایمان لائیں' پھران پر دوبارہ موت طاری فرمادی۔

اسی طرح اس حدیث عائشہؓ کو ابو حفص بن شاہین نے اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں روایت کیا۔ اس سے پہلے وہ حدیث ذکر کی جس میں سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کرنے اور ان کے لئے دعائے مغفرت سے روکنے کا ذکر ہے۔ (امام شاہین نے) اس کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اس حدیث کو لائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ مقام حجون میں پریشان و مغموم حالت میں اترے۔ جب تک اللہ نے چاہا' آپ وہاں ٹھہرے رہے۔ پھر خوش خوش لوٹے'

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ حزن میں مغموم و افسردہ تھے۔ فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا اس نے میرے لئے میری والدہ کو زندہ فرمایا' وہ مجھ پر ایمان لائیں' پھر ان کو واپس کر دیا۔ یہ الفاظ امام شاہین کے ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ وغیرہ کی کتابوں میں تصریح ہے۔

یُونہی' حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے والدین کا ایک ساتھ زندہ ہونا بیان کیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ دونوں حضور ﷺ پر ایمان لائے' اس روایت کو "الروض الانف" میں امام سہیلیؒ نے بیان کیا ہے۔ (امام سہیلیؒ نے) فرمایا' کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

ان رسول اللہ ﷺ سال ربہ ان یحیی ابویہ فاحیاھا لہ فامنا بہ ثم اماتھما

(الروض الانف' ۱: ۱۱۳)

کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے والدین کو زندہ کرنے کی دعا فرمائی' پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرمایا' وہ دونوں آپ پر ایمان لائے' پھر ان کو وفات دے دی۔

امام سہیلیؒ فرماتے ہیں۔

واللہ قادر علی کل شی و لیس تعجز رحمتہ و قدرتہ عن شی و نبیہ ﷺ اھل ان یختصہ بما شاء من فضلہ و ینعم علیہ بما شاء من کرامتہ

(الروض الانف' ۱: ۱۱۳)

اللہ ہر ممکن پر قادر ہے اور اس کی رحمت و قدرت عاجز نہیں۔ اور اللہ کے نبی اللہ کے مخصوص فضل و کرامت اور انعام کے اتنے ہی مستحق ہیں جتنا وہ چاہے۔

یُونہی خطیبِ بغدادی نے "السابق واللاحق" میں اسے ذکر کیا ہے۔

بعض علماء نے یہ یقین ظاہر کیا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے والدین جنتی ہیں۔ اسی حدیث اور دیگر نصوص سے استدلال کرتے ہوئے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ

یہ مسلک کسی ایک عالم کا ہے حالانکہ ان حضرات کے ایمان کے قائل ایک کثیر تعداد میں ہیں۔ جن لوگوں نے حدیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "سبل النجاۃ" میں اس رائے کا اظہار کیا ہے۔

ان اللہ احیاھما حتی امنا بہ

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں حضرات کو زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے۔

اس کی قائل ائمہ و حفاظِ حدیث کی ایک بڑی جماعت ہے اور انہوں نے اس مسلک کی نسبت حدیثِ ضعیف کی طرف کی ہے نہ کہ موضوع کی طرف۔

چنانچہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود انہوں نے اس کے مطابق عقیدہ و عمل رکھنے کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ یہ مناقب سے متعلق ہے۔ پس ان کا قول بھی سیوطیؒ کے قول کی طرف رجوع کرتا ہے۔ التلمسانی نے اپنے حواشی میں لکھا ہے۔

روی اسلام امہ بسند صحیح و روی اسلام ابیہ و کلاھما بعد الموت تشریفا لہ حتی اسلما

حضور ﷺ کی والدہ کا اسلام سندِ صحیح سے مروی ہے' اور والدِ محترم کا اسلام بھی ثابت ہے اور حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو وفات کے بعد زندہ کیا' یہاں تک کہ دونوں اسلام لائے۔

"الدرج المنیفہ" میں ہے کہ بعض نے اس حدیث کی تائید اس متفقہ قاعدے سے کی ہے۔ کہ جس نبی کو بھی کوئی معجزہ ملا ہے ویسا ہی معجزہ ہمارے نبی ﷺ کو بھی ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قبروں سے مردے زندہ کئے' لہٰذا لازم ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے بھی ایسا ہو۔ اور اس سلسلہ میں اس قصہ کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں آیا' لہٰذا اس کا ثبوت کچھ بعید نہیں۔ اگرچہ اس قسم کے معجزات میں

سے (بکری کی زہر آلود) ران کا بولنا کہ مجھے نہ کھائیں' مجھ میں زہر ہے اور لکڑی کے ستون کا نالہ کناں ہونا' موجود ہیں۔ لیکن ایسے معجزات عیسیٰ علیہ السلام کے نہیں تھے۔ لہٰذا مثال دیتے وقت یہ مناسب ترین مثالیں ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ جن ذرائع سے حدیثِ ضعیف قوی ہوتی ہے' ان میں سے ایک ذریعہ ہے حدیث کا قواعدِ مقررہ کے موافق ہونا۔

ان اللّٰہ احیا علی ید المصطفیٰ جماعۃ" — اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں پر ایک جماعت کو زندہ فرمایا۔

امام سیوطی" وغیرہ نے بھی اس قول کو برقرار رکھا ہے۔ اور مصنف نے معجزات کی بحث میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے دست مبارک پر پانچ آدمیوں کو زندہ کیا ہے جن میں آپ کے والدین بھی شامل ہیں۔ اور تائید کرنے والی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قبروں سے مردے زندہ فرمائے۔

امام قرطبی" اپنی کتاب "التذکرۃ بامور الآخرۃ" میں فرماتے ہیں:

بان فضائلہ ﷺ وخصائصہ لم تزل تتوالی و تتتابع الی حین مماتہ لیکون ھذا مما فضلہ اللّٰہ بہ اکرمہ — رسول اللہ ﷺ کے فضائل وخصائل آپ کی وفات تک مسلسل ظاہر ہوتے رہے پس یہ آپ کے والدین کا زندہ کرنا' بھی اللہ کے احسانات وفضائل میں سے ہے جن سے آپ کو مشرف فرمایا۔

لہٰذا ان کو زندہ کرنے کی حدیث کو قیاس واجماع سے رد نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قرآن واجماع کا محل خصوصیات کے علاوہ ہے۔

ابن شاہین" اور حاکم" نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مساۃ ملیکہ کے دو بیٹے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگے' ہماری ماں مہمان کی عزت کرتی تھی اور اس نے زمانہ جاہلیت میں زندہ بچی بھی درگور کی تھی تو فرمایئے

ہماری ماں کہاں ہے؟ فرمایا تمہاری ماں جہنم میں ہے۔ وہ پریشان حال (مایوس ہو کر) اٹھ کھڑے ہوئے' سرکار نے ان کو بلایا۔ فرمایا میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے۔ ایک منافق کہنے لگا یہ اپنی ماں کے کسی کام نہیں آ سکتا جیسے ملیکہ کے بیٹے اپنی ماں کے کام نہ آ سکے۔ اس پر ایک انصاری جوان بولا' یارسول اللہ اگر آپ اپنے والدین کے بارے میں (رب سے سوال کریں) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میں ان کے بارے میں مقام محمود پر کھڑا ہو کر جو بھی سوال کروں گا اللہ عطا فرمائے گا' اس مقام پر جیسا کہ سیوطیؒ نے کہا کہ آپ کا یہ فرمان "میری ماں تمہاری ماں کے ساتھ ہے" اللہ سے ان کے حق میں دعا کرنے سے پہلے تھا۔ پس یہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ان کے زندہ کرنے اور ایمان لانے کا ذکر ہے۔ اور جائز ہے کہ رسول اللہ ﷺ' اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور وہ آپ کو عطا فرمائے' اور آپ کے صحابہ کرام اس کو جائز سمجھتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ آپ ﷺ کے خصائص کا تقاضا ہے۔

پس دلیل خصوصیت سے مدعا پر روز روشن کی طرح دلائل حاصل ہو گئے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے والدین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا عقل کی رو سے بھی محال نہیں کیونکہ ایسے امور جائز و ممکن ہیں۔ لہٰذا یہ کہ اس حدیث کو موضوع قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اسے عقل محال قرار دیتی ہے اور نہ شرعاً اسے محال قرار دیا جا سکتا ہے' قرآنِ عزیز میں بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کرنا اور اس کا اپنا قاتل بتانا موجود ہے اور وہ اس طرح کہ ان کا ایک شخص قتل ہو گیا' قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا' انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ اللہ پاک سے دعا کریں' کہ وہ ان کا قاتل بتا دے' اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیں۔ سو انہوں نے گائے ذبح کی' اور اس کے ٹکڑے سے مردے کو مارا اس سے وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے چچازادوں کے متعلق کہا مجھے فلاں فلاں نے قتل کیا ہے' یا بھتیجوں کے متعلق' اور مر گیا' ان دونوں کو وراثت سے محروم کیا گیا اور ان کو قتل کر دیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی مردے زندہ کرتے تھے یہ نصِ قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ

آپ نے اپنے دوست "عازر" کو اس کی موت اور دفن کے تین دن بعد زندہ کیا اور ایک بڑھیا کے بیٹے کو جو اپنے بیٹے کی لاش پر گری ہوئی تھی اور لاش کفن میں لپٹی ہوئی تھی اور عاشر کی بیٹی کو زندہ کیا' یہ لوگ مدت تک زندہ رہے اور ان کی اولاد ہوئی۔ اور عزیر علیہ السلام کو اور سام بن نوح علیہما السلام کو جو اس وقت فوت ہو گئے چنانچہ اللہ پاک نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر بھی کئی مردے زندہ فرمائے پس آپ نے اس شخص کی بیٹی زندہ فرمائی جس نے کہا تھا کہ میں اس وقت تک آپ پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کریں۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کو آواز دی۔ اس نے کہا "لبیک و سعدیک" میں حاضر ہوں یا رسول اللہ اور سب سعادتیں آپ کے لئے ہیں" اس کو امام بیہقیؒ نے "دلائل نبوت" میں روایت کیا۔ یونہی ایک انصاری نوجوان فوت ہوئے ان کی بوڑھی نابینا ماں نے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف اپنی ہجرت کا وسیلہ پیش کیا' اللہ نے اس نوجوان کو زندہ کر دیا" اس حدیث کو امام بیہقیؒ ابن عدیؒ وغیرہ نے روایت کیا۔

ایک اور روایت ہے کہ۔

لما مات زید بن حارثہ بین سراۃ الانصار کشفوا عنہ فسمعوا علی لسانہ قائلا یقول محمد رسول اللہ

جب انصاری سردار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما (حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے) فوت ہوئے' لوگوں نے ان کے منہ سے کپڑا ہٹایا تو ان کو زبان سے یہ آواز سنی محمد رسول اللہ... الخ

اس حدیث کو ابن ابی دنیاؒ نے اپنی کتاب "من عاش بعد الموت" میں ذکر کیا ہے۔

ابن الضحاکؒ نے حدیث نقل کی۔

ان انصاریا توفی فلما کفن و حمل قال محمد رسول اللہ

ایک انصاری فوت ہو گئے جب ان کو کفن دے کر جنازہ اٹھایا گیا تو انہوں نے کہا محمد رسول اللہ

یہ ہے خلاصہ اس تحریر کا جو مصنف نے معجزات کے باب میں لکھی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو حضور ﷺ کے والدین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے میں کیا مانع ہے؟ یہ بات آپ کی عزت و فضیلت میں ایک اضافہ ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کیلئے سورج کو غروب ہونے کے بعد لوٹا دیا۔ اس روایت کو امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سالم حنفیؒ نے روایت کیا۔ جو قابل وثوق محدث و فقیہ تھے۔

سورج کے رد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جیسے مردوں کو زندہ کرنا اور مرنے کے بعد ان کا زندگی سے فائدہ اٹھانا عقل کی رو سے ناممکن ہے۔ یونہی غروب ہونے کے بعد سورج کا پلٹ آنا اور اس سے اسی طرح فائدہ اٹھانا جیسے غروب سے پہلے تھا عقل سے دور اور غیر متوقع ہے حالانکہ اسے لوٹایا گیا اور اس سے فائدہ اٹھایا گیا اسی طرح مرنے کے بعد مردے کو زندہ کرنا اور اس کی زندگی سے فائدہ اٹھانا بھی ممکن ہے اگرچہ عام عادت کے خلاف ہے۔

حافظ ابن سید الناسؒ نے بھی وہ بات نقل کی ہے جس کی طرف قرطبیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہ آقا ﷺ کی خصوصیت ہے۔ چنانچہ "العیون" میں ابن اسحاقؒ کی وہ روایت ذکر کرنے کے بعد کہ ابو طالب مرتے وقت ایمان لائے تھے۔ ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہا اور حضرت آمنہ بنت وھب رضی اللہ عنہا (سرکار دو عالم ﷺ کے والدین کریمین) بھی ایمان لائے تھے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے (سرکارؐ کی دلجوئی کی خاطر) دونوں کو زندہ فرمایا تھا اور وہ آپ پر ایمان لائے تھے اور یہی مروی ہے آپ کے دادا جان حضرت عبد المطلب کے بارے میں۔ ہاں یہ قول امام احمدؒ کی اس روایت کے خلاف ہے جو ابو زرین عقیلیؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میری ماں کہاں ہے؟ فرمایا" جہنم میں میں نے عرض کی" آپ کے جو بزرگوار گزر چکے؟ فرمایا" کیا تجھے یہ بات پسند نہیں کہ تیری ماں میری ماں کے ساتھ ہو؟"

بعض اہل علم نے ان روایات میں یہ تطبیق دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک برابر درجاتِ عالیہ' اور مقاماتِ رفیعہ کی طرف بڑھتے رہے' اور اللہ تعالیٰ اپنی مخصوص رحمتوں اور برکتوں سے اپنا قرب عطا فرماتا رہا۔

تو ممکن ہے کہ پہلے آپ کو یہ مقام حاصل نہ ہو اور بعد میں حاصل ہو گیا۔ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کرنا اور ان کا ایمان لانا ان احادیث کے بعد ہو جن میں ان کے جنتی ہونے کی نفی ہے پس کوئی اختلاف نہ رہا۔ یہ اچھی توجیہہ ہے۔

حدیث کے بغیر جن علماء نے حضور ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا قول کیا ان کی دلیل کی طرف مصنف اشارہ کرتے ہیں کہ ان کو نجات یافتہ کہنے والا یہ دلیل بھی پیش کر سکتا ہے کہ وہ حضرات بعثت سے پہلے زمانہ فترت میں فوت ہوئے ہیں جب کہ روئے زمین پر جاہلیت کا دور دورہ تھا اور کوئی دعوتِ حق دینے والا (نبی) نہیں تھا اور ان دونوں کا انتقال بھی اوائل عمر میں ہوا۔ حافظ صلاح الدین علائی نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضور ﷺ کے والد محترم کا انتقال اٹھارہ سال کی عمر میں ہوا۔ اور والدہ ماجدہ کا انتقال تقریباً بیس سال کی عمر میں ہوا۔ اور ایسے زمانہ میں ایسے مقاصد کی تحقیق و تفتیش کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور جس آدمی کو دعوتِ اسلام نہ پہنچے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نجات پانے والا ہے (بشرطیکہ شرک یا انکار نہ کرے) اس کو عذاب نہیں ہو گا اور وہ جنت میں جائے گا یہ بات "سبل النجاۃ" میں لکھی ہے۔ (اور بعثت سے پہلے عذاب نہیں ہو سکتا) فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل' ۱۷:۱۵)

ہم جب تک رسول نہ بھیجیں عذاب نہیں دیتے۔

یعنی وہ رسول جو ان کے سامنے دلائل بیان کریں اور شرعی احکام مرتب کریں اس میں دلیل ہے کہ شریعت کے آنے سے پہلے (احکام شرع) واجب نہیں۔ علمائے اصول میں سے ائمہ اشاعرہ اور فقہائے شافعیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس آدمی کو دعوت ایمان نہ پہنچے اور وہ مرجائے تو نجات یافتہ ہے اور جنت میں داخل ہو گا۔

جس آدمی کو دعوتِ ایمان نہ پہنچی اس کا مسئلہ دوبارہ ایک اصول کی طرف

پھرتا ہے۔ وہ یہ کہ غافل کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ علم اصول میں یہی بات درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ذَالِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ○
(الانعام ۶:۱۳۱)

یہ اس لئے ہے کہ تمہارا رب بستیوں کو اس حال میں تباہ نہیں کرتا کہ ان کے باشندے (پیغامِ حق سے) غافل و بے خبر ہوں۔

پھر جن لوگوں کو دعوتِ ایمان نہیں پہنچی ان کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ وہ بخشے ہوئے ہیں۔ اسی قول کو امام سبکی نے اختیار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ فترت پر ہیں ان میں سے کچھ نے ان کو مسلمان بتایا ہے۔ امام غزالی نے کہا تحقیق یہ ہے کہ ان کو مسلمان کے معنی میں مانا جائے۔ کئی علماء رسول اللہ ﷺ کے والدینِ کریمین کے متعلق بھی اسی راستے پر چلے ہیں۔ ان حضرات نے اس کی تصریح کی ہے کہ ان دونوں کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی۔ سبط ابن الجوزی نے ان کا یہ قول مراۃ الزمان میں نقل کیا ہے۔ ہمارے شیخ شیخ الاسلام شرف الدین المناوی اسی طرف مائل تھے اور جب ان سے والدینِ کریمین کے متعلق پوچھا جاتا تو یہی جواب دیتے۔

اہل فترت کے متعلق کئی احادیث آئی ہیں کہ وہ موقوف ہوں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن امتحان ہوگا۔ جس نے اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی جہنم رسید ہوگا۔

حافظ ابن کثیر نے حضور کے والدین اور تمام اہلِ فترت کے امتحان کے بارے میں فرمایا ان میں کچھ تو لبیک کہنے والے ہیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی شفاعت کے بدلے ان کو اسلام لانے کی توفیق دی۔ جیسا کہ امام تمام نے اس کو اپنے فوائد میں کمزور سند کے ساتھ ابنِ عمر سے روایت کیا کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔

اذا کان یوم القیامۃ شفعت لابی و امی	میں قیامت کے دن اپنے والدین کی شفاعت کروں گا۔

اور حاکم نے ابنِ مسعود کی یہ صحیح روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ کے والدین کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

ما سالتھم ربی فیعطینی فیھما و انی لقائم یومئذ المقام المحمود	ان کے متعلق جو بھی اپنے رب سے مانگوں گا عطا فرمائے گا جبکہ میں اس دن مقام محمود پر فائز ہوں گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ ان کے حق میں آپ کی شفاعت قبول ہونے کی امید ہے تاکہ امتحان کے وقت ان کو اطاعت کی توفیق ہو جائے۔ اسی کے ساتھ ملا دی جائے گی وہ روایت جس کو ابو سعد نے "شرفُ النّبوّت" میں اور دیگر علماء نے حضرت عمر ؓ سے مرفوعاً ذکر کیا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میرے گھر کا کوئی فرد جہنم میں داخل نہ ہو۔ تو اس نے مجھے یہ عطا فرما دیا۔ یونہی ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (الضحیٰ ۹۳:۵)	عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

کی تفسیر اس طرح نقل کی کہ حضرت محمد ﷺ کی رضا میں سے یہ بھی ہو گا کہ آپ کا کوئی اہلِ بیت دوزخ میں داخل نہ ہو۔ یہ احادیث ایک دوسرے کی تائید و تقویت کر رہی ہیں۔ اس لئے کہ ضعیف حدیث جب متعدد سندوں کے ساتھ روایت کی جائے تو قوی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ علم الحدیث میں یہ طے شدہ قاعدہ ہے۔ اس کی ایک مثال ابن مسعود کی حدیث ہے۔ حاکم نے اسے صحیح بتایا ہے کہا کہ یہ طریق پہلے سے مختلف ہے کہ ان کو دعوتِ ایمان نہیں پہنچی جیسا کہ میں نے یہاں اس کو لکھا ہے کیونکہ پہلے قول کا تقاضا یہ ہے کہ جس کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اس کی نجات اور دخول جنت کا یقین کیا جائے اس کو امتحان پر موقوف نہ سمجھا جائے۔ کبھی اس

قول کو اس کا مترادف کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے "مسالک الحنفاء" "الدرج المنفیہ" اور "المقامہ السندسیہ" میں لکھا ہے۔ اور یہی بات تحقیق سے قریب تر ہے۔

امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر "اسرار التنزیل" میں فرمایا ہے کہ وہ دونوں حضرات ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف پر تھے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ان جیسے دوسرے حضرات تھے۔ یہ ان حضرات کی نجات کے متعلق تیسرا قول ہے۔ امام صاحب کی عبارت یہ ہے "کہا گیا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔" اس پر کئی دلائل علماء نے پیش کئے ہیں۔ ایک یہ کہ انبیائے کرام کے آباؤ اجداد کافر نہیں ہوتے۔ شانِ نبوت کے پیش نظر یونہی ان کی مائیں' جیسا کہ اس پر یقین سے فوائد لکھنے اور تتبع و تلاش سے دلائل نقل کئے۔ اسی طرح اس کی اجمالی و تفصیلی دلیلیں (اور اس پر کئی دلائل موجود ہیں) کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا۔ ان میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ (الشعراء' ۲۶:۲۱۸'۲۱۹)	(اللہ وہ ہے) جو آپ کے قائم ہونے کے وقت اور آپ کا ساجدین کی طرف پھرنا دیکھ رہا ہے

اس کا معنی ہے کہ حضور ﷺ کا نور آدم علیہ السلام سے ظہور قدسی تک ایک سجدہ گزار سے دوسرے سجدہ گزار کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

چنانچہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرست نہ تھے۔ اور ان دلائل میں سے کہ محمد ﷺ کے آباؤ اجداد مشرک نہ تھے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے جس کو ابو نعیمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا (میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ' ۹:۲۸)	مشرک تو محض ناپاک ہیں۔

اور جب کہا جائے ان میں کوئی مشرک تھا' تو یہ حدیث کے خلاف ہو گا۔ تو

لازم ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی مشرک نہ ہو۔

علامہ محقق سنوسی اور شفاء کے محشی تلمسانی نے یہ قول پسند کیا ہے ان دونوں نے کہا' حضور ﷺ کے ماں باپ کی طرف شرک نہیں گیا اور یہ دونوں حضرات مسلمان تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ پاکیزہ پشتوں سے پاک ارحام کی طرف منتقل ہوئے اور یہ سب کچھ اللہ پر ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے خلاف مؤرخین نے جو نقل کیا ہے وہ حیاء وادب کی کمی ہے۔

یہ بات تمام آباؤ اجداد کے لئے لازم ہے گو ان دونوں حضرات نے اسے صرف سرکار کے والدین تک محدود رکھا ہے

سیوطیؒ نے کہا میرے پاس امام رازیؒ کے اس کلام کی مضبوط دلیلیں ہیں۔

عام بھی اور خاص بھی۔ عام دو مقدموں سے مرکب ہے۔

پہلا یہ کہ تمام صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ سرکار کے اجداد میں سے ہر جد اپنے زمانہ کا بہترین شخص ہوتا تھا۔ مثلاً بخاری کی حدیث میں ہے کہ مجھے اولاد آدم کے بہترین ادوار میں سے لایا گیا یہاں تک کہ اس بہترین دور میں مجھے مبعوث فرمایا گیا۔

دوسرا یہ حقیقت ثابت ہے کہ زمین سات یا اس سے زائد ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں ہوتی جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین والوں کے خطرات دور فرماتا ہے۔ اس کو عبدالرزاق اور ابن المنذر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شرط شیخین پر نقل کیا ہے کہ ہمیشہ زمین پر سات یا زیادہ مسلمان رہیں گے اگر ایسا نہ ہو تو زمین اور اس پر رہنے والے تباہ ہو جائیں۔ امام احمد نے کتاب "الزہد" اور الخلال نے "کرامات الاولیاء" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند علی شرط شیخین یہ روایت نقل کی ہے۔ نوح علیہ السلام کے بعد روئے زمین سات ایسے بزرگوں سے خالی نہیں ہوئی جن کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ زمین والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

ان دو مقدموں کو ملانے سے نتیجۃً امام رازی کی بات ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر آپ کے اجداد میں سے ہر بزرگ اپنے دور کے ان سات بزرگوں میں سے ہو جن کا

ذکر ہوا ہے تو مدعا ثابت ہو گیا۔ اور اگر آپ کا جد امجد ان سات میں شامل نہ ہوا تو دو میں سے ایک نتیجہ سامنے آئے گا۔ یا تو ان حضرات سے بہتر کوئی اور ہو گا؟ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حدیثِ صحیح کے خلاف ہے۔ یا یہی حضرات بہتر ہوں گے مگر مشرک بھی ہوں گے بالاتفاق باطل ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (البقرہ '۲:۲۲۱) مسلمان غلام مشرک (آزاد) سے بہتر ہے۔

تو ثابت ہوا کہ وہ دینِ توحید پر تھے تاکہ اپنے زمانہ میں تمام اہلِ زمین سے بہتر ہو سکیں۔

دلیل خاص: ابن سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نوح علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کے درمیان جتنے سرکار کے آباؤ اجداد تھے مسلمان تھے۔ ابن جریر' ابن ابی حاتم' ابن المنذر' البزار اور حاکم جنہوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس پشتیں ہیں۔ اور یہ تمام شریعتِ حقّہ پر تھیں' پھر انہوں نے اختلاف کیا

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ تو اللہ نے نبی بھیجے۔

اسی طرح قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کا یہ قول منقول ہے۔

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا (نوح '۷۱:۲۸) پروردگارا مجھے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش اور جو کوئی ایمان لا کر میرے گھر داخل ہو جائے (اس کو بھی)۔

نوح علیہ السلام کا بیٹا سام قرآن اور اجماع کی رو سے مسلمان تھا۔ بلکہ ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ نبی تھا۔ اور آپ کے بیٹے ارفخشد کے ایمان کی تصریح تو اثر ابن عباس سے ملتی ہے۔ جس کو ابن عبد الحکیم نے تاریخِ مصر میں ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے دادا نوح علیہ السلام سے ملاقات کی تھی۔ اور آپ نے اسے یہ دعا دی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی اولاد میں حکومت بھی اور نبوت بھی عطا فرمائے۔ اور

ابن سعد نے کلبی کے طریق سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ "بابل کے باشندے نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر نمرود کے دور تک ہمیشہ مسلمان رہے۔ پھر نمرود نے ان کو بت پرستی کی دعوت دی۔ نمرود ہی کے دور میں ابراہیم علیہ السلام اور آزر تھے۔ رہی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد' تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ○ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

(الزخرف' ۴۳:۲۶-۲۸)

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا میں اس ذات کے سوا جس نے مجھے پیدا کیا تمہارے تمام معبودوں سے بیزار ہوں۔ عنقریب وہی رہنمائی فرمائے گا۔ اور یہی بات انہوں نے اپنی آنے والی نسلوں میں باقی چھوڑی۔

عبداللہ حمید نے ابن عباس اور مجاہد سے یہ روایت نقل کی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے رہنے والا کلمہ ہے۔

اور قتادہ کی یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ لا الہ الا اللہ کی گواہی اور توحید' آپ کی اولاد میں سے ان میں ہمیشہ رہے گی جو اسے پڑھتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا

(ابراہیم' ۱۴:۳۵)

الٰہی اس شہر کو امن والا بنانا۔

ابن جریر نے اس سلسلہ میں مجاہد کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی اپنی اولاد کے متعلق دعا قبول فرمائی۔ پس آپ کی دعا کے بعد آپ کی اولاد میں سے کسی نے بت پرستی نہ کی۔ ابن ابی حاتم نے سفیان بن عیینہ کے متعلق نقل کیا کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے بت پرستی کی؟ فرمایا نہیں' تم نے ان کی یہ دعا نہ سنی۔

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ
(ابراہیم ۱۴: ۳۵)

مجھے اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے بچانا۔

سوال کیا گیا اسحاق علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی باقی اولاد اس دعا میں کیسے داخل نہ ہو سکی؟ فرمایا اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس اولاد کے لئے بت پرستی سے بچنے کی دعا کی تھی جن کو مکہ معظمہ کی سرزمین پر بسایا تھا۔ تمام روئے زمین کے لئے نہیں۔ فرمایا۔ "مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا" اس میں انہوں نے اپنی اہل اولاد کو خاص فرمایا۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
(ابراہیم ۱۴: ۳۷)

اے میرے پروردگار! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد کو بسا دیا ایسی وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی۔ تیرے محترم و معزز گھر کے پاس' اے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔

ابن المنذر نے ابن جریج سے اس آیت کریمہ کے تحت رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ فرمایا اولاد ابراہیم علیہ السلام سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرتِ اسلام پر رہیں گے۔ یعنی صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ صحیح حدیثیں موجود ہیں اور علماء کی تصریحات بھی بکثرت ملتی ہیں کہ اہلِ عرب ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ان کے دین پر قائم رہے' ان میں سے کسی نے کفر نہیں کیا یہاں تک کہ عمرو بن عامر الخزاعی آیا۔ یہی شخص عمرو بن لحی کہلاتا ہے۔ یہ پہلا بت پرست تھا اسی نے ابراہیم علیہ السلام کا دین بدلا تھا۔ اس کا دور رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ کنانہ کا دور تھا۔ پھر مدلّل طور پر یہ بات ذکر کی کہ جناب عدنان' جناب معد جناب ربیعہ' جناب مضر' جناب خزیمہ' جناب اسد' جناب الیاس اور جناب کعب دین ابراہیمی پر تھے۔

پھر فرمایا ہمارے تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سرکار کے آباؤ اجداد آدم علیہ

السلام سے لے کر جناب کعب اور جناب مرہ کی اولاد تک آزر کے علاوہ سب کے ایمان کی تصریح ہے۔ آزر میں اختلاف ہوا ہے۔ اگر یہ سلسلہ نسب محفوظ ہے۔ جناب مرہ اور جناب عبدالمطلب کے درمیان چار واسطے بذریعہ نقل مجھے ملے نہیں۔ اور جناب عبدالمطلب میں اختلاف ہے جسے المسعودی کے حوالے سے امام سہیلی نے بیان کیا ہے لیکن ان کے متعلق صحیح تر یہ بات ہے کہ ان کو دعوتِ اسلام پہنچی نہیں۔ اسی کی طرف حافظ شمس الدین ناصرالدین دمشقی نے اشارہ کیا ہے۔

تنقل احمد نورا عظیما تلالا فی جباہ الساجدینا

تنقل فیھم قرنا فقرنا الی ان جاء خیر المرسلینا

احمد ﷺ بڑے نور کی حالت میں منتقل ہوتے رہے۔ اور سجدہ کرنے والوں کی جبینوں میں چمکتے رہے۔ ان میں ایک دور سے دوسرے دور تک منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ رسولوں کی خبر آ پہنچی۔

امام زرقانیؒ اس سوال کے جواب میں کہ حضور ﷺ کو آپ کی والدہ کے لئے دعا سے روکا گیا اور دوسری حدیث "میری ماں تیری ماں کے ساتھ ہے" فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں ان کے لئے دعائے مغفرت کی ممانعت ہے' یہ کفر کی دلیل نہیں' کیونکہ ابتدائے اسلام میں نبی کریم ﷺ کو اس قرض دار کی نماز جنازہ سے منع کر دیا گیا تھا جو ادائے قرض کے لئے مال چھوڑ کر فوت نہ ہوتا۔ یونہی اس کی دعائے مغفرت سے بھی منع کر دیا گیا تھا حالانکہ وہ مسلمانوں میں سے ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کی دعائے مغفرت فوراً قبول ہوتی ہے' پس آپ نے جس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی وہ آپ کی دعا کے بعد جنت میں اپنے ٹھکانے پہنچ گیا اور مقروض جب تک قرض ادا نہ کرے اسے اس کے ٹھکانے سے روک دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے لہٰذا ممکن ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ مومنہ حنفیہ ہونے کے باوجود کفر کے سوا کسی اور وجہ سے عالم برزخ میں' جنت میں جانے سے روکی گئی ہوں۔ اس کا تقاضا تھا کہ آپ کو ماں کی دعائے مغفرت کی اجازت نہ دی جائے یہاں تک کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اجازت

دے دی پھر فرمایا کہ حدیث "میری ماں تیری ماں کے ساتھ ہے" کمزور سند کے علاوہ اس سے ان کا جنتی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برزخ میں ساتھ ہیں۔ اور بھی مفہوم ہو سکتے ہیں۔ اس بات کو آپ نے اشارہ و کنایہ کے انداز میں بیان فرمایا کہ ان کے دل خوش ہو جائیں۔ اس سے بھی بہتر یہ جواب ہے کہ یہ کلمات آپ نے اس وقت فرمائے تھے جب بذریعہ وحی آپ کو ان کا جنتی ہونا نہیں بتایا گیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے تبع کے بارے میں فرمایا۔ "معلوم نہیں تبع لعنتی تھا یا نہیں" اس روایت کو حاکم اور ابن شاہین نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا اور بعد میں جب آپ کو اس کے بارے میں وحی ہوئی تو فرمایا "تبع کو برا بھلا نہ کہو کہ وہ مسلمان تھا" اس کو ابن شاہین "الناسخ والمنسوخ" میں سہیلیؒ اور ابن عباسؓ سے روایت کیا۔ گویا سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے متعلق پہلے کوئی وحی نہیں ہوئی تھی اور آپ تک یہ بات نہ پہنچی تھی کہ آخر وقت میں ان کی زبان پر کیا تھا۔ تو اہل جاہلیت کے طریقہ کے مطابق فرما دیا کہ "میری ماں تیری ماں کے ساتھ ہے۔" پھر اس کے بعد ان کا معاملہ آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا' اس کی تائید خود حدیث کے ان آخری کلمات سے بھی ہوتی ہے "جو میں نے ان کے متعلق اپنے رب سے مانگا" فرمایا کہ دونوں حدیثوں کا ایک اور جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ سیدہ توحید پر تھیں' ہاں ان کو قیامت کے متعلق تفصیلی معلومات نہیں پہنچے تھے۔ اور چونکہ یہ بہت بڑا عقیدہ ہے' لہٰذا اللہ نے آپ کو زندہ کیا کہ قیامت کی تفصیل اور تمام شرعی احکام پر ایمان لائیں۔ اسی لئے آپ کا زندہ کرنا حجۃ الوداع تک موخر کیا تا کہ شریعت کامل ہو جائے اور آیت کریمہ **الیوم اکملت لکم دینکم** نازل ہوئی تو سیدہ سلام اللہ علیہا کو زندہ کیا گیا یہاں تک آپ اس تمام شرعی تعلیم پر ایمان لائیں جو سرکار پر اتری فرمایا یہ توجیہہ بہت نفیس ہے "بقول قاضی عیاض حضور ﷺ کا رونا" ان کے عذاب کی وجہ سے نہ تھا یہ تو اظہار افسوس تھا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا زمانہ نہ پایا "آپ کی شان و شوکت نہ دیکھی" اور آپ پر ایمان نہ لائیں۔ اللہ نے آپ کے رونے پر ترس کھاتے ہوئے ان کو زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔

قاضی عیاضؒ کی یہ عبارت کتنی خوبصورت ہے اس میں صراحت ہے کہ سرکار کا رونا اس لئے تھا کہ سیدہ اس امت میں شامل ہونے کے شرف سے رہ گئیں اس لئے نہیں کہ وہ ملتِ حنیفیہ میں نہ تھیں۔

اہلِ فترت کی تین قسمیں

اہلِ فترت کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم

جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید حاصل کر لی" یعنی اپنے علم کی وجہ سے سو اس بصیرت نے ان کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ان کا عقیدہ صحیح ترین ہو اور اس کے تمام پہلو درست ہوں وغیرہ "پھر ان لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو شریعت میں داخل نہیں ہوئے" بلکہ توحید کی طلب اور اللہ کی بندگی کرتے رہے اور نبی ﷺ کے ظہور کا انتظار کرتے رہے جیسے قس بن ساعدہ امادی' اہل جاہلیت میں سے بعثت انبیاء پر ایمان لانے اور خطبہ دیتے وقت عصا پر ٹیک لگانے والا پہلا شخص ہے اور پہلا شخص ہے جس نے اما بعد کہا اور پہلا شخص ہے جس نے **من فلان الی فلان** (فلاں سے فلاں کی طرف) لکھا تین سو اسی سال زندہ رہا بہت سے اہل علم نے لکھا ہے کہ چھ سو سال زندہ رہا۔ خطیب' دانا اور عقلمند تھا۔ صاحب علم و فضل تھا۔ یہ بات المرزبانی نے ذکر کی۔ ابو نعیم "الدلائل" میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ قس بن ساعدہ' عکاظ کے بازار میں اپنی قوم سے خطاب کرتا اپنے ایک خطبہ میں کہتا ہے "عنقریب اس طرف سے حق معلوم ہو گا' اپنے ہاتھ سے مکہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے کہا یہ حق کیا ہے؟ کہا لوی بن غالب کی اولاد میں سے ایک شخص تم کو کلمہ اخلاص کی طرف دعوت دے گا۔ اگر تم کو دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنا اور اگر مجھے معلوم ہو کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو اسکی طرف سے سب سے پہلے لپکنے والا میں ہوں۔ ازدی وغیرہ کی سندوں کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع

روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ قس پر رحم فرمائے" گویا میں اس کو نیل گوں اونٹ پر میٹھی باتیں کرتا دیکھ رہا ہوں' جو یاد نہیں رہیں" بعض لوگوں نے کہا ہمیں اس کی باتیں یاد ہیں' فرمایا لاؤ' تو انہوں نے ایسا خطبہ بیان کیا جو نصیحت و حکمت سے پر تھا ابن شاہین نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا "اللہ قس پر رحم کرے گویا میں اس کو نیلگوں اونٹ پر ایسی باتیں کرتا دیکھ رہا ہوں' جو مجھے یاد نہیں رہیں۔ اس پر ابو بکر صدیقؓ نے کہا مجھے یاد ہیں' فرمایا بیان کرو پھر انہوں نے بیان کیں۔

عبداللہ بن احمد نے "زیادات الزہد" میں کہا جب قبیلہ بکر بن وائل کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ تو حضور ﷺ نے ان سے قس بن ساعدہ ایادی کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو مر گئے ہیں۔ فرمایا گویا میں اس کو سوق عکاظ میں سرخ اونٹ پر سوار دیکھ رہا ہوں۔ اصابہ میں "ابن حجر نے" کہا صاحب "کتاب البیان" کے حوالے سے لکھا ہے کہ قس اور اس کی قوم کو جو فضیلت نصیب ہوئی' وہ کسی عربی کو حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا کلام اور بازار عکاظ میں اس کا اونٹ پر کھڑا ہونا اور وعظ کرنا خود بیان فرمایا اور اس کے حسن کلام پر تعجب فرمایا اور اس کی تائید فرمائی ۔ اس شرف سے تو تمنائیں عاجز اور زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق صرف قس کو نصیب فرمائی اس کے عقیدہ توحید' اظہارِ اخلاص اور ایمان بالبعث کے طفیل۔ اسی لئے قس بالاتفاق "خطیب بالعرب" تھا۔ اور "زید بن عمرو بن نفیل" سعید بن زید کے والد تھے۔ سعید عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے چچا بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے توحید طلب کی' بت پرستی ترک کی اور شرک سے کنارہ کش رہے اور بعثت سے پہلے فوت ہوئے۔ ابن سعد اور الفاکھی نے عامر بن ربیعہ سے روایت کی جو بنی عدی بن کعب کے حلیف تھے کہ مجھے زید بن عمرو نے کہا میں نے اپنی قوم کی مخالفت کی اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی ملت کی پیروی کی۔ اور جس کی وہ بندگی کرتے تھے اور

اس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور میں اولاد اسماعیل میں ایک نبی کے مبعوث ہونے کا منتظر تھا میرا خیال ہے کہ میں اسے پا نہ سکوں گا۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں' اس کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں اگر تمہاری زندگی دراز ہو تو میری طرف سے ان کو سلام عرض کر دینا' عامر کہتے ہیں جب میں نے یہ تمام بات رسول اللہ ﷺ کو عرض کر دی تو سرکارؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے لئے دعائے رحمت فرمائی اور فرمایا میں نے اسے جنت میں دامن گھسیٹتے دیکھا ہے۔ زبیر بن بکار نے عروہ سے روایت کی ہمیں پتہ چلا ہے کہ زید شام میں تھا اس کو نبی کریم ﷺ کے ظہور کی خبر پہنچی وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضری کے لئے آ رہا تھا کہ زمین بقاء میں قتل ہو گیا۔

ابن اسحاق نے کہا جب علاقہ "لخم" کے درمیان آیا تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے قتل ہوا۔

البزار اور طبرانی نے حضرت سعید بن زید ؓ سے روایت کی کہ میں اور حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا اللہ ان کو بخشے اور رحم فرمائے۔ بے شک وہ دین ابراہیم علیہ السلام پر فوت ہوئے ہیں۔

یونہی عامر بن الظرب العدوانی' قیس بن عاصم تمیمی' صفوان بن ابی امیہ الکنانی' زہیر بن ابی سلمٰی بھی اس جماعت میں شامل ہیں' جن کا ذکر شہرستانی نے کیا چنانچہ کوئی اچنبے کی بات نہیں کہ والدین کریمین بھی اسی زمرہ میں شامل ہوں بلکہ وہ بطریق اولیٰ اس گروہ میں شامل ہیں۔

دوسری قسم

اہل فترت کی دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے اصل دین تبدیل کر دیا' شرک اختیار کر لیا اور توحید کا انکار کر دیا' اور اپنے لئے ایک راہ متعین کر لی' پس حلال بھی کرتے رہے اور حرام بھی یہ اکثر عرب تھے جیسے عمرو بن لحی بن قمعہ بن الیاس بن مضر (پہلا شخص جس نے عرب میں بت پرستی شروع کی) طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

عنہا سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے دینِ ابراہیم علیہ السلام کو بدلا عمرو بن لحی تھا۔

ابن اسحاق نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ عمرو بن لحی شام میں گیا اس زمانہ میں وہاں بنی عمالقہ بستے تھے جو بت پرست تھے اس نے ان سے ایک بت مانگا۔ اور اس کو کعبہ میں لا کر نصب کر دیا اس بت کا نام ہبل تھا۔ محمد بن حبیب نے ابن الکلبی سے اس کا سبب اس طرح نقل کیا کہ ایک جن اس شخص کا تابع تھا جس کا نام ابو ثمامہ تھا۔ ایک رات یہ جن اس کے پاس آ کر کہنے لگا ابو ثمامہ کی بات مان لے اس نے کہا ثمامہ حاضر ہے' جن نے کہا جدہ کے ساحل پر جاؤ وہاں تیار بت پاؤ گے' ان کو لو کسی کو نہ دینا اور ان کی عبادت کی دعوت دو قبول ہو گی۔ یہ شخص جدہ گیا وہاں اس کو وہ بت ملے جن کی عبادت زمانہ نوح علیہ السلام میں ہوتی تھی۔ یہ ان کو لے آیا اور ان کی عبادت کی دعوت دی۔ اس کی وجہ سے عرب میں بت پرستی پھیلی یہ بات فتح الباری میں مذکور ہے۔

امام سہیلی نے "الروض" میں فرمایا جب قبیلہ خزاعہ بیت اللہ شریف پر قابض ہوا اور بنی جرہم کو مکہ سے جلاوطن کر دیا۔ عربوں نے اس کو رب بنا لیا' یہ ان کے لئے جو بھی بدعت جاری کرتا وہ اس کو شریعت بنا لیتے کیونکہ یہ شخص لوگوں کو موسم حج میں کھانا کھلاتا اور کپڑے پہناتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے دس ہزار جانور قربان کئے اور دس ہزار حلے پہنائے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا کہ یہ پہلا شخص تھا جس نے خانہ کعبہ میں بت داخل کئے اور لوگوں کو ان کی عبادت کی ترغیب دی فرمایا کہ ابراھیم علیہ السلام کے زمانہ میں تلبیہ اس طرح پڑھا جاتا تھا۔ **لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک** یہاں تک کہ عمرو بن لحی کا زمانہ آیا جب یہ شخص تلبیہ پڑھ رہا تھا تو شیطان ایک بزرگ کی شکل میں اس کے سامنے آیا اور تلبیہ پڑھنے لگا عمرو نے کہا **لبیک لا شریک لک** بزرگ کہنے لگا **الا شریک ھو لک** عمرو نے اس پر برا منایا اور کہا یہ کیا؟ بزرگ نے کہا یہ کہو **تملکہ و ما ملک** مگر وہ شریک جو تو نے خود بنایا تو اسے مالک بنائے اور جس کا وہ مالک ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں عمرو نے یہ کلمہ کہا اور پھر تمام عرب اس پر عمل پیرا ہو گیا۔

اس نے کئی احکام شروع کر دیئے' بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام کے نام سے جانوروں کو بتوں کے نام موسوم کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کا گوشت چمڑہ وغیرہ کے کھانے اور استعمال کرنے کو حرام قرار دیا۔ ان جانوروں کی مختصراً وضاحت درج ذیل ہے۔

بحیرہ

وہ اونٹنی ہوتی جس کا دودھ دوھنا بتوں کے نام پر منع کر دیتے لہٰذا کوئی اس کا دودھ حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ (وہ اونٹنی جو پانچ بچے دے اور جب آخری بچہ ہوتا تو اس کا کان چھید دیتے اور بتوں کے نام آزاد چھوڑ دیتے۔ دودھ' گوشت یا کام لینا سب حرام سمجھتے)

سائبہ

بتوں کے نام موسوم اونٹنی یعنی وہ اونٹنی جو اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اس پر بوجھ وغیرہ نہیں اٹھوایا جاتا تھا۔

وصیلہ

جو اونٹنی پہلی بار بچہ بچی دونوں دے دوسری بار بچی دے تو اس کو بھی اپنے بتوں کے لئے مخصوص کر دیتے۔ بشرطیکہ درمیان میں بچہ نہ آجائے۔

حام

وہ سانڈ اونٹ جس کی جفتیوں سے مخصوص تعداد میں اونٹیاں گابھن ہو جائیں۔ (دس عدد) جب یہ مقام حاصل کر لے تو اسے اپنے بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے اور اس کو بار برداری سے مستثنیٰ کر دیتے پھر ان پر بوجھ نہ لادتے۔ اس کا نام انہوں نے حام رکھا۔

ان میں وہ گمراہ اہلِ فترت بھی ہیں۔ جو نہ مشرک تھے نہ موحد نہ کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے نہ اپنے لئے کوئی الگ شریعت گھڑی نہ نیا دین بلکہ اپنی طویل عمریں ان تمام باتوں سے غفلت میں گزار دیں یہ تمام لوگ قسم ثانی سے تعلق رکھتے

ہیں' جن کو عذاب دینا صحیح ہے۔ ان کے کفر کی وجہ سے اس لئے اس روش سے وہ نافرمانی کی تمام حدیں پھلانگ گئے۔ اللہ نے اس قسم کے تمام لوگوں کو کفار و مشرکین قرار دیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب ان میں سے کسی کا حال بیان کرتا ہے تو ان پر کفر و شرک کی مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ ان کی بدعات کا ردّ و انکار کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ — اللہ نے کوئی بحیرہ وغیرہ نہیں بنایا۔

(المائدہ' ۵:۱۰۳)

پھر فرمایا لٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (بلکہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں) اور ان میں ان کے اکثر عقل سے کورے ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے باپ دادے کی اندھی تقلید میں یہ سب کچھ کیا۔

تیسری قسم

اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جن تک دعوت حق پہنچی ہی نہیں۔ ان کو عذاب نہیں ہو گا اس پر اتفاق ہے انہی میں حضور ﷺ کے والدین کریمین بھی شامل ہیں ان کا دور متاخر تھا' لہٰذا ان کو دعوت نہیں پہنچی اور ان کے اور گزشتہ انبیاء کرام کے دور میں دوری ہے اور اس لئے کہ یہ دونوں دورِ جاہلیت میں تھے۔ جس میں شرق و غرب میں ہر طرف جہالت تھی اور احکام شرع جاننے اور صحیح دعوت پہنچانے والے' بس چند اہل کتاب علماء تھے جو شام وغیرہ مختلف ممالک میں بکھرے ہوئے تھے اور والدین کریمین کا مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں سفر کرنا ثابت نہیں اور نہ ان کی اتنی عمریں تھیں کہ مقصد کی تفتیش و تحقیق کرتے۔ علاوہ ازیں والدہ محترمہ پردہ نشین' گھر میں محفوظ بیٹھنے والی تھیں' نہ لوگوں سے میل ملاپ' نہ معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ۔ اور آج جبکہ اسلام شرق سے غرب تک پھیل چکا ہے آج کی عورتیں عام احکام شرع سے ناواقف ہیں کیونکہ علماء و فقہائے کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا نہیں تو تمہارا زمانۂ جاہلیت و فترۃ کے متعلق کیا خیال ہے' جب عورتیں چھوڑ کر مرد بھی یہ سب کچھ نہیں جانتے تھے

اسی لئے حضور ﷺ کی بعثت پر اہل مکہ نے تعجب کیا:

اَبَعَثَ اللّٰہُ بَشَرًا رَّسُوْلًا کیا اللہ نے ایک آدمی کو رسول بنایا ہے؟
(بنی اسرائیل، ۱۷:۹۴)

اور یہ بھی کہا۔

لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا
(حم السجدہ، ۴۱:۱۴)،

اگر ان کو اللہ کے رسول بھیجنے کا علم ہوتا تو اس بات کا انکار نہ کرتے اور بسا اوقات ان کا یہ بھی خیال ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسی دین کے ساتھ بھیجا تھا جس پر ہم ہیں ان کو ایسا آدمی نظر نہیں آیا جو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو اصل صورت میں ان تک پہنچاتا کیونکہ ان میں طویل زمانہ حائل تھا اور کوئی اس حقیقت سے واقف بھی نہ تھا کیونکہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ حائل تھا یہ بات مسالک الحنفاء اور اس کا خلاصہ الدرج المنفیہ میں ذکر فرمایا اور اس سے پہلے بھی کچھ مزید لکھا ہے۔

رہی پہلی قسم مثلاً قس اور زید بن عمرو تو ان کے متعلق آقا علیہ السلام نے فرمایا "ان میں سے ہر ایک کو موحد کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا"۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت سعید بن زید سے روایت کی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی میرا باپ ایسا ہی تھا جیسا آپ نے دیکھا اور جیسے آپ تک اس کی بات پہنچی تو آپ اس کے حق میں دعائے مغفرت فرمائیے۔ فرمایا "ٹھیک ہے وہ قیامت کے دن توحید پر اٹھیں گے"۔ الیعمری نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے "اللہ قس پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ توحید پر اٹھائے گا"۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے امید بھی وقوع پذیر ہو کر رہتی ہے۔

طبرانی نے اپنی کبیر اور اوسط میں سند کیساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا:

رحم اللّٰہ قسا اللہ قس پر رحم فرمائے۔

کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ قس پر رحم بھیج رہے ہیں؟ فرمایا ہاں وہ میرے باپ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے دین پر تھا۔

باب۔۴

امام احمد رضاؒ کی تحقیق

اللّٰھم لک الحمد الدائم الباطن الظاھر صلّ وسلّم علیٰ المصطفیٰ الکریم نورک الطیب الطاھر الزاھر الذی نزھتہ من کل رجس واودعتہ فی کل مستودع طاھر و نقلتہ من طیب الیٰ طیب فلہ الطیب الاوّل والاٰخر و علیٰ اٰلہٖ و صحبہ ۔ (آمین)

دلیل۔۱

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ (البقرہ ۲:۲۲۱)

بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

بعثت من خیر قرون بنی اٰدم قرنا فقرنا حتی کنت فی القرن الذی کنت فیہ

میں بنی نوع انسان میں قرناً بعد قرن بہترین زمانوں میں مبعوث ہوتا رہا یہاں تک کہ اس زمانے میں میری بعثت ہوئی۔

(رواہ البخاری فی کتاب المناقب)

حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اس حدیث صحیح میں ہے۔

لم یزل علی وجہ الدھر (الارض) سبعہ " مسلمین فصاعدا فلو لا ذالک ھلکت الارض و من علیھا

(اخرجہ عبد الرزاق وابن المنذر)

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں ایسا نہ ہوتا تو زمین واہلِ زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حدیثِ صحیح میں ہے۔

ما خلت الارض من سبعة" بدفع اللہ بهم عن اهل الارض

نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کے سبب اللہ تعالیٰ اہلِ زمین سے عذاب رفع فرماتا رہا ہے۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ ہر قرن وطبقہ میں روئے زمین پر کم سے کم سات مسلمان بندگانِ مقبول ضرور رہے ہیں اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانہ ہر قرن میں اس زمانے کے بہترین لوگوں میں سے تھے اور آیتِ قرآنیہ سے واضح ہے کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف النسب ہو کسی غلام مسلمان سے بھی خیرو بہتر نہیں ہو سکتا تو واجب ہوا کہ مصطفےٰ ﷺ کے آباء وامہات ہر قرن وطبقہ میں انہیں بندگانِ صالح ومقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفےٰ ﷺ اور قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ کے مخالف ہو گا۔

یہ دلیل خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ نے بیان فرمائی۔

والمعنى ان الكافر لا يستائل شرعا ان يطلق عليه انه من خيار القرن لا سيما وهناك مسلمون صالحون وان لم ير الخرية الا بحسب النسب فافهم

کافر کے ساتھ شرعاً تخفیف نہیں ہو گی اگرچہ اسے خیرِ قرن میں مطلق رکھا گیا ہے اور یہاں صالح مسلمان ہیں۔ اور بہتر ہونا نسب کے اعتبار سے ہی سمجھا جاتا ہے۔ پس اسے جان لے۔

دلیل ـ ۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ
(التوبہ ۹: ۲۸)

کافر تو ناپاک ہی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں۔

لم یزل اللّٰہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الطاہرۃ مصفی مھذبا لا تتشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما (الدرالمنثور، ۵: ۹۸)	ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے منتخب مہذب پاکیزہ پشتوں میں نقل فرماتا رہا۔ (صاف ستھرا آراستہ) ہر دور میں جب دو شاخیں پیدا ہوئیں ہیں ان میں بہتر قبیلہ (شاخ) میں تھا۔

ایک اور مقام پر آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

لم ازل انقل من اصلاب الطاہرین الی ارحام الطاہرات (رواہما ابو نعیم فی دلائل النبوۃ)	میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔

دوسری حدیث میں آقا ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

لم یزل اللّٰہ ینقلنی من الاصلاب الکریمۃ والارحام الطاہرۃ حتی اخرجنی من بین ابوی (رواہ ابن ابی عمرو العدنی فی مسندہ)	ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے مبارک پشتوں اور پاکیزہ رحموں میں نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔

سو ضروری ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے آبائے کرام طاہرین وامہات کرائم طاہرات سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ قرآن کی رُو سے کسی کافرو کافرہ کے لئے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔ یہ دلیل امام ——— فخرالدین رازیؒ نے بیان فرمائی اور امام جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ محقق سنوسیؒ وعلامہ تلمسانیؒ شارح شفا وامام ابن حجر مکیؒ وعلامہ محمد زرقانیؒ شارح مواہب وغیرھم اکابر نے اس کی تائید وتصویب کی ہے۔

دلیل۔ ۳

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ○ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ○	اور بھروسہ کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔

(الشعراء '۲۶: ۲۱۷، ۲۱۸)

امام رازیؒ فرماتے ہیں معنی آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔ امام سیوطی و امام ابن حجر و علامہ زرقانی وغیرھم نے اس کی تائید آکید فرمائی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے مؤید روایت ابو نعیمؒ نے بیان کی ہے۔

دلیل۔ ۴

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ '۹۳: ۵)	البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اللہ اکبر بارگاہ عزت میں مصطفیٰ ﷺ کی عزت و وجاہت و محبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل وعلا نے فرمایا ہی تھا۔

سنرضیک فی امتک ولا نسوٴک ہ (رواہ مسلم فی کتاب الایمان)	قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور تیرا دل برا نہ کریں گے۔

اس عطاء رضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا ہے کہ صحیح حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے ابو طالب کی نسبت فرمایا۔

وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاح (رواہ البخاری و المسلم)	میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا۔

دوسری روایت صحیح میں فرمایا۔

ولو لا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار — اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔

(رواہ البخاری والمسلم)

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں۔

اھون اھل النار عذابا — دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ۲:۲۹۶)

حضور اقدس ﷺ سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابوطالب کو وہ نسبت حاصل نہیں پھر ان کا عذر بھی واضح کہ انہیں دعوت پہنچی نہ انہوں نے زمانہ اسلام پایا تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضروری تھا کہ ان پر ابوطالب سے بھی کم عذاب ہوتا لہٰذا ثابت ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت میں سے ہیں۔ وللہ الحمد اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ نے ارشاد فرمایا۔

دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں ابوطالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے آیا حضور اقدس ﷺ کی یاری دغمخواری اور پاسداری وخدمت گزاری کے باعث یا اس لئے کہ سید المحبوبین ﷺ کو ان سے محبت طبعی تھی اور حضور کو ان کی رعایت منظور تھی۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں۔

عم الرجل صنوابیہ — آدمی کا چچا اس کے باپ کی جگہ ہوتا ہے۔

(رواہ الترمذی والطبرانی)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا○ — اور ہم ان کے (کافروں کے) ان اعمال کی جانب جو انہوں نے کئے تھے متوجہ ہوں گے اور ان اعمال کو ایسا کر دیں گے جیسے اڑتا ہوا غبار۔

(الفرقان ۲۵:۲۳)

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف فقط اس وجہ سے ہے کہ حضور ﷺ طبعًا ان کے ساتھ محبت کرتے تھے اور یہی ان احادیثِ صحیحہ مذکورہ سے مستفاد ہے۔ ابو طالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضورِ اقدس ﷺ نے سراپا آگ میں غرق پایا۔ عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا پھر خود حضور ﷺ کا ارشاد کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقۂ زیریں میں ہوتا۔ بے شک یہ تخفیف صرف محبوب ﷺ کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر و باہر ہے اور یہ بات واضح ہے کہ محبوب ﷺ کے قلب اطہر پر ابو طالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہو سکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا معاملہ چنانچہ اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے اور ایک دوسری وجہ فرض کیجئے کہ یہ ابو طالب کے حق پرورش و خدمت ہی کا معاوضہ ہے پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہو سکتی ہے کون سی خدمت حمل و وضع کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق حقِ والدین کے برابر ہو سکتا ہے جسے رب العزت نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا۔

اَنِ اشْکُرْلِیْ وَ لِوَالِدَیْکَ — حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔

(لقمان' ۳۱:۱۴)

پھر ابو طالب نے جہاں برسوں خدمت کی چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں ہرچند حضورِ اقدس ﷺ نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھر معجزات دیکھنا احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا سبب بنا۔ بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انہیں دعوت دی گئی۔ نہ انکار کیا تو ہر وجہ ہر لحاظ ہر حیثیت سے یقینًا انہیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے تو ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور ہے کہ ابوین کریمین اہل نار ہی سے نہ ہوں۔

دلیل ۔۵

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یَسْتَوِیٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝

اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت برابر نہیں ہوسکتے، اہلِ جنت ہی کامیاب وکامران ہیں۝

(الحشر،۲۰:۵۹)

حدیث میں ہے حضور پرنور سید المرسلین ﷺ نے حضرت عبد المطلب کی اولاد سے ایک پاک طیبہ خاتون رضی اللہ عنہا کو آتے دیکھا جب پاس آئیں فرمایا:

ما أخرجک من بیتک

اپنے گھر سے باہر کہاں گئی تھیں۔

عرض کی:

أتیت أهل هذا المیت فترحمت علیهم وعزیتهم بمیتهم.

یہ جو ایک موت ہوگئی تھی میں ان کے ہاں تعزیت ودعائے رحمت کرنے گئی۔

فرمایا:

لعلک بلغت معهم الکدی.

شاید تو ان کے ساتھ قبرستان تک گئی۔

عرض کی:

معاذ اللہ أن أکون بلغتها وقد سمعتک تذکر فی ذالک ما تذکر.

خدا کی پناہ کہ میں وہاں تک جاتی حالانکہ حضور سے سن چکی جو کچھ اس باب میں ارشاد ہوا تھا۔

سید عالم ﷺ نے فرمایا:

بلغتها ما رأیت الجنة حتی یراها جد أبیک.

اگر ان کے ساتھ وہاں تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبد المطلب جنت کو نہ دیکھ لیتے۔

(رواہ ابوداود والنسائی)

یہ تو حدیث کا ارشاد ہے۔ اب ذرا عقائد اہلِ سنت پیش نظر رکھتے ہوئے نگاہِ انصاف درکار ہے۔ عورتوں کا قبرستان جانے کا اگر غایت درجہ ہے تو معصیت ہے اور ہرگز

کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کر سکتی۔ اہل سنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگرچہ معاذ اللہ مواخذے کے بعد ہی ہو اور کافر کا جنت میں جانا محال شرعی کہ ابدالاباد تک کبھی ممکن ہی نہیں۔ اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے اور بے ضرورت تاویل ناجائز ہے اور گناہ سے معصوم ہونا صرف خاصہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ ہے۔ ان کے غیر سے اگرچہ کیسا ہی عظیم الدرجات ہو وقوع گناہ ممکن و متصور ہے۔ یہ چاروں باتیں عقائد اہل سنت میں ثابت ہیں۔ اب فرض کیا کہ اگر وہ عورت قبرستان چلی جاتی تو حدیث پاک کے مطابق اس وقت تک جنت کو نہ دیکھ سکتی جب تک کہ حضرت عبدالمطلب جنت کو نہ دیکھ لیتے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عبدالمطلب مسلمان اور اہل جنت میں سے ہیں کیونکہ کافر کبھی جنتی نہیں ہو سکتا۔ اب معنی حدیث بلا تکلف و بلا ضرورت تاویل و تصرف عقائد اہلِ سنت کے مطابق ہے۔ یعنی اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اولین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا، بلکہ اس وقت جاتیں جبکہ عبدالمطلب داخل بہشت ہوں گے۔

دلیل۔۶

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(المنافقون، ۶۳:۸)

عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول (ﷺ) کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے مگر منافقین (اس حقیقت کو) جانتے نہیں ہیں ○

اور ارشاد فرمایا:

۲۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو

اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ○ (الحجرات، ۴۹:۱۳)

پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بے شک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے○

ان آیاتِ کریمہ میں رب العزت جل وعلا نے عزت وکرم کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا اور کافر کو خواہ وہ کتنا ہی قوم دار ہو لئیم وذلیل ٹھہرادیا اور کسی لئیم وذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لئے باعث مدح نہیں لہٰذا کافر باپ دادوں کے نسب پر فخر کرنا حرام ہوا صحیح حدیث میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

۳۔ من انتسب إلى تسعة اباء كفار يريد بهم عزا وكرامة كان عاشرهم في النار.
(رواہ الامام احمد عن ابی ریحانہ)

جو شخص عزت وکرامت چاہنے کو اپنی نو کافر پشتوں کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں (یعنی یہ شخص) ہوگا۔

اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز ومدح میں بارہا اپنے آبائے کرام وامہات کریمات کا ذکر فرمایا۔

۴۔ روزِ حنین حسبِ ارادہ الٰہیہ تھوڑی دیر کے لئے کفار نے غلبہ پایا۔ چند لوگ رکاب رسالت میں باقی رہے اللہ کے رسول پر شانِ جلال طاری تھی۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب وحضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما آپ کی سواری کی لگام مضبوطی سے کھینچے ہوئے ہیں کہ بڑھ نہ جائے اور حضور ﷺ فرمار ہے تھے:

أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب.
(رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ)

میں سچا نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔

اسی غزوہ کے رجز میں ارشاد فرمایا:

أنا ابن العواتک من بنی سلیم. میں بنی سلیم سے ان بیبیوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔

(رواہ سعید بن منصور فی سننہ)

ایک اور حدیث میں ہے بعض غزوات میں فرمایا:

أنا النبی لا کذب أنا ابن عبد المطلب أنا ابن العواتک. میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور ان بیبیوں کا بیٹا جن کا نام عاتکہ تھا۔

(رواہ ابن عساکر عن قتادہ)

علامہ مناوی صاحب تیسیر و امام مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس و جوہری صاحب صحاح و صنعانی وغیرھم نے کہا: نبی ﷺ کی جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ ابن بری نے کہا: وہ بارہ بیبیاں عاتکہ نام کی تھی۔ تین سلمیات یعنی قبیلہ نبی سُلیم سے اور دو قرشیات، دو عدوانیات اور ایک ایک کنانیہ، اسدیہ، ہذلیہ، قضاعیہ اور ازدیہ۔ ابوعبداللہ عدوی نے کہا وہ بیبیاں چودہ تھیں۔ تین قرشیات، چار سلیمات، دو عدوانیات اور ایک ایک ہذلیہ، قحطانیہ، قضاعیہ، ثقفیہ، اسدیہ نبی اسد خزیمہ سے۔

(رواہ الامام الجلال السیوطی فی الجامع الکبیر)

حدیث آئندہ میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے مقام مدح و بیان فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کر کے فرمایا: میں سب سے نسب میں افضل اور باپ میں افضل ہوں۔ تو بحکم نصوص مذکورہ ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے آباؤ اُمہات مسلمین و مسلمات ہوں۔

دلیل ۔ ۷

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰنُوحُ اِنَّـهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَھۡلِکَ اِنَّـهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ. اے نوح! بے شک وہ تیرے گھر والوں میں شامل نہیں کیوں کہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔

(ھود، ۱۱:۴۶)

آیت کریمہ نے مسلم و کافر کا نسب قطع فرما دیا و لہذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

نحن بنو النضر بن کنانہ لا ننتفی من ابینا — ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔

(رواہ ابو داؤد)

تو حضور ﷺ کا اپنے آباؤ اجداد سے نسب قطع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد مسلمان مومن تھے۔

دلیل۔۸

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

(البینہ' ۹۸:۶' ۷)

بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہ سارے جہاں سے بدتر ہیں۔ بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہاں سے بہتر ہیں۔

ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

غفر اللّٰہ عزو جل لزید بن عمرو و رحمہ فانہ مات علی دین ابراھیم (رواہ البزار والطبرانی) — عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم پر فوت ہوئے۔

ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ان کی نسبت فرمایا۔

رایتہ فی الجنۃ یسحب ذیولا (رواہ ابن سعد) — میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے علاوہ وہ لوگ جو دین ابراہیمی پر ہیں وہ بھی جنتی ہیں۔

دلیل۔۹

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

انا محمد بن عبد اللّٰہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد المناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرھما فاخرت من بین ابوی فلم یصبنی شیٔ من عہد الجاھلیہ و خرجت من نکاح ولم اخرج من لدن ادم حتی انتھیت الی ابی و امی فانا خیرکم نفسا وخیرکم ابا و فی لفظ فانا خیرکم نسبا و خیرکم ابا

میں ہوں محمد ﷺ بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔ اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کر کے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں رکھا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاحِ صحیح سے پیدا ہوا۔ آدم سے لے کر اپنے والدین تک میرا نفس کریم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہیں۔

(بیہقی وابن عساکر)

اس حدیث میں اولاً نفی عام فرمائی کہ عہد جاہلیت کی کسی بات نے نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی یہ خود دلیل کافی ہے۔ دوسرا نفی زنا صراحتاً اس کے متصل ذکور ہے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں خالص نکاح سے پیدا ہوا اور پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہیں۔ یہ تمام باتیں اس امر پر دلالت کرتی

ہیں کہ آپ ﷺ کا نسب ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔

دلیل۔۱۰

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام ۶:۱۲۴)	خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری

آیت کریمہ شاہد ہے کہ رب العزت سب سے زیادہ معزز و محترم جگہ رسالت کے لئے منتخب فرماتا ہے لہٰذا کبھی کم قوموں، رذیلوں میں رسالت نہ رکھی پھر کفر و شرک سے زیادہ رذیل شے کیا ہو گی۔ وہ کیونکر اس قابل کہ اللہ عزوجل نور رسالت اس میں ودیعت رکھے۔ کفار محل غضب و لعنت ہیں اور نور رسالت کے رکھنے کے لئے رضا و رحمت کی جگہ درکار ہے۔

دلیل۔۱۱

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک بار خوف و خشیت کا غلبہ تھا گریہ وزاری فرما رہی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی "یا ام المومنین" کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزت جل وعلا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفیٰ ﷺ کا جوڑا بنایا ام المومنین نے فرمایا۔

فرجت عنی فرج اللّٰہ عنک	تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے۔

خود حدیث میں ہے حضور سید یوم النشور ﷺ فرماتے ہیں۔

ان اللّٰہ ابی لی ان اتزوج الامن اھل الجنۃ (رواہ ابن عساکر)	بیشک اللہ عزوجل نے میرے لئے نہ پسند فرمایا کہ میرے نکاح میں اہل جنت کے علاوہ کوئی خاتون آئے۔

جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کے لئے اس قدر پسند نہ فرمایا

کہ آپ ﷺ کی کوئی زوجہ جہنمی ہو تو خود حبیب ﷺ کا نور پاک معاذ اللہ محل کفر میں رکھنے یا حبیب ﷺ کا جسم (العیاذ باللہ) خون کفار سے بنانے کو پسند فرماتا کیونکر متوقع ہو۔

دلیل۔ ۱۲

اہل توحید کی شفاعت:۔ حدیثِ صحیح میں ہے جب حضور سید الشافعین ﷺ بار بار شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے جنت میں داخل فرماتے جائیں گے اخیر میں صرف وہ لوگ رہیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی نیکی نہیں ہو گی حضور ﷺ پھر سجدے میں گریں گے حکم ہو گا۔

یا محمد ارفع راسک و قل تسمع و سل تعطع و اشفع تشفع	اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہو گا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہو گی۔ سیّد الشافعین ﷺ عرض کریں گے۔
یا رب ائذن لی لیمن قال لا الہ الا اللہ	اے رب! میرے مجھے ان کی بھی اجازت دے دے جنہوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں گے۔

لیس ذالک لک ولکن و عزتی و جلالی و کبریائی و عظمتی لاخرجن منها من قال لا الہ الا اللہ (رواہ الشیخان عن انس بن مالک)	یہ تمہارے لئے نہیں مگر مجھے اپنی عزت وجلال و کبریا و عظمت کی قسم میں ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔

ابوین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کا انتقال عہدِ اسلام سے پہلے تھا تو اس وقت تک وہ صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے بعد ازاں رب العزت جل جلالہ نے اپنے نبی

کریم ﷺ کے صدقے میں ان پر اتمام نعمت کے لئے اصحاب کہف رضی اللہ عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ پر ایمان لا کر شرف صحابیت پا کر آرام فرمایا لہٰذا حکمت الہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا جبکہ قرآن عظیم پورا اتر چکا تھا اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا نے نزول فرما کر دین الٰہی کو تام و کامل کر دیا تاکہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔ حدیث احیاء کی غایت ضعیف ہے۔

اور حدیث ضعیف یہاں فضائل میں مقبول ہے جیساکہ ہم نے اپنے رسالہ (الهاد الكاف فی حكم الضعاف) میں ثابت کیا ہے۔ اس پر مزید لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ امام ابن حجر مکی نے فرمایا متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی" افضل القرے لقراء ام القری" میں فرماتے ہیں۔

ان اباء النبی ﷺ غیر الانبياء و اسهاته الى ادم و حواء ليس فيهم كافر لا يقال فی حقه انه مختار ولا كريم ولا طاهر بل نجس و قد صرحت الاحاديث بانهم مختارون و ان الاباء كرام والامهات طاهرات

نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں ان کے سوا حضورؐ کے جس قدر آباؤ امہات آدم و حوا علیہم السلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جا سکتا اور حضور اقدس ﷺ کے آباء امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ تھے اور باپ سب کریم ہیں اور مائیں سب پاکیزہ ہیں۔

دلیل۔ ۱۳

قال تعالى و تقلبک فی الساجدين

نبی ﷺ کا نور ایک ساجد سے

علی احد التفاسیر فیہ ان المراد تنقل نورہ من ساجد الی ساجد وحینئذ فھذا صریح فی ان ابوی النبی ﷺ من اھل الجنۃ و ھذا ھو الحق بل فی حدیث صححہ غیر واحد من الحفاظ و لم یلتفتوا لمن طعن فیہ ان اللہ تعالی احیاھما فامنابہ

دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ وحضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما اہل جنت ہیں کہ وہ توان بندوں میں ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس ﷺ کے لئے چنا تھا سب سے قریب تر ہیں یہی قول حق ہے بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کو حضور اقدس ﷺ کے لئے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔

دلیل۔ ۱۴

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

(التوبہ ۹:۶۱)

جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

عاقل کو چاہئے ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔

امام ابن حجر مکی شرح میں فرماتے ہیں۔

احسن قول المتوقفین فی ھذہ المسألۃ الحذر الحذر من

کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنہیں اس مسئلہ میں توقف تھا کہ دیکھ'

ذکرھما بنقص فان ذالک قد یؤذیہ ﷺ بخبر الطبرانی لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات

یعنی والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم ﷺ کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو۔

یعنی حضور ﷺ تو زندہ ابدی ہیں۔ ہمارے تمام افعال واقوال پر مطلع ہیں۔ یہ مانا کہ یہ مسئلہ قطعی اور اجماعی نہیں لیکن پھر بھی آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو وہ لاکھ درجہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے جس طرح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

ان الامام لان یخطی فی العفو خیر من ان یخطی فی العقوبہ"

(رواہ ابن ابی شیبہ والترمذی)

بے شک امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت (سزا) میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو۔ کیا تمہارا وجدانِ ایمان گوارا کرتا ہے کہ مصطفٰے ﷺ کے ادنیٰ سے ادنیٰ غلام جنات النعیم میں سرو مرفوعہ پر تکیے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے تصدق میں جنت بنایا گیا۔ ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب وعذاب کی مصیبتیں بھریں ہاں یہ سچ ہے کہ ہم اللہ رب العزت پر حکم نہیں کرسکتے پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی ادھر کون سی دلیل قاطع پائی۔ حاش للہ ایک حدیث بھی صریح نہیں جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کر دیئے تو کم سے کم درجہ وہی سکوت (حفظ ادب رہا) دیکھئے اب دودھ پلانے والیوں کو سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو حضرت ثویبہ نے دودھ پلایا۔ ثویبہ ثواب سے ہے۔

دلیل۔ ۱۵

اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی دائی حضرت حلیمہ سعدیہ بنت عبد اللہ بن حارث جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں تو حضور اقدس ﷺ نے ان کے لئے قیام فرمایا اور اپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا۔ حلیمہ سعدیہ کے شوہر حارث سعدی بھی مشرف باسلام ہوئے حضور اقدس ﷺ کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے۔ راستے میں قریش نے کہا اے حارث! تم اپنے بیٹے کی تو سنو وہ کہتے ہیں کہ مردے جئیں گے اور اللہ نے دو گھر جنت و نار بنا رکھے ہیں۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی اے میرے بیٹے! آپ کی قوم آپ کی شاکی ہے۔ فرمایا ہاں میں ایسا فرماتا ہوں اور اے میرے باپ! جب وہ دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت حارث رضی اللہ عنہ بعد از اسلام اس ارشاد کو یاد کر کے کہا کرتے کہ اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرمالیں۔

حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

اصدقها حارث و همام سب ناموں میں زیادہ سچے نام حارث وہمام ہیں۔

(رواہ البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی

حضور کے رضاعی بھائی جن کے لئے حضور سید العادلین ﷺ بایاں پستان چھوڑ دیتے۔ عبد اللہ سعدی یہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔

حضور کی رضاعی بڑی بہن حضور کو گود میں کھلاتیں سینے پر لٹا کر دعائیہ اشعار عرض کرتیں، سلاتیں۔ اسی لئے وہ بھی حضور ﷺ کی ماں کہلاتیں شیما سعدیہ (یعنی نشان والی علامت والی جو دور سے چمکے) یہ بھی مشرف باسلام ہوئیں۔

حضور کو دودھ پلانے والیاں مسلمان تھیں

امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں۔

لم ترضعہ مرضعۃ الا اسلمت سید عالم ﷺ کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی حضور ﷺ کو دودھ پلایا۔ ام ایمن کا معنی یمن و برکت اور راستی و قوت ہے یہ بھی صحابیہ تھیں۔

حضور ﷺ انہیں فرماتے۔

انت امی بعد امی تم میری ماں کے بعد میری ماں ہو۔

راہ ہجرت میں انہیں پیاس لگی آسمان سے نورانی رسی میں ایک ڈول اترا پی کر سیراب ہوئیں پھر کبھی پیاس نہ معلوم ہوئی۔ سخت گرمی میں روزے رکھتیں اور پیاس نہ ہوتی۔ پیدا ہوتے وقت جنہوں نے حضور اقدس ﷺ کو اپنے ہاتھوں پر لیا ان کا نام پاک تو دیکھئے۔ ایک اور بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں۔ فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ یہ بھی صحابیہ ہیں۔

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی تھا۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ عنایت ازلی نے جان بوجھ کر یہ نام رکھے دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چنے پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے برے کام والوں میں کیسے رکھے گا۔

دلیل۔ ۱۶

امام ابو نعیم دلائل النبوۃ میں بطریق محمد بن شہاب الزہری ام سماعہ اسماء بنت ابی رہم سے اور وہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں کہ میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھی محمد ﷺ کمسن بچے کوئی پانچ برس کی عمر شریف ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم ﷺ کی طرف نظر کی پھر کہا

فانت مبعوث الی الانام　　　تبعث فی الحل وفی الحرام
تبعث فی التحقیق والاسلام　　　دین ابیک البر ابراھام
فاللہ انہاک عن الاصنام　　　ان لا توالیھا مع الاقوام

پس تو (اے میرے فرزند) لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے کہ حلال وحرام کو بیان کر دے تجھے حق اور اسلام کے ساتھ مبعوث کیا گیا تیرے نیک والد دین ابراہیم پر تھے۔ خدا کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی پرستش نہ کرنا۔

حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس پاک مبارک وصیت میں جو فراق دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کو کی۔ بحمد اللہ تعالیٰ توحید ورد شرک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ السلام کا بھی پورا اقرار ہے اور ایمان کامل کسے کہتے ہیں پھر اس سے بالاتر حضور پرنور سید المرسلین ﷺ کی رسالت کا بھی اعتراف موجود اور وہ بھی بیان بعثت عامہ کے ساتھ اس کے بعد فرمایا۔

کل حی میت و کل جدید بال و کل کبیر یفنی و انامیتۃ و ذکری باق و قد ترکت خیراً و ولدت طھر

ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے۔ میں مرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ رہے گا میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا۔

حضرت آمنہؓ نے یہ کہا اور انتقال فرمایا۔

اور یہ ان کی فراست ایمانی اور پیشین گوئی نورانی قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب و عجم کی ہزاروں شاہزادیاں بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا مگر اس پاک طیبہ

خاتون کے ذکر خیر سے مشارق و مغارب ارض میں محافل و مجالسِ اِنس وقدس میں زمین و آسمان گونج رہے ہیں اور ابد الاباد تک گونجیں گے۔

دلیل۔۱۷

سید شریف مصری حواشی در تحقیق میں نقل کرتے ہیں کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما میں متفکر رہے کہ کیونکر تطبیق اقوال ہو اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے راہ میں ایک تر فروش ملے کہ اپنی دوکان کے آگے باٹ ترازو لئے بیٹھے ہیں انہوں نے اٹھ کران عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور یہ اشعار پڑھے۔

امنت ان ابا النبی وامہ احیاھا الحی القدیر الباری
حتی لقد شھدا لہ برسالۃ صدق فذاک کرامۃ المختار
دبہ الحدیث و من یقول بضعفہ فھو الضعیف عن الحقیقہ عار

میں ایمان لایا کہ رسول اللہ ﷺ کے ماں باپ کو اس زندہ ابدی قادرِ مطلق خالق عالم جلالہ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حضورِ اقدس ﷺ کی پیغمبری کی گواہی دی۔ اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفےٰ ﷺ کے اعزاز کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔

یہ اشعار سنا کران عالم سے فرمایا اے شیخ انہیں لے اور نہ رات کو جاگ نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلادے ہاں جہاں جا رہا ہے وہاں نہ جانا کہ لقمہ حرام کھانے میں آئے۔ان کے اس فرمانے سے وہ عالم بے خود ہو کر رہ گئے۔ پھر انہیں تلاش کیا پتہ نہ پایا اور دکان داروں سے پوچھا کسی نے نہ پہچانا سب بازار والے بولے یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں وہ عالم اس ربانی ہادی غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔ چنانچہ ہرذی شعور مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس کی کوئی بات حضور ﷺ کے لئے ایذا کا باعث نہ بن جائے جس کی سزا دردناک عذاب ہے۔

دلیل۔ ۱۸

امام سیوطیؒ سبل النجاہ میں فرماتے ہیں۔

مال الی ان اللہ تعالی احیاھما حتی امنا بہ طائفۃ من الائمۃ وحفاظ الحدیث

آئمہ وحفاظ حدیث کے ایک بہت بڑے گروہ کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کے والدین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔

کتاب الخمیس میں کتاب مستطاب الدرج المنیفہ فی الاباء الشریفہ سے نقل کرتے ہیں۔

مذہب جمع کثیر من الائمہ الاعلام الی ان ابوے النبی ﷺ ناجیان محکوم لھما بالنجاہ فی الاخرہ وھم اعلم الناس باقوال من خالفھم قال بغیر ذالک ولا یقصرون عنھم فی الدرجہ ومن احفظ الناس للاحادیث والاثار وانقد الناس بالادلۃ التی استدل بھا اولئک فانھم جامعون لانواع العلوم متضلعون من الفنون خصوصا الاربعۃ التی استمد منھا ھذہ المسائل فلا نظن بھم انھم لم یقفوا علی الاحادیث التی استدلال بھا

خلاصہ یہ کہ جمع کثیر اکابر آئمہ واجلہ حفاظ حدیث جامعان انواع علوم وناقدان روایات ومفہوم کا مذہب یہی ہے کہ ابوین کریمین ناجی ہیں ان اعاظم ائمہ کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ ان احادیث سے غافل تھے جن سے اس مسئلہ میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور ان پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان سے وہ پسندیدہ جواب دیے جنہیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور نجات والدین شریفین پر دلائل قاطعہ قائم کیں۔

اولئک معاذ اللہ بل وقفوا علیھا و
خاضوا عمر تھا و اجالوا عنھا
بالاجوبۃ المرضیۃ التی لا یردھا
منصف واقاموا الماذھبو الیہ ادلتۃ
قاطعۃ کالجبال الرواسی۔

دلیل۔۱۹

علامہ زرقانی شرح مواہب میں ائمہ قائلین نجات کے اقوال وکلمات ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

هذا ما وقفنا علیہ من نصوص علمائنا و لم نر بغیرھم ما یخالفہ الا ما یشم من نفس ابن دحیہ وقد تکفل بردہ القرطبی

یہ ہمارے علماء کے وہ نصوص ہیں جن پر میں واقف ہوا اور ان کے غیر سے کہیں اس کا خلاف نظر نہ آیا سوائے ایک کے جو ابن دحیہ کے کلام میں پائی گئی اور امام قرطبی نے بروجہ کافی اس کا رد کردیا ہے۔

دلیل۔۲۰

ایمان ابوین کریمین کی تائید کرنے والے ائمہ کے اسمائے گرامی

۱۔ امام ابو حفص عمر بن احمد شاہین جن کی علوم دینیہ میں تین سو تیس تصانیف ہیں جن میں سے تفسیر ایک ہزار جز میں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جز میں۔

۲۔ شیخ المحدثین احمد بن خطیب علی البغدادی

۳۔ حافظ الشان محدث ماہر امام ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر

۴۔ امام اجل ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی صاحب الروض

۵۔ حافظ الحدیث امام محب الدین طبری کہ علماء فرماتے ہیں بعد امام نووی کے ان کا مثل

علم حدیث میں کوئی نہ ہوا۔

۶۔ امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر صاحب شرف المصطفے ﷺ

۷۔ امام حافظ الحدیث ابو الفتح محمد بن محمد ابن سید الناس صاحب عیون الاثر

۸۔ علامہ صلاح الدین صفدی

۹۔ حافظ الشان شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی

۱۰۔ شیخ الاسلام حافظ الشان امام شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی

۱۱۔ امام حافظ الحدیث ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی

۱۲۔ امام ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری صاحب الحاوی الکبیر

۱۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف مالکی شارح صحیح مسلم

۱۴۔ امام عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر قرطبی صاحب تذکرہ

۱۵۔ امام المتکلمین فخر المدققین فخر الدین محمد بن عمر الرازی

۱۶۔ امام علامہ شرف الدین مناوی

۱۷۔ خاتم الحفاظ مجدد القرآن العاشر امام جلال الملۃ والدین عبد الرحمٰن ابن سیوطی

۱۸۔ امام حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر ہیثمی مکی صاحب افضل القری وغیرہ

۱۹۔ شیخ نور الدین علی بن الجزاء مصری صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفے ﷺ بفضل اللہ تعالیٰ فی الدارین من الناجین

۲۰۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد ابن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح شفاء شریف

۲۱۔ علامہ محقق سنوسی

۲۲۔ امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی صاحب الیواقیت والجواہر

۲۳۔ علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات

۲۴۔ خاتمۃ المحققین علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شارح المواہب

۲۵۔ امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی صاحب المناقب

۲۶۔ زین الفقہ علامہ محقق زین الدین بن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر

۲۷۔ سید شریف علامہ حموی صاحب غمز العیون والبصائر

۲۸۔ علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمیس فی نفس نفیس ﷺ

۲۹۔ علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری صاحب نسیم الریاض

۳۰۔ طاہر فتنی صاحب مجمع بحار الانوار

۳۱۔ شیخ شیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی

۳۲۔ علامہ.... صاحب کنز الفوائد

۳۳۔ مولانا بحر العلوم ملک العلماء عبدالعلی صاحب فواتح الرحموت

۳۴۔ علامہ سید احمد مصری طحاوی محشی در مختار

۳۵۔ علامہ سید ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی صاحب در المختار

ان سب حضرات کے اقوال طیبہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں مگر فقیر نے یہ سطور محض اقوال نقل کرنے یا علماء کی تحقیق کردہ مباحث کو بیان کرنے کے لئے نہیں لکھیں بلکہ علماء کی خدمت کے سبب جو فیوض میرے قلب پر وارد ہوئے ان کو اپنے دینی بھائیوں کے فائدے کے لئے ضبط تحریر میں لایا ہوں اور اس مسئلہ جلیلہ پر دلائل جمیلہ کا سنانا اس سبب سے ہے کہ حضور اکرم رحمۃ للعالمین ﷺ محض اپنے کرم سے اس کو قبول فرمائیں اور نہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خالص فضل کے صدقے اس عاجز وبے کس کا ایمان محفوظ فرما کر دارین میں عذاب وعقاب سے بچائیں۔

حصہ ہشتم

پیکر حسن نبوی ﷺ

○

○

باب-۱

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عالمِ خلق میں سب سے حسیں تر ہیں

اللہ تعالٰی نے نبی اکرم ﷺ کو جو فضائل و کمالات عطا فرمائے ہیں وہ تعداد میں اتنے کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ ممکن نہیں۔

ارشاد باری تعالٰی ہے۔

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ
(الضحیٰ ۹۳: ۴)

آپ کے لئے بعد کی ہر گھڑی سابقہ گھڑی سے بہتر ہوگی۔

یعنی ہر ساعت اور ہر لحہ آپ کے درجات میں اضافے اور بلندی کا آئینہ دار ہوگا

دوسرے مقام پر فرمایا۔

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ○
(النساء ۴: ۱۱۳)

اے نبی مکرم! آپ پر اللہ تعالٰی کا فضل عظیم ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں قاضی عیاض" لکھتے ہیں۔

حارت العقول فی تقدیر فضله علیه، و خرست الالسن دون وصف یحیط بذالک
(الشفاء، ۱: ۱۳۵)

حضور ﷺ پر اللہ تعالٰی کا جو فضل و کرم ہے عقلیں اس کا اندازہ کرنے اور زبانیں اسے بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ کے اوصاف کا احاطہ ممکن نہیں اس سلسلے میں چند علماء کی تصریحات کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی" فرماتے ہیں۔

و بحقیقت فضائل آں حضرت ﷺ کہ بداں مخصوص و ممتاز است بسیار

وہ فضائل جو آپ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص ہیں اتنے کثیر

است خارج از حد حصر و احصاء

(اشعۃ اللمعات ۴:۲۶۹)

ہیں کہ شمار سے ماوراء ہیں۔

امام قسطلانیؒ لکھتے ہیں۔

اجتمع فیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صفات الکمال مالا یحیط بہ حد ولا یحصرہ عد

(المواہب ۴:۲۴۵)

آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں مجتمع اوصاف و فضائل کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی گنتی جن کا احاطہ کر سکتی ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اعلم ان تفصیل فضائلہ و تحصیل شمائلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وشرف وکرم مما لا تعد ولا یحصی بل ولا یمکن ان یعد ویستقصی

(المرقاۃ شرح مشکوۃ ۵:۳۵۶)

یقین رکھو کہ حضور ﷺ کے فضائل کی تفصیل و تحصیل اور آپ ﷺ کو عطا ہونے والے درجات ان چیزوں میں سے ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔ بلکہ ان کا شمار کرنا ممکن ہی نہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں۔

بالجملہ فاوصافہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الحسنہ لا تحصی ولا تحصر

(کشف الغمہ ۲:۵۱)

مختصر یہ کہ آپ کے اوصاف حسنہ شمار سے ماوراء ہیں۔

جمال مصطفوی ﷺ کو بے مثل ماننا تقاضائے ایمان ہے۔

اسی لئے آئمہ کرام، علماء اور فقہائے امت نے ایمانیات کے باب میں بصراحت بیان فرمایا ہے کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حضور ﷺ کو باعتبار صورت وسیرت روئے زمین پر ابدالاباد تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں سے افضل واکمل تسلیم نہ کرے۔

۱۔ حضرت ملا علی قاری" فرماتے ہیں۔

ولذا قیل من تمام الایمان به اعتقاد انه لم یجتمع ادمی من المحاسن الظاهرہ الدالہ علی محاسنه الباطنه ما اجتمع فی بدنه علیه السلام
(جمع الوسائل، ۱:۹)

کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ یہ اعتقاد نہ رکھے کہ بلاشبہ حضور ﷺ کے وجود گرامی میں ظاہری اور باطنی کمالات ہر شخص سے بڑھ کر ہیں۔ اور اس خوبی کے ساتھ ودیعت کر دیئے گئے ہیں کہ ظاہری اوصاف کا جلال وکمال عظمت باطن کا آئینہ دار بن گیا ہے۔

۲۔ علامہ شیخ ابراہیم بن محمد البیجوری" اسی بات کی تصریح یوں فرماتے ہیں۔

و مما یتعین علی کل مکلف ان یعتقد ان اللّٰہ سبحانہ تعالٰی اوجد خلق بدنه صلی اللّٰہ علیه وسلم علی وجه لم یوجد قبله ولا بعده مثله
(المواہب اللدنیہ حاشیہ علی الشمائل المحمدیہ، ۱۴)

امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر انسان کے لئے حضور ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے وجود اقدس کو اس طرح تخلیق فرمایا ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے اور آپ

ﷺ کے بعد کوئی بھی آپ ﷺ کا مثل نہیں۔

۳۔ امام شہاب الدین احمد القسطلانیؒ فرماتے ہیں۔

اعلم ان من تمام الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان بان اللہ تعالی جعل خلق بدنہ الشریف علی وجہ لم یظھر قبلہ ولا بعدہ خلق ادمی مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم

(المواہب اللدنیہ، ۱: ۲۴۸)

یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ تکمیل ایمان کے لئے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے وجود اطہر سے بڑھ کر رب العزت نے کسی کو حسین نہیں بنایا۔

مشہور محدث امام عبدالرؤف المناویؒ یوں رقمطراز ہیں۔

وقد صرحوا بان کمال الایمان اعتقاد انہ لم یجتمع فی بدن انسان من المحاسن الظاھرہ ما اجتمع فی بدنہ

(شرح الشمائل برحاشیہ جمع الوسائل، ۱: ۱۸)

تمام علماء نے تصریح کر دی ہے کہ اس وقت تک کسی انسان کا ایمان تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ یہ اعتقاد نہ رکھے کہ آپ ﷺ کے وجود اقدس میں پائے جانے والے محاسن کسی دوسرے میں نہیں ہیں۔

۴۔ امام مناویؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

من تمام الایمان بہ علیہ الصلوۃ والسلام الایمان بہ بانہ سبحانہ خلق جسدہ علی وجہ لم یظھر قبلہ ولا بعدہ مثلہ

(فیض القدیر، ۵: ۷۲)

تکمیل ایمان کے لئے اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا جسد اطہر حسن و جمال میں بے نظیر پیدا فرمایا ہے۔

۵۔ حافظ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں۔

انہ یجب علیک ان تعتقد ان من تمام الایمان بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الایمان بان اللّٰہ تعالی اوجد خلق بدنہ الشریف علی وجہ لم یظہر قبلہ ولا بعدہ فی اٰدمی مثلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

(جواہر البحار ۲:۷۹)

تجھ پر یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ حضور ﷺ پر کامل ایمان لانے میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن اطہر کو ایسا بے نظیر و بے مثال بنایا کہ آپ سے پہلے نہ کسی کو بنایا اور نہ بعد میں کوئی آپ سا ہو گا۔

چنانچہ آپ ﷺ کے سراپائے حسن و جمال کے بیان میں اہل قلب و نظر نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ شاعروں نے خامہ فرسائی کی حد کر دی لیکن اس محیط حسن ازلی کی رعنائیوں کا احاطہ نہ کر سکے بالآخر ان کے لئے عجز و کم مائگی کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

سید عرب و عجم کا حسن و جمال کمال کی ان بلندیوں کو چھو رہا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے منسوب ہر شے بھی محاسن ظاہری و باطنی کا معیار قرار پاتی ہے۔ دنیوی حسن و جمال آپ ﷺ کے خوان کرم کی ادنیٰ سی بھیک ہے جس سے حسینانِ عالم کے دامن مالا مال ہیں۔ یہ جہان مرغ و ماہی آپ ﷺ ہی کے پرتو جمال آفریں سے فیضیاب ہے۔ آپ ﷺ ہی کے خوان کرم سے کائنات آب و گل میں حسن کی خیرات تقسیم ہوتی ہے اور ایک حقیر ذرہ، حسن جہاں تاب کے پرتو سے رشک وادی سینا بن جاتا ہے۔

اقبال اس مقام پر کیا خوب کہتے ہیں

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفےٰ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاش مصطفےٰ است

حقیقت یہ ہے کہ ذاتِ مصطفوی ﷺ کا ظاہری و باطنی حسن ہی وہ دائمی معیارِ حسن ہے جس سے مظاہر کائنات کے حسن کا تعین کیا جاسکتا ہے اگر کسی وجود میں آپ ﷺ کے حسن ظاہری کی جھلک پائی جائے گی تو اسے ظاہراً حسن محمدی ﷺ کا آئینہ دار تصور کیا جائے گا اور اگر کسی میں آپ ﷺ کے باطنی حسن کی جھلک ہوگی تو اسے آپ ﷺ کے باطنی حسن کا خوشہ چین گردانا جائے گا نتیجتاً اسی ظاہری و باطنی معیارِ حسن سے انحراف کو ظاہری بدصورتی اور باطنی قبح پر محمول کیا جائے گا۔

آپ ﷺ کا حقیقی حسن و جمال مخلوق سے مخفی رکھا گیا

حضور ﷺ کے حسن و جمال کو اہل جہان پر صرف اسی حد تک آشکار کیا گیا جس حد تک انسانی آنکھ میں تابِ نظارہ تھی اور حسنِ مصطفوی ﷺ کے وہ جلوے جن کے مشاہدے کی آنکھ متحمل نہ ہوسکتی تھی مستور و محجوب رکھے گئے۔

۱۔ مشہور مفسر قرآن امام قرطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

لم یظھر لنا تمام حسنہ ﷺ لانہ لو ظھر لنا تمام حسنہ لما اطاقت اعیننا رویتہ ﷺ

(زرقانی علی المواہب، ۴:۷۱)

ہم پر حضور ﷺ کا حسن و جمال کامل طور پر ظاہر نہیں کیا گیا اگر آپ ﷺ کا تمام حسن و جمال ظاہر کردیا جاتا تو ہماری آنکھیں تاب نظارہ نہ لا سکتیں۔

حافظ ابن حجر مکیؒ امام قرطبیؒ کے اس قول کی تحسین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و ما احسن قول بعضھم لم یظھر لنا تمام حسنہ ﷺ
(جواہر البحار، ۲:۷۹)

یہ قول کہ آپ ﷺ کا تمام حسن وجمال مخلوق پر آشکار اور ظاہر نہیں کیا گیا نہایت ہی حسین قول ہے۔

۲۔ استاذ المحدثین شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

آنحضرت بتمام از فرق تا قدم ھمہ نور بود کہ دیدہ حیرت در جمال باکمال وے خیرہ مے شد مثل ماہ وآفتاب تاباں و روشن بود اگر نہ نقاب بشریت پوشیدہ بودے ہیچکس را مجال نظر و ادراک حسن او ممکن نبودے
(مدارج النبوت، ۱:۱۳۷)

حضور ﷺ سرانور سے قدم مبارک تک سراپا نور تھے۔ آپ ﷺ کے جمال وکمال کو دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی۔ آپ ﷺ کا جسم اطہر چاند اور سورج کی طرح روشن تھا۔ اگر آپ لباس بشری میں نہ ہوتے تو آپ کی طرف نظر بھر کر دیکھنا اور آپ کے حسن کامل کا ادراک ناممکن ہوتا۔

۳۔ حضرت ملا علی قاری علماء محققین کے حوالے سے فرماتے ہیں

و قال بعض المحققین ان جمال نبینا ﷺ کان فی غایۃ الکمال .....

لکن اللہ ستر عن اصحابہ کثیرا من ذالک الجمال الزاھر والکمال الباھر از لو برز الیھم لصعب النظر الیہ علیھم
(جمع الوسائل، ۲:۹)

محبوب خدا ﷺ کا حسن وجمال اوج کمال پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے روشن جمال وکمال کو صحابہ پر مخفی رکھا۔ کیونکہ اگر وہ پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ فگن ہوتا تو آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی طرف نظر اٹھانا بھی دشوار ہو جاتا۔

۴۔ اس حقیقت پر دوسرے مقام پر شرح قصیدہ بردہ میں دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انہ اذا ذکر علی میت حقیقی صار

اگر اللہ تعالیٰ آپ کے اسم گرامی کی

حیا حاضرا واذا ذکر علی کافر و غافل جعل مومنا وحول ذاکرا لکن اللہ تعالی ستر جمال ھذا الدر المکنون وکمال ھذا الجوھر المصون لحکمۃ بالغۃ ونکتۃ سابقۃ و لعلھا لیکون الایمان غیبیا والامور تکلیفیا لا لشھود عینیا والعیان بدیھیا او لئلا یصیر مزلقۃ لاقدام العوام ومزلۃ لتضر الجھال بمعرفۃ الملک العلام

(الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردہ لعلی القاری:۶۰)

حقیقی برکات کو آج بھی ظاہر کردے تو اس کی برکت سے مردہ زندہ ہوجائے' کافر کے کفر کی تاریکی چھٹ جائے۔ اور غافل دل اللہ کی یاد میں مگن ہوجائے۔ لیکن اللہ تعالی نے اپنی حکمت کاملہ کے پیش نظر اس انمول جوہر کے جمال پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ شاید وہ حکمت یہ ہو کہ ایمان بالغیب پردہ کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ اور مشاہدہ حقیقت اس کی منافی ہے' آپ کے حسن وجمال کو کماحقہ اس لئے بھی آشکار نہیں کیا گیا کہ کہیں ناسمجھ لوگ غلو میں مبتلا ہوکر اپنے رب کی معرفت سے غافل نہ ہوجائیں۔

۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

میرے والد ماجد شاہ عبد الرحیمؒ کو حضور نبی اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صل اللہ علیک وسلم زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ اور بعض لوگ انہیں دیکھ کر بے ہوش ہوجاتے تھے۔ لیکن کیا سبب ہے کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ایسی کیفیات طاری نہیں ہوتیں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

جمالی مستور عن اعین الناس غیرۃ من اللہ عز وجل ولو ظھر لفعل الناس اکثر مما فعلوا حین راوا

میرا جمال غیرت الٰہی کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ اگر اسے ظاہر کردیا جاتا تو لوگ اس سے بڑھ کر

یوسف، عمل کرتے جو انہوں نے حسن یوسف کو دیکھ کر کیا تھا۔

(درالثمین:۳۹)

۶۔ الشیخ ابو محمد عبدالجلیل القصری "شعب الایمان میں لکھتے ہیں۔

وحسن یوسف علیہ السلام وغیرہ جزء من حسنہ لانہ علی صورۃ اسمہ خلق ولولا ان اللّٰہ تبارک وتعالی ستر جمال صورۃ محمد ﷺ بالھیبۃ والوقار اعمی عنہ اخرین لا استطاع احد النظر الیہ بھذہ الابصار الدنیاویۃ الضعیفۃ

(مطالع المسرات:۳۹۴)

حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر حسینوں کا حسن آپ ﷺ کے حسن کی خیرات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے حسن وجمال کو ہیبت ووقار کے پردوں کے ساتھ ڈھانپا نہ ہوتا تو یہ دنیوی آنکھیں آپ ﷺ کا مشاہدہ ہی نہ کر پاتیں۔

۷۔ مولانا اشرف علی تھانوی شیم الحبیب کے حوالے سے اس بات کی تائید کرتے ہیں۔

اقول واما عدم تعشق العوام علیہ کما کان علی یوسف علیہ السلام فللغیرۃ اللّٰہ تعالی حتی لم یظھر جمالہ کما ھو علی غیرہ کما انہ لم یظھر جمال یوسف کما ھو الا علی یعقوب او زلیخا

(نشر الطیب:۲۱۷، ۲۱۸)

میں کہتا ہوں کہ (باوجود ایسے حسن وجمال کے) عام لوگوں کا آپ پر اس طور پر عاشق نہ ہونا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر ہوا کرتے تھے۔ بسبب غیرت الٰہی کے ہے کہ آپ کا جمال جیسا تھا غیروں پر ظاہر نہیں کیا گیا۔ جس طرح خود حضرت یوسف علیہ السلام کا جمال بھی کماحقہ، بجز حضرت یعقوب علیہ السلام یا زلیخا کے اوروں پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔

سرخیلِ قافلہ عشق حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت گزاری کے باعث زندگی بھر حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں بالشافہ زیارت کے لئے حاضر نہ ہو سکے۔ لیکن سرکار دوعالم ﷺ کے ساتھ والہانہ عشق و محبت اور وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ اکثر صحابہ سے اپنے اس عاشق زار کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر اسے یہ خرقہ دے دینا۔ اور اس سے میری امت کے لئے دعائے مغفرت کے لئے کہنا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ، حضرت اویس قرنیؓ سے ملاقات کے لئے ان کے آبائی وطن قرن پہنچے۔ آپ ﷺ کا فرمان سنایا۔ اثنائے گفتگو حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرؓ و علیؓ سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی فخر موجودات ﷺ کا دیدار بھی کیا ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو مسکرا کر کہنے لگے۔

لم ترہا من رسول اللّٰہ ﷺ الا ظلہ	تم نے تو رسول اللہ ﷺ کے حسن کا محض ایک پرتو دیکھا ہے۔

(جواہر البحار، ۳:۵۱)

۹۔ ملا علی قاری بعض صوفیاء کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقال بعض الصوفیۃ اکثر الناس عرفوا اللّٰہ عزوجل وما عرفوا رسول اللّٰہ لان حجاب البشریۃ غطت ابصارہم (جمع الوسائل، ۱:۱۰)	بعض صوفیاء کا ارشاد ہے کہ اکثر حضرات نے اللہ تعالیٰ کا عرفان تو حاصل کرلیا۔ لیکن حضور ﷺ کا عرفان حاصل نہ کر پائے۔ کیونکہ بشریت کا حجاب ان کی آنکھوں کو ڈھانپے ہوئے ہے۔

۱۰۔ حضرت شیخ عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں کہ عرش علیٰ جو کہ انوار الٰہیہ کا مرکز ہے وہ بھی آپ ﷺ کے نور اقدس کو کماحقہ دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ان مجموع نوره ﷺ لو وضع علی العرش لذاب.....ولو جمعت المخلوقات کلها و وضع علیها ذالک النور العظیم لتهافتت و تساقطت

الابریز(۲۷۲)

اگر آپ ﷺ کے نورِ کامل کو عرش عظیم پر ظاہر کردیا جاتا تو وہ پگھل جاتا اسی طرح اگر تمام مخلوقات کو جمع کرکے ان پر آپ ﷺ کا نورِ اقدس آشکار کیا جاتا تو وہ مبہوت ہوکر رہ جاتیں۔

پیکر بشریت میں ہونے کے باوجود ایسا کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ کی حقیقت کو مخلوق سے مخفی رکھا گیا اور آپ ﷺ کو لباسِ بشریت میں مبعوث کیا گیا تاکہ مخلوق آپ سے استفادہ کرسکے تو اس کے باوجود بشریت پر نورانیت کا غلبہ کیوں تھا؟ اس کا جواب محدثین اور اصحاب سیر نے یہ دیا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی تخلیق براہ راست اور بلاواسطہ ذاتِ حق کے فیض سے ہوئی ہے۔ جبکہ تمام مخلوق کی خلقت بلاواسطہ نہیں بلکہ کسی نہ کسی اعتبار سے بالواسطہ ہے لہٰذا جو ذاتِ اقدس ذاتِ حق تعالیٰ کے نور سے بلاواسطہ مستنیر ہو اس کی بشریت یقیناً نورانیت کے تابع ہوگی۔

۱۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ اسی بات کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انبیاء مخلوق اند از اسماء ذاتیہ حق و اولیاء از اسماء صفاتیہ وبقیہ کائنات از صفات فعلیہ وسید رسل مخلوق است از ذات حق وظہور حق دروے بالذات است

(مدارج النبوۃ ۲:۷۷۱)

تمام انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کے اسماء ذاتیہ کے فیض کا پرتو ہیں اولیاء اسماء صفاتیہ کا اور تمام مخلوق صفات فعلیہ کا لیکن سید الانبیاء ذاتِ حق سے بلاواسطہ تخلیق ہوئے ہیں اور آپ ﷺ ہی کی ذات میں حق تعالیٰ کی شان کا ظہور بالذات ہے۔

۲۔ امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں۔

لما تعلقت ارادۃ الحق تعالی بایجاد خلقہ وتقدیر رزقہ ابرز الحقیقۃ المحمدیۃ من الانوار الصمدیۃ فی الحضرۃ الاحدیۃ ثم سلخ منہا العوالم کلہا علوہا وسفلہا علی صورۃ حکمہ
(المواہب اللدنیہ ۱-۵)

جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات اقدس اور شانِ اعلیٰ کی تخلیق کا ارادہ کیا تو اس نے اپنی ذات کے انوارِ صمدیت سے بلاواسطہ حقیقت محمدی ﷺ کو ظاہر فرمایا اور پھر اس کے فیض سے تمام عالم پست وبالا کو پیدا فرمایا۔

اس موضوع کا اختتام ہم نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان پر کرتے ہیں۔

یا ابابکر والذی بعثنی بالحق لم یعلمنی حقیقۃ غیر ربی
(مطالع المسرات ۱۲۹)

اے ابوبکر! قسم ہے۔ اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میری حقیقت میرے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس فرمان نبوی ﷺ نے مذکورہ بالا تمام اقوال پر مہرِ تصدیق ثبت فرمادی۔

عظمتِ حسنِ محمدی ﷺ کارازداں

جس طرح آپ ﷺ کی ذات اقدس کی حقیقت کو مخلوق سے مخفی رکھا گیا اسی طرح آپ ﷺ کے اوصاف ظاہری کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اسی وجہ سے آپ ﷺ کے اوصاف کے بارے میں بھی محدثین وعلماء کی رائے یہ ہے کہ ان کی حقیقت بھی مخلوق کماحقہ نہیں پاسکتی۔ جو کچھ صحابہ تابعین نے بیان کیا ہے وہ بطور تمثیل ہے۔

۳۔ امام ابراہیم بیجوریؒ فرماتے ہیں۔

ومن وصفہ ﷺ فانما وصفہ علی سبیل التمثیل والا فلا یعلم

جس نے آپ ﷺ کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ بطور تمثیل ہی کئے

احد حقیقة وصفه الا خالقه

(المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ ۱۱۹)

ہیں۔ ورنہ ان کی حقیقت سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

۴۔ امام علی بن برہان الدین الحلبیؒ لکھتے ہیں۔

کانت صفاته ﷺ الظاهرة لا تدرک حقائقها

(انسان العیون ۳: ۴۴۴)

آپ ﷺ کی صفات ظاہرہ کے حقائق کا بھی ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ امام قسطلانیؒ اسی بات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

هذه التشبیهات الواردة فی حقه علیه الصلوة والسلام انما هی علی سبیل التقریب والتمثیل والا فذاته اعلی

(المواہب اللدنیہ ۱: ۲۴۹)

اسلاف نے نبی اکرم ﷺ کے اوصاف کا جو تذکرہ کیا ہے۔ یہ بطور تمثیل ہے۔ ورنہ آپ ﷺ کی ذات اقدس اور مقام ان سے کہیں بالاتر ہے۔

۶۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ آپ کی صفات کو از قبیل متشابہات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مرادر تکلم در احوال وصفات ذات شریف وے وتحقیق آں حرجے تمام است کہ آں متشابہ ترین متشابہات است نزد من کہ تاویل آں ہیچ کس جز خدا نداند وھر کسے ھرچہ گوید بر قدر واندازہ فہم ودانش گوید واو صلی اللہ علیہ وسلم از فہم ودانش تمام عالم برتر است۔

مجھے آپ ﷺ کے اوصاف ومحاسن پر گفتگو کرتے وقت ہمیشہ ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے کیونکہ میرے نزدیک وہ ایسے اہم ترین متشابہات میں سے ہیں کہ ان کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جس نے بھی آپ ﷺ کی تعریف کی ہے اس نے اپنے فہم کے مطابق کی اور آپ کی ذات اقدس ہر صاحب فہم کے فہم سے بالاتر ہے۔

او برتر است کہ آید بخیال
اورا چناں کہ است بجز خدا کسے نشاسد

بلکہ وہاں حالت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سوا رب کی حقیقی معرفت کسی کو نہیں

چنانکہ خدا وا چنانکہ باید جزوے کسے نشاخت	اور آپ کی حقیقت سے کماحقہ سوائے رب کے کوئی واقف نہیں۔

(شرح فتوح الغیب '۳۴۰)

۷۔ ایک مرتبہ تاریخ اسلام کے مشہور سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کسی جنگی مہم کے لئے نکلے راستے میں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دیہات میں قیام فرمایا اس دیہات کے سردار کو جب آپ رضی اللہ عنہ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ حاضر ہوا۔

فقال له سيد ذلك الحي صف لنا محمدا ﷺ	اور عرض کیا کہ ہمیں رسالت مآب ﷺ کی صفاتِ عالیہ سے آگاہ کریں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سردار کی بات سن کر فرمایا۔

اما انی افصل فلا	میری کیا مجال کہ میں آپ کی صفات کا کماحقہ تذکرہ کر سکوں۔

سردار نے عرض کیا۔

اجمل	کچھ اجمالاً ہی تذکرہ کردیں۔

آپ نے فرمایا۔

الرسول على قدر المرسل (المواہب اللدنیہ '۱:۲۴۹)	رسول پاک ﷺ اپنے بھیجنے والے (اللہ تعالٰی) کی ہی شان عظیم کا مظہر ہیں۔

باب۔۲

حُسنِ سراپا کا تذکارِ جمیل

حضور اکرم ﷺ کا جسم اقدس نہ تو مائل بہ فربہی تھا اور نہ ہی نحیف وناتواں بلکہ آپ ﷺ کے جسم اقدس کی ساخت سرتاپا حسنِ اعتدال کا مرقع تھی۔ آپ ﷺ کے جملہ اعضائے مبارکہ میں ایسا حسین تناسب پایا جاتا تھا کہ دیکھنے والا یہ گمان بھی نہ کرسکتا تھا کہ فلاں عضو دوسرے کے مقابلے میں فربہ یا نحیف ہے۔ آپ ﷺ کے جسم اطہر کی ساخت اتنی متناسب اور کمال موزونیت کا مرقع تھی کہ اس پر فربہی یا کمزوری کا حکم نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ فربہی اور دبلاپن کی دونوں کیفیتیں شخصی وجاہت اور جسمانی حسن ووقار کے منافی سمجھی جاتی ہیں۔ چنانچہ رب العزت کو یہ بات گوارا نہیں ہوسکتی تھی کہ کوئی اس کے کارخانہ قدرت کے شاہکار کی طرف کسی خلاف حسن ووقار امر کی نسبت کرسکے۔ خدائے عزوجل نے بالیقین اپنے محبوب ﷺ کو بے مثل اور تمام عیوب ونقائص سے مُبّرا بنایا تھا۔ آپ ﷺ کے اعضائے مبارکہ اس قدر مثالی مناسبت اور دلکشی ورعنائی کے آئینہ دار تھے کہ انہیں دیکھ کر ایک حسنِ مجسم پیکر انسانی میں ڈھلتا دکھائی دیتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے حسیں سراپا کی مدح میں ہروقت رطب اللسان رہتے تھے۔ ان کی بیان کردہ روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ حسنِ ساخت کے اعتبار سے آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کی خوبصورتی اور رعنائی وزیبائی اپنی مثال آپ تھی۔ آپ ﷺ کا سینہ اقدس اور شکم مبارک دونوں ہموار تھے تاہم سینہ نہایت حسن اعتدال کے ساتھ بطن مبارک کی نسبت ذرا آگے کی طرف ابھرا ہوا تھا۔ طب وصحت کے مسلمہ اصولوں کے اعتبار سے آپ ﷺ کامل واکمل طور پر متناسب الاعضاء اور وجیہہ الصورت تھے۔ آپ ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں حسن تام اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ یوں متشکل نظر آتا تھا کہ بقول شخصے

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست

آپ ﷺ سرتاقدم حسنِ مجسم تھے اور یہ فیصلہ کرنا محال تھا کہ صوری حسن' جسد اطہر کے کس کس مقام پر کمال حسن کی کن کن بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے سراپائے حسن کو دیکھ کر بے خود رہ جاتے اور آپ ﷺ کے حسنِ سراپا کے بیان میں اپنے عجز اور کم مائیگی کا اعتراف کرتے۔ حق تو یہ ہے کہ ذاتِ مصطفوی ﷺ کا حسن سرمدی اظہار و بیان سے ماوراء تھا اور اہل عرب اپنی فصاحت و بلاغت کے تمام تر دعوؤں کے باوجود بھی اسے کماحقہ بیان کرنے سے عاجز تھے۔

گویا نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول کثیر ہیں' تیری بہار سے پھول چننے والوں کو اپنے دامن کی تنگی کی شکایت رہتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے سراپائے جمیل اور صورت زیبا کے دیدار سے اپنی آنکھوں کی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ ﷺ کے دیدارِ فرحت آثار سے انہیں سکون و طمانیت اور فرحت و راحت کی دولت نصیب ہوتی۔ ایمان کو حلاوت اور قلب و نگاہ کو تقویت ملتی۔

قرآن اور چہرہ مصطفوی ﷺ

کائناتِ حسن کے سارے جلوے وجود انسانیت میں مجتمع کر دیئے گئے۔ تاہم کائناتِ انسانیت کا حسن جب اپنے نقطہ کمال کو پہنچا تو وجودِ مصطفوی ﷺ میں مرکوز ہو گیا۔ یہی وہ حسنِ ازلی ہے جب پھیلا تو کائنات میں حسن کے جلوؤں کی مانگ بھر گئی اور سمٹا تو چہرہ مصطفوی ﷺ سے معنون ہو گیا۔ مکہ اور مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ اس پر یہود نے طعن کیا کہ مسلمان اور ان کا نبی ﷺ ہمارے دین کی تو مخالفت کرتے ہیں مگر نماز کے وقت ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو ان کو قبلہ کی خبر تک نہ ہوتی۔ یہ عنقریب ہمارے دین کو اختیار کر لیں گے۔ اس طعن کی وجہ سے رسالت مآب

ﷺ کے قلبِ اقدس پر بوجھ ہوا۔ آپ نے تبدیلی قبلہ کی خواہش کرتے ہوئے جرائیل امین سے فرمایا۔

وددت لو حولنی اللّٰہ الی الکعبہ فانھا قبلۃ ابی ابراھیم علیہ السلام

میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا قبلہ تبدیل فرما کر کعبہ کو قبلہ قرار دیں کیونکہ یہی میرے والد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے۔

حضرت جرائیل امین نے عرض کیا۔

انما انا عبد مثلک وانت کریم علی ربک فسل انت ربک فانک عند اللّٰہ بمکان

(لباب التاویل فی معانی التنزیل ۱:۹۹)

یا رسول اللہ ﷺ میں بھی ایک عبد ہوں اور آپ بارگاہ ایزدی میں معزز ہیں۔ آپ تبدیلی قبلہ کے بارے میں سوال کریں کیونکہ یہ اللہ کے ہاں آپ ہی کا مقام ہے۔

یعنی میں بندہ مامور ہوں اور آپ بندہ محبوب۔ میں صرف ماننے والا ہوں۔ آپ ماننے والے اور منوانے والے بھی ہیں۔ میں فقط اللہ کی رضا چاہنے والا ہوں اور آپ کی رضا اللہ کو مطلوب ہے۔ یہ کہہ کر جرائیل امین آسمان پر چلے گئے۔ حضور ﷺ نے نماز کی نیت باندھ لی اور اس آرزوئے شوق میں کہ تبدیلی قبلہ کا حکم آئے چہرہ اقدس اٹھا کر بار بار آسمان کی طرف دیکھا۔ بس چہرہ اقدس کو اٹھانے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ کے اس انداز پر پیار آگیا۔ فرمایا:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(البقرہ ۲:۱۴۴)

اے محبوب ہم آپ کے چہرہ اقدس کے بار بار آسمان کی طرف اٹھنے کو دیکھ رہے ہیں ہم آپ کا چہرہ آپ کے پسندیدہ قبلے کی طرف پھیر دیں گے۔ بس اپنا چہرہ اب مسجد حرام کی طرف

پھیر ہی لیجئے۔

قرآن نے جہاں آپ ﷺ سے منسوب دیگر اشیاء کی قسم کھائی وہاں آپ کے چہرہ اقدس اور گیسوئے عنبریں کی قسم بھی کھائی ہے۔ جب سلسلہ وحی "الوحی حکمت کے پیش نظر کچھ دن منقطع ہوا تو اس پر بعض بدبخت دشمنانِ اسلام نے زبانِ طعن دراز کی اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ کا خدا (نعوذ باللہ) اس سے روٹھ گیا ہے۔ اس قسم کی طعن آمیز باتوں کی وجہ سے بمقتضائے بشریت آپ کی طبیعت مبارکہ میں کچھ ملال سا پیدا ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ کو نازل کیا اور فرمایا:

وَالضُّحٰى ۝ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝
(الضحیٰ، ۹۳: ۱۔۳)

قسم ہے چاشت (کی طرح چمکتے ہوئے چہرہ زیبا) کی اور سیاہ رات (کی طرح شانوں کو چھوتی ہوئی زلفوں) کی۔ تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے روٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ان الفاظ کے ذریعے اس بات کی طرف متوجہ کر دیا کہ جو اللہ تیرے رخ تاباں اور گیسوئے عنبریں تک کی قسم کھاتا ہے کبھی اس قدر پیار کرنے والا بھی اپنے محبوب سے ناراض ہو سکتا ہے۔

باقی یہاں چاشت سے مراد آپ کا چہرہ اقدس اور لیل سے آپ کی مبارک زلفیں ہیں۔

۱۔ حضرت ملا علی قاری " اسی تصور کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والا نسب بهذا المقام فی تحقیق المرام ان یقال ان فی الضحی ایماء الی وجهه ﷺ کما ان فی اللیل اشعارا الی شعره علیه الصلوٰة والسلام
(شرح الشفاء، ۱: ۸۲)

اس سورت کا نزول جس مقصد کی خاطر ہوا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ قول کیا جائے کہ ضحیٰ میں آپ ﷺ کے چہرہ انور اور لیل میں آپ ﷺ کی مبارک زلفوں کی طرف اشارہ ہے۔

واضح بات ہے کہ جب یہاں مقصد آپ ﷺ کو تسلی دینا ہے تو چاشت اور رات کی قسم کھانا مقام کے مناسب نہیں۔ ہاں مناسب یہی ہے کہ آپ کے چہرہ انور اور سیاہ زلفوں کی قسم کھائی جائے تاکہ دشمنان اسلام کو شرمندگی اور آپ کو تسکین حاصل ہو۔

۲۔ امام زرقانیؒ "امام قسطلانیؒ" کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔

الضحی بوجهه ﷺ واللیل بشعره

ضحیٰ سے مراد آپ کا چہرہ انور اور رات سے مراد آپ کی مبارک زلفیں ہیں۔

(زرقانی' ۲۱۰:۶)

۳۔ امام فخرالدین رازیؒ "والضحی ○ واللیل اذا سجی" کے تحت لکھتے ہیں۔

هل احد المذکرین فسر الضحی بوجه محمد واللیل بشعره؟

کیا کسی مفسر نے ضحیٰ کی تفسیر حضور ﷺ کے چہرہ اقدس اور لیل کی تفسیر آپ کی زلفوں کے ساتھ کی ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نعم ولا استبعاد فیه ومنهم من زاد علیه فقال: والضحی ذکور اهل بیته واللیل اناثهم

(تفسیر کبیر' ۲۱۰:۳۱)

ہاں یہ تفسیر کی گئی ہے اور اس میں کوئی بُعد نہیں اور بعض نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ **والضحی** سے آپ ﷺ کے اہل بیت کے مذکر افراد اور **واللیل** سے مؤنث افراد اہل بیت مراد ہیں۔

۴۔ امام نیشاپوریؒ لکھتے ہیں۔

لا استبعاد مما یذکره الواعظ من تشبیه وجه محمد ﷺ بالضحی وشعره باللیل

(تفسیر نیشاپوری' ۱۰۷:۳)

علماء اسلام حضور ﷺ کے چہرہ اقدس کو جو ضحیٰ کے ساتھ اور مبارک زلفوں کو لیل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۵۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

ومن الناس من فسر الضحی بوجهه ﷺ واللیل بشعره علیه الصلوٰۃ والسلام کما ذکر الامام و قال لا استبعاد فیه
(روح المعانی، ۳۰:۱۷۸)

بعض مفسرین نے الضحیٰ سے آپ کا چہرہ اقدس اور الیل سے آپ ﷺ کی زلفیں مراد لی ہیں۔ امام رازیؒ نے اس قول کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ معنی لینے میں کوئی حرج نہیں۔

۶۔ علامہ اسماعیل حقیؒ "الضحی اور اللیل کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اشارتست بروشنی و روی حضرت مصطفے ﷺ وکنایت ست از سیاہی موئے وے
(روح البیان، ۱۰:۴۵۳)

یہ آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کی نورانیت اور آپ ﷺ کی زلفوں کی سیاہی کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ آیت مذکورہ کی مختلف تفاسیر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بعضے گویند کہ مراد از ضحی روئے پیغبر است ﷺ واز لیل موئے او کہ در سیاہی ہچو شب است
(تفسیر عزیزی، عم:۳۱۰)

بعض مفسرین نے ضحٰی سے آپ ﷺ کا چہرہ مراد لیا ہے اور لیل سے آپ کی مبارک زلفیں جو سیاہی میں تاریک رات کی طرح ہیں۔

۸۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کو قرآن کا ورق قرار دیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان ابابکر کان یصلی لهم فی وجع النبی ﷺ الذی توفی فیه حتی اذا کان یوم الاثنین و هم صفوف فی الصلوٰۃ فکشف النبی ﷺ

حضور ﷺ کے مرضِ وصال کے دنوں میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کے فرائض انجام دیا کرتے۔ سوموار کا دن تھا۔ صحابہ

الحجرۃ ینظر الینا وھو قائم کان وجھہ ورقۃ مصحف ثم تبسم یضحک فھممنا ان نفتتن من الفرح برویۃ النبی ﷺ فنکص ابوبکر علی عقبیہ لیصل الصف وظن ان النبی ﷺ خارج الی الصلوٰۃ فاشار الینا ان اتموا صلوتکم وارخی الستر فتوفی من یومہ ﷺ

(الوفاء ، ۷۷۸)

کرام رضی اللہ عنہم صف در صف ان کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے تو اچانک نبی اکرم ﷺ نے اپنے حجرہ انور کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہمیں دیکھا (ہم نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی) تو وہ قرآن کے ورق کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ ہماری کیفیت دیکھ کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ ہم نے آپ ﷺ کے دیدارِ فرحت آثار کی خوشی کی وجہ سے نماز توڑ دینے کا ارادہ کرلیا۔ ابوبکر مصلّٰی چھوڑ کر صف کی طرف آئے۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ شاید آقا تشریف لے آئے ہیں۔ آپ نے صحابہؓ کو اشارے سے نماز کو پورا کرنے کا حکم دیا اور پردہ نیچے گرا دیا۔ اسی دن آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔

حضرت ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اخر نظرۃ نظرتھا الی رسول اللہ ﷺ کشف الستارۃ یوم الاثنین فنظرت الی وجھہ کانہ ورقۃ مصحف

(شمائل الترمذی:۲۸)

مجھے آپ کے چہرہ اقدس کی آخری زیارت اور دیدار اس وقت نصیب ہوا جب پیر کے دن آپ نے پردہ ہٹا کر صحابہ کو نماز پڑھتے ہوئے ملاحظہ فرمایا پس میں نے آپ کے چہرہ اقدس کو

قرآن مجید کا ایک ورق پایا۔

محدث کبیر علامہ عبدالرؤف المناوی ؒ وجہ تشبیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ووجه التشبيه حسن الوجه وصفاء البشرة وسطوع الجمال لما افيض عليه من مشاهدة جمال الذات (حاشیہ علی شمائل الترمذی ' ۲: ۳۰۴)

چہرہ اقدس اپنی صفائی ' حسن اور جمال کی چمک دمک میں قرآن کے ورق کی طرح کیوں نہ ہو کیونکہ یہی وہ چہرہ اقدس ہے جس نے جمال ذات باری تعالیٰ کے مشاہدہ سے فیضان پایا ہے۔

امام نووی ؒ کان وجهه ورقة مصحف کے تحت لکھتے ہیں۔

عبارة عن الجمال البارع وحسن البشرة وصفاء الوجه واستنارته

یہ جملہ آپ کے چہرہ اقدس کو ورقِ مصحف اس لئے کہا کہ جس طرح ورق مصحف کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے حسّی و معنوی نور پر مشتمل ہے اسی طرح آپ کا چہرہ اقدس بھی جمال حسّی و معنوی کا مرکز و منبع ہے۔

کسی اہل محبت نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

مصحفے را ورق ورق دیدم
ہیچ سورت نہ مثل صورت اوست

(میں نے قرآن کا ورق ورق دیکھا مگر اس کی کسی سورت کو بھی حضور ﷺ کی صورت کی مثل نہیں پایا۔)

چہرہ مصطفےٰ ﷺ جمال الٰہی کا آئینہ دار ہے

یوں تو کائنات کی ہر شے حسن باری تعالیٰ کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ چاند ' سورج ' ستارے سبھی کے سبھی اس حسن مطلق کی تخلیق کے شاہکار ہیں۔ مگر ان سب سے بڑھ کر جمال الٰہی کا مظہر چہرہ اور ذات مصطفوی ہے کیونکہ یہی وہ چہرہ اقدس ہے جو ہر

وقت اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور توجہ کا مرکز ہے۔ جسے قرآن فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (آپ ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں) کے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

چونکہ آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس جمال الٰہیہ کا مظہر اتم ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

من رانی فقد رأی الحق فان الشیطان لایتکوننی.

جس شخص نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

(بخاری، کتاب التعبیر، ۶:۲۵۶۸)

امام نبہانی امام احمد بن ادریسؒ کے حوالے سے مذکورہ حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من رانی فقد رأی الحق تعالیٰ.

جس نے مجھے دیکھا گویا اس نے اللہ کو دیکھا۔

(جواہر البحار، ۳:۴۸)

برصغیر کے عظیم بزرگ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ حدیث کے معانی کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

حضرت رسالت مآب ﷺ کے فرمان "من رانی فقد رأی الحق" کے دو معنی ہیں:

اول یہ کہ من رانی فقد رانی یقینا فان الشیطان لا یتمثل به.

دوم یہ کہ من رانی فقد رأی اللہ تعالیٰ.

یعنی اس فرمان نبوی ﷺ کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ جس نے مجھے دیکھا یقیناً اس نے مجھے ہی دیکھا شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اور دوسرا معنی یہ ہوگا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ (شمائم امداد: ۹۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ چہرۂ اقدس کو جمال الٰہی کا آئینہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اما وجہ شریف وے ﷺ مرات جمال الٰہی و مظہر انوار لامتناہی وے بود

آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس اللہ تعالیٰ کے جمال کے لئے آئینہ ہے اور اس قدر انوارِ الٰہی کا مظہر ہے کہ اس کی حد نہیں۔

(مدارج النبوۃ، ۱:۵)

چہرہ مصطفےٰ ﷺ کے حسن بے مثال کا منظر

۱۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ احسن الناس وجھا واحسنہ خلقا

(مسلم، کتاب الفضائل: ۹۳)

آپ ﷺ چہرہ اقدس کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ حسین ہیں اور اخلاق میں بھی۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ان نبیکم صبیح الوجہ کریم الحسب حسن الصوت

(الوفائی احوال المصطفےٰ، ۲: ۴۰۶)

آپ ﷺ کا چہرہ خوش منظر تھا اور آپ ﷺ کا نسب مبارک اعلیٰ اور آواز حسین تھی۔

۳۔ حضرت ام معبدؓ چہرہ انور کی زیارت کے بعد اپنے تاثرات ان الفاظ سے بیان کرتی ہیں۔

رایت رجلا ظاھرا الوضاءۃ متبلج الوجہ

(سبل الھدیٰ، ۲: ۵۶)

حضور ﷺ کے چہرہ اقدس میں سورج کی سی تابانی اور درخشندگی تھی۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ما رایت شیأء احسن من رسول اللہ کان الشمس تجری فی وجھہ

(الترمذی، ۲: ۲۰۶)

میں نے آپ ﷺ سے بڑھ کر حسین کسی کو نہیں پایا (آپ کے چہرہ اقدس کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا) گویا آپ ﷺ کے چہرہ انور میں آفتاب محو خرام ہے۔

۵۔ امام نسائیؒ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مقام بدر کے احوال ذکر کرتے ہوئے نقل کیا کہ جب آپ ﷺ بارگاہِ ایزدی میں نماز اور دعا سے فارغ ہو کر ہماری

طرف متوجہ ہوئے تو یہ کیفیت تھی۔

کان شقة وجهه القمر فقال هذه مصارع القوم العشيه
(سبل الہدیٰ ۲:۵۸)

آپ ﷺ کا چہرہ انور چاند کی طرح تھا اور فرمایا ان ان مقامات پر کل فلاں فلاں دشمن کی موت واقع ہوگی۔

۶۔ بخاری شریف میں ابو اسحاق ؒ سے مروی ہے کہ حضرت براء بن عاذب ؓ سے ایک شخص نے سوال کیا:

اكان وجه رسول الله ﷺ مثل السيف

کیا رسالت ماب ﷺ کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا؟

آپ ؓ نے فرمایا:

لا بل مثل القمر
(البخاری ۱:۵۰۲)

تلوار کی مانند نہیں تھا بلکہ چاند کی طرح تھا۔

۷۔ شیخ ابراہیم بیجوری ؒ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اكان وجه رسول الله ﷺ مثل السيف اى فى الاستنارة والاستطالة فالسوال عنهما معا وقوله قال لا بل مثل القمر اى ليس مثل السيف فى الاستنارة والاستطالة بل مثل القمر المستدير الذى هو انور من السيف
(المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ ۲:۲۵۰)

سائل کا سوال دونوں چیزوں کے بارے میں تھا کہ کیا آپ ﷺ کا چہرہ اقدس لمبائی اور چمک میں تلوار کی مانند تھا؟ آپ نے دونوں باتوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نہیں روشنی ولمبائی میں چہرہ تلوار کی طرح نہ تھا بلکہ چاند کی طرح گول تھا جو کہ تلوار سے زیادہ منور ہوتا ہے۔

۸۔ اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ ؓ کے سامنے جب ایک شخص نے کہا۔

وجهه مثل السيف

آپ کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا۔

لا بل کان مثل الشمس والقمر وکان مستدیرا	ہرگز نہیں بلکہ آپ کا چہرہ انور شمس وقمر کی طرح تھا اور گولائی میں تھا۔

(المسلم ۲: ۲۵۹)

۹۔ حضور ﷺ کے چہرہ اقدس کے خدوخال کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان فی وجہ رسول اللہ ﷺ تدویر	رسول اللہ ﷺ کا چہرہ انور گول تھا (جیسے چودھویں کا چاند ہوتا ہے)

(سبل الہدیٰ ۲: ۵۶)

باقی گولائی میں آپ کا چہرہ اقدس کو چاند قرار دینا محض تشبیہ ہے ورنہ آپ کا چہرہ انور نہ ہی بالکل گول تھا اور نہ ہی لمبا بلکہ معتدل تھا۔

۱۰۔ شیخ ابراہیم بیجوری ؒ لکھتے ہیں۔

مثل القمر المستدیر الذی ھو انور من السیف لکنہ لم یکن مستدیرا جدا بل کان بین الاستدارۃ والاستطالۃ	آپ کا چہرہ انور گولائی میں چاند کی طرح اور چمک میں تلوار سے بڑھ کر تھا لیکن نہ بالکل گول تھا اور نہ ہی لمبا بلکہ ان کے درمیان تھا۔

(المواہب علی الشمائل ۲۵)

چہرہ مصطفےٰ ﷺ چاند سے بھی حسیں تر

یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاند سے موازنہ کرتے ہوئے آپ کے حسن زیبا کو اس سے دوبالا قرار دیا۔

چودھویں رات کا چاند جب اپنے پورے شباب پر ہوتا تو حسنِ مصطفوی ﷺ کا نظارہ کرنے والے جنہیں شب وروز خوش قسمتی سے آپ ﷺ کے دیدار کی سعادت نصیب تھی کبھی آپ کے سراپا حسن کو دیکھتے اور کبھی چاند کو۔ کشتگانِ حسنِ

مصطفوی ﷺ آپ کے حسن کی تابندگی کا چاند سے موازنہ کرتے تو انہیں آپ ﷺ کا چہرہ چاند سے بدرجہا حسین تر دکھائی دیتا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

چاندنی رات تھی۔ حضور اکرم ﷺ سرخ چادر اوڑھے محوِ استراحت تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ ﷺ کے چہرہ انور کو۔ بالآخر میرا دل بے اختیار پکار اٹھا۔

فھو عندی احسن من القمر
(شمائل ترمذی: ۲)

آپ ﷺ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں۔

گویا آفتابِ رسالت ﷺ کے لمعات سے چاند کی آب و تاب مدھم پڑ جاتی تھی اور دیکھنے والی آنکھ یہ فیصلہ کئے بغیر نہ رہتی تھی کہ چاند کا حسن، حسنِ مصطفوی ﷺ کے مقابلے میں ماند ہے۔

حضرت ملا علی قاری" حسنِ مصطفوی ﷺ کے مقابلے میں چاند کے ماند ہونے کی وجہ تحریر کرتے ہیں۔

فنور وجھہ ﷺ ذاتی لا ینفک عنہ ساعۃ فی اللیالی والایام و نور القمر مکتسب مستعار ینقص تارۃ ویخسف تارۃ اخری
(جمع الوسائل علی الشمائل، ۱:۵۶)

آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کا نور شب و روز میں کبھی جدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ آپ ﷺ کا ذاتی وصف ہے بخلاف چاند کے۔ اس کا نور سورج سے مستعار ہے اسی لئے کبھی اس میں کمی آجاتی ہے بلکہ کبھی بے نور ہو جاتا ہے۔

چہرہ مصطفےٰ ﷺ کی ضیاپاشیاں

۱۔ حضرت ہند ابی ہالہ رضی اللہ عنہ شاہکار انسانیت ﷺ کے حیات آفریں چہرہ اقدس کی ضیاپاشیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

يتلالؤ وجهه تلالؤ القمر ليلة البدر	آپ ﷺ کا چہرہ اقدس چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

(شمائل الترمذی:۲)

روایت مذکورہ میں یتلالؤ کے الفاظ دوام ہمیشگی اور استمرار پر دلالت کرتے ہیں' یعنی چہرہ انور کی درخشانی و تابندگی عارضی نہ تھی بلکہ ہر آن آپ ﷺ کے چہرہ اقدس سے انوار کی رم جھم جاری رہتی تھی۔ یہاں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ آپ ﷺ کے چہرہ تاباں کا تذکرہ کرتے ہوئے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی آپ ﷺ کے چہرہ انور کو سورج سے تشبیہ نہیں دی بلکہ ہر ایک نے چاند سے تشبیہ دی۔

۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

كان رسول الله ﷺ احسن الناس وجها وانورهم لونا لم يصفه واصف قط الا شبه وجهه بالقمر ليلة البدر وكان عرقه في وجهه مثل اللؤلؤ	آپ ﷺ سب سے بڑھ کر حسین اور خوش منظر تھے۔ جس کسی نے بھی آپ ﷺ کی توصیف کی' چودھویں کے چاند سے ہی تشبیہ دی۔ آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر پسینہ یوں محسوس ہوتا جیسے موتی۔
(زرقانی علی المواہب' ۴:۲۲۵)	

۳۔ امام محمد بن یوسف الصالحیؒ' چاند ہی سے تشبیہ دینے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے حافظ ابو الخطاب بن دحیہؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

لان القمر يونس كل من شاهده و يجمع النور من غير اذى حر و يتمكن من النظر اليه بخلاف الشمس التي تعشي البصر فتمنع من الروية	چاند کا مشاہدہ کرنے والا اس سے مانوس ہو جاتا ہے اور اس سے حصول نور بغیر گرمی کے۔ اور اس پر نظر جمانا ممکن ہوتا ہے۔ بخلاف سورج کے کہ اس کی طرف دیکھتے ہی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور آنکھیں دیکھنے سے عاجز آجاتی ہیں۔
(سبل الہدیٰ' ۲:۵۹)	

۴۔ شارح شمائل محمدیہ شیخ ابراہیمؒ نے وجہ تشبیہ یوں ذکر کی ہے۔

انما اثر القمر بالذکر دون الشمس لانہ ﷺ محا ظلمات الکفر کما ان القمر محا ظلمات الیل
(المواہب علی الشمائل، ۱۹)

قمر کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح قمررات کی تاریکیوں کو محو کر دیتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کے نور نے کفر و شرک کی تاریکیوں کو کافور کر دیا۔

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ چاند کی روشنی ٹھنڈک و برودت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ سورج سے مستعار ہوتی ہے۔ بلا تشبیہ وبلا مثال حضور ﷺ کے چہرہ تاباں کی ضوفشانی بھی اللہ رب العزت کے نور قدسی سے ہی مستعار و مستنیر ہے۔ جو آفتابِ جہاں تاب کی مانند ہر سو جلوہ فگن ہے اس نسبت سے حضور ﷺ کا رخ انور، انوار و تجلیات الٰہیہ کا مظہر اور مہبط ہے۔ اس پر مزید یہ کہ رب العزت نے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس میں اس قدر کشش وجاذبیت رکھی ہے کہ ہر طالب دیدار ہمہ وقت تمنائی ہے کہ اسے دیکھتا ہی چلا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے دیدار فرحت آثار سے راحت قلب اور آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کرتے تھے۔ ان کے دل اس حسن جہاں آراء کے جلوؤں سے کبھی بھی سیر نہ ہوتے اور وہ یہ چاہتے کہ یہ پیکرِ حُسن ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہے اور وہ اس حسن حیات آفریں کے جلوؤں سے زندگی کی خیرات حاصل کرتے رہیں۔

۵۔ اسی کیفیت کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ دخل علیھا مسرورا تبرق اساریر وجھہ
(البخاری، ۱:۵۰۲)

حضور ﷺ میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ مسرور تھے اور پیشانی مبارک کے تمام خدوخال نور کی طرح چمک رہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انہ ﷺ اذا ضحک یتلا لو فی الجدر

جب آپ ﷺ مسکراتے تو نور دیواروں پر چمکتا تھا۔

۶۔ ملا علی قاریؒ نے درج ذیل الفاظ میں حدیث کا ترجمہ کیا ہے۔

ای یشرق نورہ علیہ اشراقا کاشراق الشمس علیھا

(جمع الوسائل علی الشمائل، ۲:۱۹)

دیواروں پر نور اس طرح چمکتا جس طرح سورج کی وجہ سے دھوپ پڑتی ہے۔

۷۔ "نہایہ ابن اثیر" میں مذکور ہے۔

انہ علیہ الصلوۃ والسلام کان اذا سر فکان وجھہ المرأۃ التی تریٰ فیھا صوَر الأشیاء و کان الجدار تلاحک وجھہ ای یری شخص الجدار فی وجھہ ﷺ

جب حضور ﷺ مسرور ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ اقدس آئینہ کی طرح شفاف اور مجلا ہو جاتا۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور میں اشیاء کا عکس حتیٰ کہ دیواریں تک بھی صاف دکھائی دیتیں۔

۸۔ امام زرقانیؒ لکھتے ہیں۔

ان وجھہ ﷺ کان شدید النور حیث یقع نورہ علی الجدار اذا قابلھا

(زرقانی، ۶:۲۱۰)

آپ ﷺ کا چہرہ اقدس اس قدر نورانی تھا کہ جب اس کی نورانیت دیواروں پر پڑتی تو وہ چمک اٹھتیں۔

چہرہ اقدس کے انوار سے گمشدہ سوئی کا ملنا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کے اعجاز کے بارے میں بیان کرتی ہیں کہ ایک اندھیری رات میں مجھ سے سوئی زمین پر گر گئی۔ میں تلاش کر رہی تھی۔

فکشفت عن وجہ رسول اللہ ﷺ فتبینت الا برۃ بشعاع وجہ رسول اللہ ﷺ
(ابن عساکر، ۱: ۳۲۴)

کہ اچانک رسالت مآب ﷺ کے مبارک چہرہ سے نور کی شعاعیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ اس چمک کی وجہ سے مجھے گم شدہ سوئی مل گئی۔

یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ یا اتفاقیہ معاملہ نہ تھا بلکہ آپؓ فرماتی ہیں۔

کنت ادخل الخیط فی الا برۃ حال الظلمۃ لبیاض رسول اللہ ﷺ
(الخصائص الکبریٰ، ۱: ۱۵۶)

میں ہمیشہ رات کی تاریکی میں آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کے نور کی روشنی میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیا کرتی تھی۔

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے تیرے
شام کو صبح بناتا ہے اُجالا تیرا

چہرۂ اقدس حق وصداقت کا مظہر

حضرت عبداللہ بن سلام جو یہودی عالم تھے۔ وہ اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میں نے مدینہ طیبہ میں ایک ایسی ہستی کی آمد کے بارے میں سنا جس نے نبی آخر الزماں ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو میں اسے دیکھنے کی غرض سے گیا۔ وہ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے آپ فرماتے ہیں۔

فلما تبنت وجھہ عرفت ان وجھہ لیس بوجہ کذاب
(مشکوٰۃ المصابیح، باب فضل الصدقہ: ۱۶۸)

جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ اقدس دیکھا تو میرے دل نے گواہی دی کہ یہ (پرنور) چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔

گویا آپ ﷺ کے چہرۂ زیبا کا حسن وجمال زبان حال سے شہادت دے رہا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

حضرت حارث بن عمرو السہمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

اتیت رسول اللہ ﷺ وھو بمنی وقد اطاف بہ الناس قال فتجی الاعراب فاذا راوا وجھہ قالوا ھذا وجہ مبارک

(ابوداؤد' کتاب المناسک:۸)

کہ میں منیٰ کے مقام پر اپنے آقا علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کی زیارت کے لئے مختلف لوگ آرہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی کوئی دیہاتی آپ ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت سے مشرف ہوتا تو وہ پکار اٹھتا کہ یہ چہرہ انوار الٰہیہ کا مظہر اتم ہے۔

دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ
یاد آتا ہے خدا دیکھ کے صورت تیری

چہرہ مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں قافلہ سالار کی بیوی کی رائے

طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارا قافلہ مدینہ منورہ کے باہر آرام کے لئے رکا۔ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ اس وقت ہم آپ سے شناسا نہ تھے۔ ہمارے پاس سرخ رنگ کا اونٹ تھا جو حضور ﷺ کو پسند آگیا۔ آپ ﷺ نے اونٹ کے مالک سے اونٹ خریدنے کا اظہار کیا اور بالآخر سودا طے پاگیا۔ لیکن چونکہ اس وقت آپ ﷺ کے پاس اس کی قیمت نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے قیمت بھجوانے کا وعدہ کیا اور اونٹ لے کر چل دیئے۔ جب آپ ﷺ روانہ ہو چکے تو اہلِ قافلہ میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ کسی نے اس شخص کا نام تک نہیں پوچھا۔ مبادا یہ شخص وعدہ پورا نہ کرے۔ وہ اس نوعیت کی قیاس آرائیاں کر ہی رہے تھے کہ قافلہ سالار کی بیوی اہل قافلہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

لقد رایت وجہ رجل لا یغدر بکم ما

بے شک میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا

رایت شیئا اشبہ بالقمر لیلۃ البدر من وجھہ اذ أقبل رجل فقال انا رسول رسول اللہ ﷺ الیکم ھذا تمرکم فکلوا وشبعوا واکتالوا واستوفوا فاکلنا حتی شبعنا واکتلنا

(زرقانی' ۴:۹۴)

ہے (مجھے یقین ہے کہ) ایسا شخص ہرگز تمہیں دھوکا نہیں دے سکتا۔ میں نے (آج تک) اس کے چہرے سے بڑھ کر کسی چیز کو بھی چودھویں کے چاند سے مشابہ نہیں پایا۔ اسی اثناء میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں رسول خدا ﷺ کا قاصد ہوں یہ کھجوریں ہیں خوب پیٹ بھر کر کھا بھی لو اور اپنی قیمت بھی پوری کر لو تو ہم نے خوب کھالیا اور قیمت بھی پوری کر لی۔

حسن مصطفےٰ ﷺ پر فریفتگی تقاضائے ایمان ہے

سابقہ صفحات میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کو کائنات کی ہر حسین شے سے حسین ماننا ایمان کا تقاضا ہے۔ یہاں صرف اس بات کو واضح کرنا مقصود ہے کہ ایک مومن کے ایمان کی کیفیت حضور ﷺ کے چہرہ اقدس کے بارے میں کیا ہونی چاہئے۔ اس کے لئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ واقعہ نہایت ہی قابل توجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسالت مآب ﷺ نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ وہ لشکر یمامہ کے سربراہ ثمامہ بن ثلال کو گرفتار کر کے لایا۔ حضور ﷺ نے اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا۔ تین دن تک وہاں بندھا رہا۔ روزانہ آپ ﷺ اس سے گفتگو فرماتے۔ جب تیسرے دن آپ ﷺ گفتگو سے فارغ ہوئے تو آپ نے اسے کھول دینے کا حکم صادر فرمایا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے اسے کھول دیا تو وہ مسجد نبوی کے قریب آیا۔ کھجوروں کا باغ تھا' وہاں چلا گیا۔ غسل کیا اور پھر فی الفور واپس آکر

آپ ﷺ کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کر لیا اور یوں عرض کرنے لگا۔

یا محمد واللّٰہ ما کان علی وجه الارض وجه ابغض الی من وجھک لقد اصبح وجھک احب الوجوہ کلھا الیّ واللّٰہ ما کان من دین ابغض الیّ من دینک فاصبح دینک احب الدین کلہ الیّ واللّٰہ ما کان من بلد ابغض الیّ من بلدک فاصبح بلدک احب البلاد کلھا الیّ

(مشکوۃ المصابیح' ۳۴۵)

اے محمد ﷺ اللہ کی قسم مجھے اس روئے زمین پر آپ کے چہرے سے بڑھ کر کوئی شے مبغوض نہ تھی۔ مگر (زیارت کے بعد) اب آپ ﷺ کے چہرہ اقدس سے بڑھ کر مجھے کوئی شے محبوب نہیں۔ اللہ کی قسم آپ ﷺ کا دین میرے ہاں سب سے مبغوض تھا لیکن اب تمام ادیان سے پسندیدہ ہے۔ اللہ کی قسم آپ ﷺ کے شہر سے بڑھ کر کوئی شہر ناپسند نہ تھا مگر اب یہ شہر مدینہ تمام شہروں سے محبوب تر ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آپ ﷺ کے رخ انور سے پھوٹنے والی نورانی شعاعوں کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھا۔

انک الیوم احب والدی ومن عینی ومنی وانی لاحبک بداخلی وخارجی و سری وعلانیتی.

(تاریخ ابن کثیر' ۲: ۱۴۹' ۱۵۰)

آپ ﷺ مجھے والدین حتیٰ کہ خود اپنی ذات سے زیادہ محبوب ہیں بلکہ میرے اندر باہر ظاہر و باطن میں آپ ﷺ ہی کی محبت کی حکمرانی ہے۔

حسن مصطفےٰ ﷺ کا اسیر ایمان پاتا ہے

جو شخص محبت کی نظر سے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس کو دیکھ لیتا پھر آپ ﷺ سے جدا ہونا پسند نہ کرتا۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو کفار قریش نے سفیر بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی تو دل کی حالت بدل گئی۔ عرض کرنے لگے اب واپس جانے کو جی نہیں چاہتا' آپ ﷺ مجھے اپنے قدموں میں رہنے کی

اجازت مرحمت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح قاصد کا رہ جانا مجھے پسند نہیں۔ آپ واپس جائیں۔ اگر یہی کیفیت باقی رہی تو واپس آنے کی اجازت دیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے لیکن پھر واپس آگئے اور اسلام قبول کرلیا۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ اپنی کہانی یوں بیان کرتے ہیں۔

بعثنی قریش الی رسول اللّٰہ ﷺ فلما رایت رسول اللّٰہ ﷺ القی قلبی الاسلام فقلت یا رسول اللّٰہ انی و اللّٰہ لا ارجع الیھم أبدا

مجھے قریش نے آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں بھیجا۔ آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہی اسلام نے میرے دل میں گھر کرلیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میں لوٹ کر کفار کی طرف نہیں جاؤں گا بلکہ ہمیشہ آپ کے قرب میں ہی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

میری گفتگو سن کر آپ ﷺ نے فرمایا۔

انی لا اخیس بالعھد..... ولا احبس البرد ولکن ارجع فان کان فی نفسک الذی فی نفسک الان فارجع

میں عہد کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا اور نہ ہی قاصد کو اپنے پاس روک لینا میرا طریقہ ہے۔ آپ ان کفار کی طرف جائیں۔ اگر یہ محبت قائم رہے تو واپس آجائیں۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے حکم پر واپس تو چلا گیا لیکن اب وہاں جی نہ لگا۔

ثم اتیت النبی ﷺ فاسلمت

میں واپس آگیا اور اسلام قبول کرلیا۔

(مشکوۃ المصابیح' باب الایمان: ۲/ ۳۴۷)

فقر و فاقہ کی کیفیت چہرہ مصطفےٰ ﷺ میں مزید ترو تازگی کا سبب بنتی تھی۔

حضرت ملا علی قاری آپ ﷺ کے حسن جہاں تاب کے اسی اعجاز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مما اکرم اللہ سبحانہ بہ نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ مع تالمہ بالجوع یضاعف لہ الاجر حفظ کمال قوتہ وصان نضارۃ جسمہ حتی ان من راہ لا یظن بہ جوعا بل کان جسمہ الشریف ووجہہ اللطیف اشد رونقاً وبھاء من اجساد المترفین

(جمع الوسائل، ۲:۱۸۸)

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو مقامات عالیہ عطا فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فقر و فاقہ کی کیفیت سے درجات میں بلندی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے کمال قوت اور جسم کی ترو تازگی کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ زیارت کرنے والا کوئی بھی شخص یہ محسوس نہ کرسکتا کہ یہ ذات کئی ماہ سے اس شان میں ہے بلکہ آپ ﷺ کا جسم اطہر اور چہرہ انور دنیا کے تمام اہل ثروت سے پر رونق اور ترو تازہ تھا۔

ہر رات دیدارِ الٰہی آپ ﷺ کی سیری کا سامان بنتا

شیخ ابراہیم بیجوری" اس مسئلہ پر کہ آپ ﷺ کو فقر و فاقہ کی وجہ سے جسمانی تکلیف ہوتی تھی یا نہیں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وکان لا یتالم من الجوع لانہ کان یبیت عند ربہ یطعمہ ویسقیہ ای یبیت مشاھدا لربہ یعطیہ قوۃ

آپ ﷺ کو بھوک تکلیف نہ دے پاتی کیونکہ آپ ﷺ رات اپنے رب کے ہاں گزارتے جو آپ ﷺ

الطاعم والشارب ويدل ذالک ما جاء عن جمع انه كان مع ذالک لايظهر عليه اثر الجوع بل كان حسن الجسم عظيم القوة جدا

(المواہب اللدنیہ، ۱۸۵)

کو کھلاتا اور پلاتا (اگرچہ یہ کھانا پینا حقیقتاً نہ ہوتا) بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ اس حال میں رات بسر کرتے کہ اپنے رب کا دیدار کرتے۔ وہ دیدار آپ ﷺ کے اندر کھانے اور پینے والے سے بڑھ کر قوت پیدا کرتا۔ اس کی تائید (کہ بھوک اذیت کا سبب نہ تھی) اس متفق علیہ قول سے بھی ہوتی ہے کہ بھوک کا اثر آپ ﷺ کے جسم پر کبھی محسوس تک نہیں کیا جاسکتا تھا بلکہ روز بروز آپ ﷺ کے مبارک جسم میں حسن اور عظیم قوت کا اضافہ ہوجاتا۔

جسم اطہر کی چشم نواز رنگت

آپ ﷺ کا جسم اطہر رنگت میں نہ تو چونے کی طرح بالکل سفید تھا اور نہ ہی خاکستری مائل بلکہ ملاحت آمیز سفیدی کے ساتھ سرخی مائل تھا۔ حسن مصطفوی ﷺ کے سراپائے اقدس کو بیان کرنے والے راویوں میں سے بعض نے آپ ﷺ کی جلد مبارک کی رنگت کو چاندی جیسی سفیدی اور گلاب جیسی سرخی کا امتزاج قرار دیا۔ کسی نے اسے سفید مائل بہ سرخی کہا جبکہ کسی نے سفید گندم گوں بیان کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

كان رسول الله ﷺ انورهم

آپ ﷺ رنگ کے لحاظ سے سب

لونا — سے زیادہ روشن تھے۔

(الوفا ۲:۳۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سراپائے اقدس ﷺ کی رنگت زیبا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ احسن الناس لوناً — رسول اللہ ﷺ رنگت کے اعتبار سے سب لوگوں سے زیادہ حسین (اور جاذب نظر) تھے۔

(الوفا ۲:۳۰۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔

کان رسول اللہ ﷺ ازھر اللون — آپ ﷺ کے جسم اطہر کا رنگ نہایت ہی خوشنما تھا۔

(الوفاء ۲:۳۰۴)

حضرت سعید الجریری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کو جب یہ کہتے ہوئے سنا۔

رایت النبی وما بقی علی وجہ الارض احد راہ غیری — کہ میں نے آقائے دوجہاں ﷺ کی زیارت کی ہے اور آج میرے سوا روئے کائنات میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس نے آپ ﷺ کی زیارت کا شرف پایا ہو۔

تو میں نے ان سے عرض کیا۔

صفہ لی — مجھے آپ ﷺ کا کوئی وصف بیان کریں۔

توانہوں نے فرمایا۔

کان ابیض ملیحا مقصدا — آپ ﷺ کا رنگ سفید اور جاذب نظر تھا۔

(الوفاء ۲:۳۰۶)

حسن کے دنیوی و اُخروی معیارات اور حسنِ مصطفوی ﷺ کی یکتائی

اہل علم نے رنگت میں حسن کے دو معیار بیان کئے ہیں۔

۱۔ دنیوی معیار ۲۔ اُخروی معیار

دنیوی معیار

اس معیار کے مطابق حسین ترین رنگت وہ ہے جس میں چاندنی کی چمک اور سرخی کی دمک ہو۔ گویا سرخی و سفیدی کا امتزاج دنیوی نقطہ نظر سے حسین ترین رنگ تسلیم کیا گیا ہے۔

اُخروی معیار

عالم آخرت میں اہل جنت کے نزدیک حسین ترین رنگ وہ رنگ ہے جس میں سفیدی کے ساتھ زردی جھلکتی ہو۔

دنیوی و اُخروی نقطہ نظر کے اعتبار سے حسن رنگت کے معیارات جدا جدا ہیں جو تطبیق نہیں رکھتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرور عالم شہریار دنیا و عقبیٰ ﷺ کے حسن رنگت کو کس معیار پر پرکھا جائے۔ اس عقدے کا حل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درج ذیل بیانات سے مل جاتا ہے جن کے مطابق حسن رنگت کے دونوں مظاہر حسن مصطفوی ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

جامع ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ان الفاظ میں ہے۔

انہ نعت رسول اللہ ﷺ فقال کان لی وجھہ تدویر ابیض مشرب بحمرۃ	آپ نے نبی اکرم ﷺ کی نعت کہتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ کا چہرہ اقدس سفید اور گولائی میں تھا اور سرخی مائل تھا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور

دیگر جلیل القدر صحابہ نے آپ ﷺ کے رنگ کو سفید مگر گلاب جیسی سرخی کا امتزاج قرار دیا ہے۔

کان رسول اللہ ﷺ ابیض اللون مشربا حمرۃ

آپ ﷺ کا رنگ سفیدی اور سرخی کا حسین امتزاج تھا۔

(سبل الہدی ۲:۱۶)

حضرت ابو امامہ الباہلی سے مروی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

کان ابیض تعلوہ حمرۃ

(تہذیب ابن عساکر ۱:۶۲۲)

آپ ﷺ کا رنگ سفیدی اور سرخی کا حسین مرقع تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ ابیض بیاضہ الی السمرۃ

(الوفاء: ۴۰۴ جواہر البحار ۲:۱۶۵)

حضور ﷺ کی رنگت سفید تھی اور رنگت کی سفیدی گندم گوں تھی۔

مذکورہ روایات میں تطبیق

امام عبد الرؤف المناوی ان تمام روایات کو ذکر کرنے کے بعد تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فثبت بمجموع ھذہ الروایات ان المراد بالسمرۃ حمرۃ تخالط البیاض وبالبیاض المثبت ما یخالط الحمرۃ واما وصف لونہ فی اخبار بشدۃ البیاض فمحمول علی البریق واللمعان کما یشیر الیہ حدیث کان الشمس تحرک فی وجھہ (حاشیہ المناوی علی الشمائل ۱:۱۲)

ان تمام روایات کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ جن میں لفظ سمرہ کا ذکر ہے وہاں اس سے مراد وہ سرخ رنگ ہے جس کے ساتھ سفید کی آمیزش ہو اور جن میں سفیدی کا ذکر ہے اس سے مراد وہ سفید رنگ ہے جس میں سرخی ہو اور بعض روایات میں جو آپ ﷺ کے مبارک رنگ کو بہت زیادہ سفید بیان

کیا گیا ہے اس سے مراد اس کی چمک دمک ہے جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے چہرہ اقدس میں آفتاب محو خرام رہتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی" فرماتے ہیں۔

اما لونِ آنحضرت روشن و تاباں بود اتفاق دارند جمہور اصحاب بر بیاض لونِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و وصف کردند اورا بابیض و بعضے گفتند کان ابیض ملیحا و در روایتے ابیض ملیح الوجہ و ایں احتمال دارد کہ مراد وصف کہ بیاض و ملاحت و صفت زائدہ برائے بیان حسن و جمال و لذت بخشی و دلربائی دیدار جان افزای وے ﷺ باشد

(مدارج النبوۃ '۱: ۲۶)

آپ ﷺ کا مبارک رنگ خوب روشن تھا۔ تمام صحابہؓ اس پر متفق ہیں، کہ آپ ﷺ کا رنگ سفید تھا اسی کو احادیث میں لفظ ابیض سے تعبیر کیا گیا اور بعض روایات میں جو" کان ابیض" ملیحا اور بعض میں" ابیض ملیح الوجہ" کے الفاظ بھی ملتے ہیں (کہ آپ ﷺ کا چہرہ سفید تھا مگر اس میں ملاحت تھی) ان سے مقصد بھی آپ ﷺ کے رنگ کی سفیدی بیان کرنا ہے باقی ملاحت کا ذکر بطور صفتِ زائدہ ہے اور اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ آپ ﷺ کی زیارت سے جو لذت تسکین روح و جاں حاصل ہوتی ہے اس پر دلالت کرے۔

گویا آپ ﷺ کے جسم اطہر کی رنگت احمر و ازہر الوان کے حسین امتزاج سے مرکب تھی رب العالمین نے اپنے محبوب ﷺ کے حسنِ دلنواز کو وہ منفرد اعزاز و امتیاز عطا کیا تھا کہ دنیوی و اخروی معیاراتِ حسن کے تمام جلوے آپ ﷺ کی ذات

میں مجتمع کردیئے گئے تھے۔

امام عبدالرؤف المناوی" دونوں معیاراتِ حسن کے اجتماع پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

اعلم ان اشرف الالوان الابیض المشرب کان بحمرۃ او صفرۃ اما الاوّل فظاھر واما الثانی فلانہ لون اھل الجنۃ فی الجنۃ فجمع اللّٰہ لمصطفی بین الاشرفین ولم یکن لونہ فی الدنیا کلونہ فی الاخری کیلا یفوتہ احد الحسنین

(حاشیہ علی شمائل علامہ مناوی، ۱۲:۱)

سب سے بہتر رنگ سفیدی مائل سرخی یا سفیدی مائل بزردی ہوتا ہے۔ سفیدی مائل سرخی کا بہتر ہونا تو ہر ایک پر واضح ہے رہ گیا سفیدی مائل بزردی تو جنتیوں کا جنت میں رنگ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے رنگ کو دونوں کا جامع بنایا۔ تاکہ ایسا نہ ہو ایک رنگ پایا جائے اور دوسرا نہ ہو۔

شارح شمائل علامہ احمد عبدالجواد الدومی" اسی مسئلہ پر یوں رقمطراز ہیں۔

قالوا اشرف الالوان فی ھذہ الدنیا بیاض مشرب بحمرۃ وفی الاخرۃ بیاض مشرب بیاض صفرۃ وبذالک یکون رسول اللّٰہ ﷺ جامعا بین الحسنین

علماء نے بیان کیا ہے کہ دنیا میں سب سے بہتر رنگ سفید ہے جس میں سرخی ہو اور آخرت میں سفید جس میں زردی ہو۔ (چونکہ یہ دونوں رنگ سب سے بہتر ہیں) اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات میں دونوں کو جمع فرمادیا۔

ختمی مرتبت ﷺ کا جسم اطہر سر تا بقدم حسن ورعنائی کا مرقع تھا۔ چہرۂ انور میں تو بے مثال دلکشی ورعنائی تھی ہی جسم اقدس کے دیگر اعضاء بھی یکساں طور پر ویسی ہی رعنائی ودلکشی کے حامل تھے۔

شاعرِ دربارِ رسالت ﷺ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے مدحیہ اشعار

شاعرِ دربارِ رسالت ﷺ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں آپ ﷺ کے کمال حسن کا بیان انتہائی دلپذیر اور اچھوتے انداز میں فرمایا ہے۔

واحسن منک لم ترقط عینی
واجمل منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب
کأنک قد خلقت کماء تشاء

(دیوانِ حسان رضی اللہ عنہ :۱۰۔ مطبوعہ دار بیروت ۱۹۷۸ء)

میری آنکھوں نے آپ ﷺ سا صاحبِ جمال نہیں دیکھا۔ نہ ہی کسی ماں نے آپ ﷺ جیسا حسین کوئی جنا ہے۔ آپ ﷺ کی خلقت بے عیب ہے (یوں لگتا ہے) جیسے رب العزت نے حسب خواہش آپ ﷺ کی صورت گری کی ہے۔

جسدِ مبارک کی دلنواز خوشبو

آپ ﷺ کے جسمِ اطہر کے جملہ اعجازات میں سے ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ وہ خوشبودار تھا' آپ ﷺ اگرچہ خوشبو استعمال فرماتے تھے لیکن خوشبو کی محتاجی نہ تھی' آپ ﷺ کے جسمِ اقدس کی خوشبو اتنی نفیس ودلربا تھی کہ کوئی خوشبو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کو یہ اعجاز بعد کے کسی دور میں حاصل نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ کا مبارک جسم ولادت کے وقت سے ہی معطر و خوشبودار تھا۔

۱۔ امام ابو نعیم ؒ اور خطیب ؒ نے حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب رسول خدا ﷺ کا اس کائنات میں ظہور ہوا۔

نظرت الیہ فاذا ھو کالقمر لیلۃ البدر ریحہ یسطع کالمسک الاذفر
(زرقانی علی المواہب، ۴: ۲۲۳)

میں نے زیارت کی تو میں نے آپ کے جسم اقدس کو چودھویں رات کے چاند کی طرح پایا جس سے تر و تازہ کستوری کی خوشبو کے حلے پھوٹ رہے تھے۔

حلیمہؓ کے دیس میں خوشبوؤں کی بارات

۲۔ آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔

لما دخلت بہ الی منزل لم یبق منزل من منازل بنی سعد الا شممنا منہ ریح المسک
(سبل الہدیٰ، ۱: ۴۷۲، ۴۷۵)

جب میں آپ ﷺ کو لے کر اپنے دیہات میں داخل ہوئی (پہنچی) تو قبیلہ بنی سعد کے تمام گھروں میں کستوری کی خوشبو آنے لگی۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اور جسم نبوی ﷺ کی خوشبو

۳۔ امام فخرالدین رازیؒ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت عباسؓ کو کہا۔

الا اخبرک عن محمد بما رأیت منہ؟

کہ آپ کو میں وہ بات نہ بتاؤں جو میں نے محمد ﷺ سے دیکھی ہے۔

حضرت عباسؓ نے کہا کہ ہاں مجھے ضرور بتائیں۔ اس پر حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے درج ذیل واقعہ بیان کیا۔

"جب سے حضور ﷺ میرے پاس آئے ہیں مجھے آپ ﷺ سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ میں رات اور دن میں ایک گھڑی بھی ان سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا حتی کہ رات کو بھی میں آپ ﷺ کو اپنے پاس سلاتا ہوں۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ کپڑے پہن کر سوتے تھے کہ کپڑے اتار کر سونا آپ ﷺ کو پسند نہ تھا۔

فامرتہ لیلۃ ان یخلع ثیابہ وینام

ایک رات میں نے کہا کہ کپڑے اتار

معی فرأیت الکراھۃ فی وجھہ لکنہ کرہ ان یخالفنی

دیں اور پھر سوئیں... میں نے محسوس کیا کہ یہ بات آپ ﷺ کو پسند نہیں لیکن چونکہ میری بات کو آپ ﷺ ٹالنا بھی نہ چاہتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

یا عماہ اصرف بوجھک عنی حتی اخلع ثیابی اذ لا ینبغی لاحد ان ینظر الی جسدی

اے چچا میں کپڑے اتارتا ہوں مگر اپنے چہرے کو دوسری طرف کر لیجئے تاکہ میرے ننگے جسم کو تو نہ دیکھ پائے کیونکہ میرے جسم کو (اس حال میں) دیکھنا کسی کے لئے جائز نہیں۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اس پر تعجب ہوا مگر میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا تاکہ یہ کپڑے اتار لیں۔ جب آپ ﷺ کپڑے اتار کر بستر پر لیٹے۔

فلما دخلت معہ الفراش اذا بینی و بینہ ثوب

میں بھی بستر پر لیٹا لیکن میں نے دیکھا کہ ہمارے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا (جس کی وجہ سے میں آپ ﷺ کے جسم کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔)

دوسری بات میں نے یہ دیکھی۔

واللّٰہ ما أدخلتہ فراشی فاذا ھو فی غایۃ اللین و طیب الرائحۃ کانہ غمس فی المسک فجھدت لأنظر الی جسدہ فما کنت اری شیاء و کثیرا ما کنت افتقدہ من فراشی

آپ ﷺ کا جسم اطہر نہایت ہی نرم ونازک اور اس طرح خوشبو دار تھا جیسے وہ کستوری میں ڈبویا ہو۔ میں نے آپ کے جسم اطہر کو دیکھنے کی کوشش کی مگر میں نہ دیکھ سکا۔ میں

فاذا قمت لاطلبه ناداني بها يا عم فارجع ولقد كنت كثيرا ما اسمع منه كلاما يعجبني ذالك عند مضي الليل وكنا لا نسمي على الطعام والشراب ولا نحمده بعده وكان يقول لي اول الطعام بسم الله الاحد فاذا فرغ من طعامه قال الحمد لله ثم لم أزمنه كذبه ولا ضحكا ولا جاهلية ولا وقف مع صبيان يلعبون

(تفسیر کبیر' ج۳۱: ۲۱۴)

بعض دفعہ آپ ﷺ کو بستر سے گم پاتا تو بستر سے اٹھ کر تلاش کرنے نکلتا اور آواز دیتا کہ اے محمد ﷺ تو کہاں ہے۔ آپ ﷺ فرماتے اے چچا میں یہاں ہی ہوں واپس آجاؤ۔ جب رات ڈھل جاتی تو میں بعض دفعہ آپ ﷺ سے ایسی گفتگو سنتا جس سے مجھے بہت تعجب ہوتا۔ ہم کھانے پینے سے پہلے اور بعد اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ آپ ﷺ کھانے سے پہلے بسم اللہ الاحد (اس اللہ کے نام سے جو ایک ہے) پڑھتے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو الحمد للہ کہتے۔ میں نے آپ ﷺ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا۔ (ہمہ وقت متفکر رہتے) کبھی کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا اور نہ بچوں کے ساتھ فضول کھیل میں وقت ضائع کرتے ہوئے دیکھا۔

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جسم اقدس کی خوشبو کے بارے میں فرماتے ہیں۔

كان رسول الله ﷺ احسن الناس لونًا واطيب الناس ريحًا

(تہذیب ابن عساکر' ۱: ۳۲۱)

رسالت مآب ﷺ کے جسم اطہر کا رنگ سب سے حسین تھا اور اس کی خوشبو سب سے نفیس۔

راستے آپ ﷺ کی خوشبو سے مہک اٹھتے

آپ ﷺ کے جسم اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح خوشبودار بنایا تھا کہ جس جگہ 'گلی' راستے سے آپ ﷺ کا گزر ہو جاتا وہ خوشبو سے مہک اٹھتے۔ بعد میں گزرنے والا ہر شخص یہ محسوس کر لیتا کہ اس راہ سے اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کا گزر ہوا ہے کیونکہ وہ ان راستوں پر ایسی خوشبو پاتا جو آپ ﷺ ہی کے جسم اطہر کا حصہ تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کیفیت کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

کان رسول اللّٰہ اذا مر فی طریق من طرق مدینۃ وجدوا منہ رائحۃ الطیب و قالوا مر رسول اللّٰہ من ھذا الطریق

(الخصائص الکبریٰ، ۱: ۶۷)

محبوب کریم ﷺ مدینہ طیبہ کے کسی راستے سے گزر جاتے تو لوگ اس راہ میں ایسی پیاری مہک پاتے کہ پکار اٹھتے کہ ادھر سے اس کے پیارے رسول ﷺ کا ہی گزر ہوا ہے۔

امام بخاری "تاریخ کبیر" میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

لم یکن النبی ﷺ یمر فی طریق فیتبعہ احد الاعرف انہ سلکہ من طیبہ

(الشفاء ۱: ۸۷ بحوالہ تاریخ کبیر)

آپ ﷺ جس راستے سے بھی گزر جاتے بعد میں آنے والا شخص خوشبو سے محسوس کر لیتا کہ ادھر سے آپ ﷺ کا گزر ہوا ہے۔

اس کے تحت علامہ محمد الحجاوی لکھتے ہیں۔

ای من طیب الطریق برائحۃ الطیبۃ المخصوصۃ بہ الباقیۃ فیہ

(حاشیہ شفاء ۱: ۸۷)

راستے سے گزرنے والا اس میں پھیلی ہوئی خوشبو کی وجہ سے محسوس کر لیتا کہ ادھر سے آپ ﷺ کا گزر ہوا

ہے کیونکہ ایسی خوشبو آپ ﷺ
کے ساتھ مخصوص تھی۔

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر

خوشبو آپ ﷺ کی جسمانیت کا حصہ تھی

یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ مہک اور خوشبو آپ ﷺ کے جسم اطہر کی تھی نہ کہ استعمال کردہ خوشبو کی کیونکہ آپ ﷺ اس خوشبو کے محتاج نہ تھے بلکہ آپ ﷺ خوشبو استعمال نہ بھی فرماتے تو پھر بھی یہی کیفیت رہتی۔

۱۔ شیخ الاسلام امام نووی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جن خصوصیات سے نوازا ان میں سے آپ ﷺ کے جسم اطہر کا خوشبو دار ہونا بھی ہے۔

کانت هذه الریح الطیبۃ صفتہ ﷺ وان لم یمس طیبا (المسلم، ۲:۲۵۶)	مہک آپ ﷺ کے جسم اطہر کی صفات میں سے تھی اگرچہ آپ ﷺ خوشبو استعمال نہ فرماتے۔

۲۔ امام اسحاق بن راہویہ اس بات کی تصریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

ان هذه الرائحۃ الطیبۃ کانت رائحۃ رسول اللہ ﷺ من غیر طیب (سبل الہدیٰ، ۲:۱۲۰)	یہ پیاری مہک آپ ﷺ کے جسم اطہر کی تھی نہ کہ اس خوشبو کی جس کو آپ ﷺ استعمال فرماتے تھے۔

۳۔ امام خفاجی اسے آپ ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

ریحها الطیبہ طبعیا خلقیا خصہ اللہ بہ مکرمۃ ومعجزۃ لہ (نسیم الریاض، ۱:۳۴۸)	اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت و معجزہ آپ ﷺ کے جسم اطہر میں خلقتاً اور طبعاً مہک رکھ دی تھی۔

۴۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی اسی صفت کا بیان یوں کرتے ہیں۔

یکی از صفات عجیب کہ آنحضرت طیب	آپ ﷺ کی مبارک صفات میں

ریح است کہ ذاتی وے صلی اللہ علیہ وسلم بود بی آنکہ استعمال طیب از خارج کند و ہیچ طیب بداں نمی رسید

(مدارج النبوۃ، ۱:۲۹)

سے ایک یہ بھی ہے کہ بغیر خوشبو کے استعمال کے آپ ﷺ کے جسم اطہر سے ایسی خوشبو آتی جس کا مقابلہ کوئی خوشبو نہیں کر سکتی۔

۵۔ علامہ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طیبا من غیر طیب و لکنہ کان یتطیب و یتعطر تو کیدا للرائحۃ و زیادۃ فی الازکاء

(الاتحافات الربانیہ شرح الشمائل المحمدیہ، ۲۶۲)

آپ ﷺ کا جسم اطہر خوشبو کے استعمال کے بغیر بھی خوشبودار تھا لیکن آپ اس کے باوجود پاکیزگی و نظافت میں اضافے کے لئے خوشبو استعمال فرما لیتے۔

۶۔ شیخ ابراہیم بیجوری فرماتے ہیں۔

و قد کان ﷺ طیب الرائحۃ و ان لم یمس طیبا کما جاء ذلک فی الاخبار الصحیحۃ لکنہ کان یستعمل الطیب زیادۃ فی الطیب الرائحۃ

(المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ، ۱۰۹)

احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رسالت مآب ﷺ کے جسم اطہر سے خوشبو کی دلاویز مہک بغیر خوشبو لگائے آتی رہتی ہاں آپ ﷺ خوشبو کا استعمال فقط اضافہ کے لئے کرتے تھے۔

یہ خوشبو بعد از وصال بھی قائم رہی

انسانی جسم سے جب روح پرواز کر جاتی ہے تو اس کے بعد وہ بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جسم کی تر و تازگی بحال نہیں رہتی۔ جسم مصطفوی ﷺ کا یہ بھی امتیاز ہے کہ وصال کے بعد وہ نہ صرف تر و تازہ رہا بلکہ اس کی وہ مہک بھی اسی طرح قائم رہی جس طرح قبل از وصال تھی۔

شفاء شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

غسلت النبی ﷺ فذهبت انظر ما یکون من المیت فلم اجد شیئاً فقلت طبت حیا ومیتا

(الشفاء ۱:۸۹)

میں نے رسالت مآب ﷺ کو غسل دیا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے جسم اطہر سے خارج ہونے والی کوئی ایسی چیز نہ پائی جو دیگر اموات سے خارج ہوتی ہے تو پکار اٹھا کہ اللہ کے محبوب ظاہری حیات اور بعد از وصال دونوں حالتوں میں پاکیزگی کا منبع ہیں۔

اور پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

وسطعت منه ریح طیبة لم نجد مثلها قط

(الشفاء ۱:۸۹)

(غسل کے وقت ہی) آپ ﷺ کے جسم اطہر سے ایسی خوشبو کے جلے شروع ہوئے کہ ہم نے کبھی ایسی خوشبو نہ سونگھی نہ سنی۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب میں نے آپ ﷺ کے مبارک پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو بس ہاتھ پھیرنے کی دیر تھی۔

فاح ریح المسک فی البیت لما فی بطنه

(شرح الشفاء ۱:۱۶۱)

تمام گھر خوشبو سے مہک اٹھا جو آپ کے پیٹ میں موجود تھی۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ کے پیٹ مبارک پر ہاتھ پھیرا۔

قیل وانتشر فی المدینة

تو تمام مدینہ خوشبو سے مہک اٹھا۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔

وضعت یدی علی صدر رسول اللہ

میں نے وصال کے بعد آپ ﷺ

یوم مات فمر بي جمع اکل وأتوضاء ما یذھب ریح المسک من یدی
(الخصائص الکبری بحوالہ بیہقی' ۲:۲۷۴)

کے سینہ اقدس پر ہاتھ رکھا۔ اس کے بعد مدت گزر گئی کھانا بھی کھاتی ہوں۔ وضو بھی کرتی ہوں (یعنی کام کاج کرتی ہوں) لیکن میرے ہاتھ سے کستوری کی خوشبو نہیں گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی تدفین سے فارغ ہو چکے تو سیدہ عالم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا قبر انور پر حاضر ہوئیں۔

فاخذت قبضة من تراب القبر فوضعته علی عینها وبکت وانشأت

تربت مبارک کی خاک اٹھا کر آنکھوں سے لگائی' آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ماذا علی من شم تربته احمد
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

جس شخص نے آپ ﷺ کی تربت مبارکہ کی خاک کی خوشبو کو سونگھ لیا
اسے اس کے بعد دنیا میں کسی خوشبو کی ضرورت نہیں رہتی۔

اب تک مہک رہے ہیں مدینے کے راستے

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جن راستوں سے گزر جاتے وہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو سے مہک اٹھتے تھے اس پر اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ آج چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود مدینہ طیبہ کی سرزمین اور آب وہوا اسی راحت جاں خوشبو سے معطر ہے اور اب بھی مدینہ منورہ کے سبزہ زار اور درودیوار سے ایسی دلآویز مہک اٹھتی محسوس ہوتی ہے جو عاشقان رسول ﷺ کے مشام دل وجان کے لئے کیف وسرور کا سامان ہے۔

ومن خصائص مدینة انها طیبة الریح وللعطر فیها افضل رائحة لا

مدینہ پاک کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اس کی آب وہوا خوشبو دار

توجد لی غیرھا (معجم البلدان ۵: ۸۷)

ہے اور وہاں کے عطر میں ایسی مہک ہوتی ہے جو اس کے علاوہ کہیں اور نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

بدانکہ ہنوز از درو دیوار مدینہ طیبہ ارواح فائحست کہ محباں بشامہ محبت آنرای دریا بند وشاید کہ استشمام شمۂ ازیں بشامہ ذوق بعضی از جویای مشتاق نیز رسیدہ باشد

(مدارج النبوۃ ۱: ۳۰)

اب بھی مدینہ کے درودیوار خوشبوؤں سے رچے بسے ہوئے ہیں اور اہل محبت اپنے شامہ محبت کے ذریعے ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

خاک طیبہ ازدوعالم خوشتراست

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی امام شبلی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

کہ یکی از علماء صاحب وجدانست میگوید کہ تربت مدینہ را نفحہ خاص است کہ در ہیچ مشک وعنبر نیست

(مدارج النبوۃ ۱: ۳۰)

صاحب وجدان بزرگ فرماتے ہیں کہ خاک مدینہ میں ایک خاص مہک ہے جو کسی خوشبو میں نہیں بلکہ یہ عجائبات میں سے ہے۔

امام عبداللہ عطار مدینہ پاک کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

بطیب رسول اللہ طاب نسیمھا
فما المسک و الکافور و الصندل الرطب

(مدینہ کی آب و ہوا میں حضور ﷺ کی خوشبو سے ایسی مہک اٹھتی ہے کہ اب اس کے مقابلے میں کستوری' کافور اور ترو تازہ صندل کی کوئی حیثیت نہیں۔

امام ابن بطال مدینہ منورہ کے درودیوار کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

من سکنها یجد من تربتها و حیطانها رائحۃ حسنۃ
(وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ ۱:۱۷)

جس کو بھی مدینہ منورہ کی حاضری نصیب ہوگی وہ اس شہر پاک کی مٹی اور در و دیوار سے ایک دلاویز خوشبو پائے گا۔

امام الاشبلیؒ بیان کرتے ہیں۔

لتربۃ المدینۃ نفحۃ لیس طیبها کما عهد من الطیب بل هو عجیب من الاعاجیب
(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ۱:۱۷)

مدینہ کی مٹی میں ایک خصوصی مہک ہے جو کسی خوشبو میں نہیں بلکہ یہ عجائبات میں سے ہے۔

امام نور الدین سمہودیؒ مدینہ پاک کے نام طیبہ کی وجہ تسمیہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اما من الطیب لطیب امورها کلها وطیب رائحتها ووجود ریح الطیب بها

یہ لفظ طیب (خوشبو) سے مشتق ہے اس شہر کے تمام ذرات اور اس کی آب و ہوا میں مہک کی وجہ سے اس کا نام طیبہ رکھا گیا ہے۔

امام محمد بن یوسف الصالحیؒ بیان کرتے ہیں۔

ان من اقام بها یجد من تربتها وحیطانها رائحۃ طیبۃ لا تکاد توجد فی غیرها۔

مدینہ میں اقامت پذیر لوگ مدینہ کی مبارک خاک اور دیواروں سے ایسی مہک محسوس کرتے ہیں جو کسی اور خوشبو میں نہیں ہو سکتی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وگفتہ اند کہ ساکنان این بقعہ شریف از تربت و در و دیوار او روائح طیبہ مے یابند کہ در ہیچ طیبے نتواں یافت

شہر مدینہ کے لوگ اس کی مٹی اور در و دیوار سے ایسی خوشبوئیں پاتے ہیں جن کا مقابلہ کوئی اور خوشبو نہیں

کر سکتی۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
آں خنک شہرے کہ آں جا دلبر است

جسم اطہر کے پسینے میں خوشبو

آپ ﷺ کے مبارک جسم کا پسینہ نہایت ہی خوشبودار تھا۔ چونکہ آپ ﷺ کا جسم کثیف نہ تھا بلکہ لطیف تھا اس لئے آپ ﷺ کے بدن مبارک پر پسینہ کی وجہ سے کپڑا میلا بھی نہ ہوتا تھا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کان ریح عرق رسول اللہ ﷺ المسک بابی وامی لم ارقبلہ ولا بعدہ احدا مثلہ

(ابن عساکر، ۱: ۲۱۹)

میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ آپ ﷺ کے پسینے کی خوشبو کستوری سے بڑھ کر تھی۔ آپ ﷺ جیسا نہ پہلے گزرا ہے اور نہ بعد میں آئے گا۔

آپ ﷺ کا پسینہ ہر خوشبو سے بڑھ کر خوشبودار تھا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ولا شممت مسکا قط ولا عطرا کان اطیب من عرق النبی ﷺ

(شمائل ترمذی)

میں نے آپ ﷺ کے پسینے کو ہر عطر اور کستوری سے بڑھ کر خوشبودار پایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مبارک پسینہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کان عرق رسول اللہ ﷺ فی وجھہ اللؤلؤ ولریح عرق رسول اللہ ﷺ اطیب من ریح

آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر پسینہ کے قطرے خوبصورت موتیوں کی طرح دکھائی دیتے اور اس کی خوشبو

المسک الاذفر (سبل الہدی ۲:۱۱۸) عمدہ کستوری سے بڑھ کر تھی۔

حضرت حبیب بن ابی ہروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے قبیلہ بنی حریش کے ایک شخص نے بیان کیا کہ جب رسالت مآب ﷺ نے حضرت ماعز کو رجم فرمایا تو میں بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ جب آپ ﷺ نے زمین سے پتھر اٹھا کر مارا تو مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔

فضمنی رسول اللہ ﷺ فسال من عرق ابطہ مثل ریح المسک (الوفاء ۲:۴۰۸)

رسالت مآب ﷺ نے مجھے اپنی بغل میں لے لیا۔ آپ ﷺ کی مبارک بغل سے خوبصورت موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے جھڑے جن کی مہک کستوری سے بڑھ کر تھی۔

آپ کا مبارک پسینہ بطور خوشبو استعمال کیا جاتا تھا

بہت سے صحابہ اور صحابیات کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حضور ﷺ کے مبارک پسینے کو شیشیوں میں محفوظ کر لیتے اور اسے بطور عطر استعمال کرتے۔

مسلم شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب ﷺ کبھی کبھی ہمارے ہاں قیلولہ فرمایا کرتے۔ ایک دن میری والدہ حضرت ام سلیمؓ گھر سے کہیں گئیں ہوئی تھیں بعد میں آپ تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔

فقیل لھا ھذا النبی ﷺ نائم فی بیتک علی فراشک

انہیں اطلاع ملی کہ آپ کے ہاں تو محبوب خدا ﷺ استراحت فرما ہیں۔

وہ جلدی سے گھر لوٹیں دیکھا تو واقعتاً آپ ﷺ قیلولہ فرما رہے ہیں۔ اور آپ ﷺ کے جسم اطہر سے پسینے کے قطرے بستر پر گر رہے ہیں۔

جاءت امی بقارورۃ فجعلت تسلت العرق فیھا

میری والدہ نے ایک شیشی لے کر اس میں آپ ﷺ کے مبارک پسینے کو

جمع کرنا شروع کر دیا۔

آپ ﷺ اس پر بیدار ہو گئے اور.....ام سلیم ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ماھذا الذی تصنعین؟ تو یہ کیا کر رہی ہے؟

انہوں نے عرض کیا۔

ھذا عرقک نجعلہ فی طیبنا وھو من اطیب الطیب یا رسول اللہ ﷺ چونکہ آپ ﷺ کا مبارک پسینہ تمام خوشبوؤں سے بڑھ کر خوشبودار ہوتا ہے اس میں جمع کر رہی ہوں تاکہ ہم اسے اپنی خوشبوؤں میں ملائیں۔

دوسری روایت میں جواب کے الفاظ یہ ہیں۔

نرجوا برکتہ لصبیاننا ہم اسے اپنے بچوں کو برکت کے لئے لگائیں گے۔

آپ ﷺ نے اس پر فرمایا۔

اصبت تو نے درست کیا۔

(المسلم' ۲:۲۵۷)

محبوب کے پسینے سے کفن کو معطر کرنے کی حسین خواہش

بخاری شریف کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔

فاوصی انس ان یجعل منہ فی حنوطہ حضرت انس ؓ نے وصیت کی تھی کہ میرے وصال کے بعد جب میرے کفن اور میت کو خوشبو لگاؤ تو میرے آقا کے مبارک پسینہ کو اس میں ضرور شامل کرنا۔

خوشبو والوں کا گھر

طبرانی' ابو یعلی اور ابن عدی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے لیکن میرے پاس اسے دینے کے لئے کوئی خوشبو نہیں۔ آپ ﷺ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔

ابتنی بقا رورۃ واسعۃ الرأس وعود شجرۃ — ایک کھلے منہ والی شیشی اور لکڑی کا کوئی ٹکڑا لے کر آؤ۔

وہ شخص حسب ارشاد شیشی اور لکڑی لے کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس لکڑی کی مدد سے اپنی مبارک کلائی کا پسینہ اس شیشی میں جمع فرمایا۔ حتی کہ وہ بھر گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

خذھا وأمر بنتک تطیب بہ — اسے لے جا اور بیٹی سے کہہ کہ اسے بطور خوشبو استعمال کرے۔ (المواہب اللدنیہ)

جب وہ شخص آپ ﷺ کا مبارک پسینہ گھر لے گیا اور اس کے گھر والوں نے اسے بطور خوشبو استعمال کیا تو ان کا گھر خوشبو سے مہک اٹھا۔ اس کی خوشبو صرف اسی گھر تک محدود نہ رہی بلکہ دیگر اہل مدینہ بھی اس خوشبو کو محسوس کرتے۔ اسی وجہ سے اہل مدینہ اس گھر کو بیت المطیبین (خوشبو والوں کا گھر) کے نام سے یاد کرتے تھے۔

شیخ سعدی شیرازی نے کیا خوب کہا۔

اگر نہ واسطہ روئے و موئے او بودے

خدائے نہ گفتے قسم بہ لیل و نہار

"اگر آپ کے چہرہ اقدس اور مبارک زلفوں کی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہرگز دن اور رات کی قسم نہ کھاتا۔"

باب۔۳

حلیہ مبارک

حلیہ مبارک

۱۔ فاشفقت أن أوقظه من نومه لحسنه وجماله فدنوت منه رويدا فوضعت يدي على صدره فتبسم ضاحكا وفتح عينيه ينظر إلي فخرج من عينيه نور حتى دخل خلال السماء.

(الانوارالمحمدیہ:۱۹)

بعد از ولادت حضرت حلیمہ سعدیہؓ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی (پہلی زیارت) کے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب میں حاضر ہوئی تو آپ سوئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کا حسن و جمال دیکھ کر میں حیرت میں ڈوب گئی۔ لیکن حسنِ پُرکشش کی وجہ سے میں آپ ﷺ کے قریب آئی۔ پھر میں نے آپ ﷺ کے سینۂ اقدس پر ہاتھ رکھا آپ نے مسکراتے ہوئے اپنی مبارک آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا آپ ﷺ کی مقدس آنکھوں سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ جس کی روشنی آسمان تک پھیلی ہوئی ہے۔

۲۔ إن صمت فعليه الوقار وأن تكلم سماه وعلاه لبهاء أجمل الناس وأبهاء من بعيد وأحسنه وأجمله عن قريب.

(المستدرک للحاکم،۲:۹)

حضرت ام سعید ؓ اور حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ فرماتی ہیں: آپ ﷺ بوقتِ سکوت حد درجہ متین اور سراپا وقار دکھائی دیتے جب گفتگو فرماتے تو رخ انور پر شگفتگی پھیل

جاتی۔ آپ ﷺ دور سے ذی وجاہت اور بارعب دکھائی دیتے جبکہ نزدیک سے کمال درجہ حسین اور نرم خو۔

۳۔ عن انس بن مالک قال: کان رسول اللہ ﷺ ازھر اللون' لیس بالادیم ولا بالابیض الامھق ما مست قط خزا ولا حریرا الین من کف رسول اللہ ﷺ
(الوفاء ۲: ۴۰۳' ۳۹۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے رنگ مبارک میں ایسی چمک اور آب وتاب تھی کہ اس میں چاندی کی طرح سفیدی اور سونے کی طرح سنہری جھلک تھی گویا رنگ نہ بالکل گندم گوں تھا اور نہ بالکل سفید' سینہ مبارک چمکدار موتیوں کی طرح شفاف تھا میں نے حضور اکرم ﷺ کے کفِ مبارک سے زیادہ ملائم کوئی دیباج اور دیبا کا کوئی ریشم نہیں چھوا۔ اور حضور اکرم ﷺ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

۴۔ عن ابی ھریرۃ قال: کان رسول اللہ ﷺ ابیض کانما صیغ من فضۃ
(الوفاء' ۲: ۴۰۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ نبی خدا ﷺ کا رنگ مبارک سفید تھا اور یوں لگتا تھا کہ گویا آپ چاندی سے بنائے گئے ہیں۔

۵۔ عن علی قال: کان رسول اللہ ﷺ ابیض مشربا وفی روایۃ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حبیب خدا ﷺ کا رنگ

مشربا حمرہ

(الوفاء ۲: ۴۰۵)

مبارک سفید تھا۔ جس پر سرخی جھلکتی تھی جیسے چاندی پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو یعنی بظاہر سرخی مائل تھا مگر اس سے انوار پھوٹتے نظر آتے تھے۔

۶۔ سلمت علی رسول اللّٰہ وھو یبرق وجھہ من السرور کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا سرا مستنار وجھہ حتی کانہ قطعۃ من القمر

(الوفاء ۲: ۴۰۸)

حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ خوشی کے وقت حضور ﷺ کے چہرہ انور سے نور کی شعاعیں پھوٹنے لگتی تھیں اور چہرہ اقدس یوں لگتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے اور ہم آپ کی حالت سرور کو اس سے پہچان جاتے تھے۔

۷۔ حدثنی ابراھیم بن محمد من ولد علی بن ابی طالب قال کان علی اذا وصف رسول اللّٰہ ﷺ بالطویل المغط ولا بالقصیر المتردد وکان ربعۃ من القوم ولم یکن بالجعد القطط ولا بالسبط کان جعدا رجلا ولم یکن بالمطھم ولا بالمکلثم وکان فی وجھہ تدویر ابیض مشرب ادعج العینین اھدب الاشفار جلیل المشاش والکتد اجرد ذو مسربہ شثن الکفین والقدمین اذا مشی تقلع کانما ینحط

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ قد مبارک میں نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد بلکہ میانہ قامت تھے۔ آپ ﷺ کے گیسو مبارک نہ بالکل پیچدار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے گھنگھریالے تھے۔ جسم اطہر میں فربہ پن نہ تھا۔ چہرہ انور بالکل گول نہ تھا بلکہ اس میں کسی قدر گولائی تھی۔ رنگ چمکدار سفید سرخی مائل تھا۔ چشمانِ مقدس نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز تھیں۔ جوڑوں کی ہڈیاں جسیم تھیں۔ دونوں شانوں کی درمیانی

فی صبب واذا التفت التفت معا بین کتفیه خاتم النبوۃ وھو خاتم النبیین اجود الناس صدرا واصدق الناس لهجة والینهم عریکة واکرمهم عشیرۃ من راٰه بداھة ھابه ومن خالطه معرفة احبه یقول ناعته لم ار قبله ولا بعده مثله ﷺ
(شمائل ترمذی:۶۵۷)

جگہ پر گوشت تھا۔ آپ ﷺ کے بدن اقدس پر زیادہ بال نہ تھے۔ سینہ اقدس سے ناف مبارک تک بالوں کی پتلی لکیر تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں پر گوشت تھا آپ جب چلتے تو قدموں کو قوت کے ساتھ اٹھاتے۔ ایسے لگتا کہ بلندی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے بدن کو پھیر کر توجہ فرماتے۔ دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت تھی۔ آپ ﷺ خاتم الانبیاء تھے۔ حضور ﷺ کا قلب اطہر سب سے زیادہ سخی تھا۔ کلام مبارک سب سے زیادہ سچا تھا۔ طبیعتِ مقدسہ سب سے زیادہ نرم تھی اور نسب شریف سب سے اعلیٰ تھا۔ جو شخص آپ ﷺ کو اچانک دیکھتا تو آپ کی شخصی وجاہت اور غیر معمولی حسن کے باعث مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ کی صحبت میں رہتا۔ آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرنے لگتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی تعریف و نعت بیان

کرتے ہوئے فرماتے ہیں میں نے نہ پہلے کوئی شخص حضور ﷺ جیسا کامل، حسین، خوشنما اور دلنواز دیکھا تھا نہ آپ ﷺ کے بعد آج تک دیکھا ہے۔

۸۔ عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہ قال سالت خالی ھند ابن ابی ھالۃ وکان و صافا عن حلیۃ النبی ﷺ وانا اشتھی ان یصف الیّ شیئا اتعلق بہ فقال کان رسول اللّٰہ ﷺ فخما مفخما یتلالاء وجھہ تلالو القمر لیلۃ البدر اطول من المربوع واقصر من المشذب عظیم الھامۃ رجل الشعران انفرقت عقیقتہ فرق والا فلا یجاوز شعرہ شحمۃ اذنیہ اذا ھو وفرۃ ازھر اللون واسع الجبین ازج الحواجب سوابغ من غیر قرن بینھما عرق یدرہ الغضب اقنی العرنین لہ نور یعلوہ یحسبہ من لم یتاملہ اشم کث اللحیۃ سھل الخدین ضلیع الفم مفلج الاسنان دقیق المسربہ کان عنقہ جید دمیہ

حضور ﷺ عظیم المرتبہ اور بارعب تھے۔ چہرہ اقدس چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ قد مبارک متوسط قد والے سے کسی قدر طویل تھا لیکن زیادہ طویل والے سے نسبتاً پست تھا۔ سر اقدس اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ بال مبارک قدرے خم کھائے ہوئے تھے۔ سر کے بالوں میں بسہولت مانگ نکل آتی تو رہنے دیتے ورنہ مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک کانوں کی لو سے تجاوز نہ کرتے، رنگ چمکدار، پیشانی کشادہ، ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ ابرو مبارک ملے ہوئے

فی صفاء الفضة معتدل الخلق بادن متماسک سواء البطن والصدر عریض الصدر بعید مابین المنکبین ضخم الکرادیس انور المتجرد موصول ما بین اللبة والسرۃ بشعر یجری کالخط عاری الثدیین والبطن مما سوی ذالک اشعر الذراعین والمنکبین واعالی الصدر طویل الذندین رحب الراحة شثن الکفین والقدمین سائل الاطراف وقال شائل الاطراف خمصان الا خمصین مسیح القدمین ینبوا عنهما الماء اذا زال زال قلعا یخطوا تکفیا ویمشی هونا ذریع المشیه اذا مشی کانما ینحط من صبب واذا التفت التفت جمیعا خافض الطرف نظرہ الی الارض اکثر من نظرہ الی السماء جل نظرہ الملاحظة یسوق اصحابه ویبدء من لقی بالسلام

(شمائل ترمذی: ۶۵۸)

نہیں تھے۔ دونوں کے درمیان ایک مبارک رگ تھی جو حالت غصہ میں ابھر جاتی' بینی مبارک مائل بہ بلندی تھی اور اس پر بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ حسن وچمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے' ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں ہے۔ داڑھی مبارک گنجان تھی۔ آنکھ مبارک کی پتلی خوب سیاہ تھی' رخسار مبارک ہموار اور ہلکے تھے۔ ان میں سے سامنے کے دانتوں میں تھوڑا تھوڑا فاصلہ تھا۔ سینے سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر تھی گردن مبارک اتنی خوبصورت اور باریک تھی جیسے تصویر میں موتی کو تراشا گیا ہو اور رنگ اور صفائی میں چاندی کی طرح سفید اور چمکدار تھی اور اعضاء پُرگوشت اور معتدل تھے۔ پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھے لیکن سینہ اقدس فراخ اور قدرے ابھرا ہوا تھا۔ دونوں شانوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا۔ جوڑوں کی ہڈیاں قوی تھیں' جو حصۂ بدن کپڑوں سے باہر رہتا روشن تھا۔ ناف اور سینہ کے

درمیان ایک لکیر کی طرح بالوں کی دھاری تھی' سینۂ اقدس اور بطن مبارک بالوں سے خالی تھے اور ہتھیلیاں فراخ تھیں۔ نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدموں پر گوشت تھا۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔ آپ کے تلوے گہرے تھے

اور قدم ہموار اور ایسے صاف تھے کہ پانی ان سے فوراً ڈھلک جاتا۔ جب آپ ﷺ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے مگر تواضع کے ساتھ چلتے زمین پر قدم آہستہ پڑتا نہ کہ زور سے۔ آپ ﷺ سبک رفتار تھے اور قدم ذرا کشادہ رکھتے۔ چھوٹے چھوٹے قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ جب آپ ﷺ چلتے تو یوں محسوس ہوتا گویا بلند جگہ سے نیچے اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو مکمل متوجہ ہوتے۔ آپ ﷺ کی نظر پاک نیچی اور جھکی رہتی۔ گوشہ چشم سے دیکھنا عموماً آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔ یعنی غایتِ حیا کی وجہ سے آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے۔ چلتے وقت

اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگے کر دیتے۔ سلام دینے میں خود ابتدا فرماتے آپ ﷺ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا اور دندان مبارک ایسے ظاہر ہوتے جیسے بارش کے سفید چمکدار اولے ہوں۔

۹۔ عن عائشہ قالت: کان من صفۃ رسول اللّٰہ ﷺ انہ لم یکن یماشیہ احد ینسب الی الطول الا طالہ رسول اللّٰہ ﷺ، وربما ماشی الرجلین الطویلین فطولھما فاذا فارقاہ نسبا الی الطول، ونسب ھو الی الربعۃ

(الوفاء، ۲: ۴۰۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے قد زیبا کے اعجاز حسن کی نسبت فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نہ ہی زیادہ دراز قد تھے اور نہ کوتاہ قد بلکہ آپ ﷺ کا قد مبارک میانہ تھا۔ جب کسی طویل القامت کے ساتھ مل کر چلتے تو اس سے بلند نظر آتے اور بسا اوقات دو بلند قامت آدمیوں کے درمیان چلتے تو ان سے بلند نظر آتے لیکن دیکھنے والا حیران رہ جاتا کہ جب وہ جدا ہوتے تو وہ دراز قد اور آپ ﷺ کا قدِ انور میانہ دکھائی دیتا۔ یعنی دوسروں کے مقابل بلند دکھائی دیتے لیکن تنہا معتدل اور درمیانہ تھے۔

۱۰۔ عن جابر ابن سمرۃ قال رایت رسول اللّٰہ ﷺ فی لیلۃ اضحیان

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک رات چاند پورے جوبن پر تھا اور ادھر

وعلیہ حلۃ حمرا فجعلت انظر الیہ والی القمر فھو عندی احسن من القمر

(شمائل ترمذی: ۶۵۸)

حضور ﷺ بھی تشریف فرما تھے اس وقت حضور ﷺ سرخ دھاری دار چادر میں ملبوس تھے اس رات کبھی میں رسول اللہ ﷺ کے حسنِ طلعت پر نظر ڈالتا تھا اور کبھی چمکتے ہوئے چاند پر۔ پس حضور ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین لگ رہے تھے۔

۱۱۔ عن انس بن مالک قال: کان رسول اللہ ﷺ کانما صیغ من فضہ

(الوفاء ۲:۳۰۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مجموعی جسمانی حسن کے لحاظ سے یوں معلوم ہوتے تھے گویا چاندی سے ڈھالے گئے ہیں۔

۱۲۔ عن عائشہ قالت: کان رسول اللہ ﷺ احسن الناس وجھا وانورھم لونا

(الوفاء، ۲:۳۰۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حبیب خدا ﷺ چہرہ اقدس کے لحاظ سے سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور حسن وجمال اور رنگت کے اعتبار سے سب سے زیادہ نورانی چمک والے تھے۔

۱۳۔ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قال: کان وجہ رسول اللہ ﷺ کدارہ القمر

(الوفاء، ۲:۳۰۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کے حلقہ اور دائرہ کی مانند نظر آتا تھا۔

۱۴۔ عن محمد بن عمار قال: قلت للربیع بنت معوذ: صفی لی رسول

محمد بن عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوذؓ سے عرض کیا کہ

اللہ ﷺ قالت: یا بنی، لو رأیتہ رأیت الشمس طالعۃ
(الوفاء، ۲: ۴۰۷)

رسول معظم ﷺ کا حلیہ مبارک مجھے بیان فرمائیں تو انہوں نے فرمایا اے بیٹے اگر تو آپ ﷺ کو دیکھتا تو تجھے یوں معلوم ہوتا جیسے سورج طلوع ہو رہا ہے۔

۱۵۔ عن ابن عباس قال: لم یکن لرسول اللہ ﷺ ظل، ولم یقم مع شمس قط الا غلب ضوؤہ ضوء الشمس، ولم یقم مع سراج قط الا غلب ضوؤہ علی السراج
(الوفاء ۲: ۴۰۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا سایہ مبارک نہیں تھا۔ جب آپ سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کے چہرہ انور کی چمک ودمک، ضیاء اور نورانیت سورج کی ضیاء ونورانیت پر غالب آجاتی اور جب کبھی چراغ کے ساتھ کھڑے ہوتے تو آپ کی ضیائیں چراغ کے نور پر غالب آجاتیں۔

۱۶۔ کان عرقہ فی وجہہ مثل اللولو الرطب اطیب من المسک الاذفر
(الوفاء، ۲: ۴۰۸)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا پسینہ مبارک چہرہ انور پر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آبدار موتی ہوں اور خوشبو کے لحاظ سے وہ خالص کستوری سے زیادہ پاکیزہ اور مہک والا ہوتا۔

۱۷۔ عن علی قال: کان النبی ﷺ کان عرقہ اللولو، وریح

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیبِ خدا ﷺ کے پسینہ

عرقہ کالمسک

(الوفاء ٢:٤٠٨)

مبارک کے قطرات چمک دمک میں موتیوں کی مانند تھے اور خوشبو مہک کے لحاظ سے کستوری کی مانند

١٨۔ عن عثمان بن عبد الملک، قال: حدثنی خالی، وکان من اصحاب علی یوم صفین، عن علی، قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ، کان عنقہ ابریق فضۃ۔

(الوفاء ٢:٣٩٠)

عثمان بن عبد الملک روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے ماموں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی اور وہ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے کہ سرورِ عالم ﷺ کی گردن مبارک صفائی اور سفیدی کے لحاظ سے چاندی کی صراحی کی مانند نفیس اور حسین لگتی تھی۔

١٩۔ عن ام ھانی قالت: ما رایت بطن رسول اللّٰہ ﷺ الا ذکرت القراطیس المثنی بعضھا علی بعض

(الوفاء ٢:٣٩٧)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میری نظر جب بھی سید عالم ﷺ کے بطن اقدس پر پڑی تو ملائمت اور سفیدی کے لحاظ سے مجھے تہ بہ تہ رکھے ہوئے اوراق یاد آئے۔

٢٠۔ عن مخرش الکعبی، قال: اعتمر رسول اللّٰہ ﷺ من الجعرانہ لیلا فنظرت الی ظھرہ کانہ سبیکۃ فضۃ۔

(الوفاء ٢:٣٩٨)

حضرت محرش الکعبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید کونین ﷺ نے جعرانہ سے رات کے وقت عمرہ فرمایا اور احرام باندھا تو میں نے آپ کی پیٹھ مبارک کو دیکھا گویا کہ وہ چاندی پگھلا کر ڈھالی گئی ہے۔

٢١۔ عن ھند ابی ھالۃ کان رسول اللہ

حضرت ہند ابی ہالہ نے فرمایا کہ آپ

ﷺ انور المتجرد
(شمائل ترمذی: ۳)

ﷺ کا جسم اطہر سراپا روشنی اور حسن کا پیکر تھا۔

۲۲۔ عن عائشہ ان النبی ﷺ لبس بردۃ سوداء فقالت عائشہ: ما احسنھا علیک' بشوب بیاضک سوادھا' وسوادھا بیاضک

(الوفاء' ۲:۵۶۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سیاہ رنگ کی چادر پیش کی گئی۔ آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرمایا اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا عائشہ یہ چادر کیسی لگتی ہے؟ میں نے عرض کیا: "بہت ہی خوب آپ ﷺ کے حسن کی سفیدی نے اس کی سیاہی کو اور اس کی سیاہی نے آپ ﷺ کی سفیدی کو دوبالا کر دیا ہے"

محبوب خدا ﷺ کا قد زیبا

۲۳۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کے قد و قامت کو اس حسن تناسب سے نوازا تھا کہ دیکھنے والا جس زاویے اور جس پہلو سے بھی دیکھتا اسے کوئی عیب یا سقم دکھائی نہ دیتا۔ آپ ﷺ تنہا کھڑے ہوتے تو میانہ قد دکھائی دیتے جبکہ صحابہ کرامؓ کے جھرمٹ میں آپ ﷺ کا قدِ اقدس سب سے بلند نظر آتا اس لئے کہ رب کائنات کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی اس کے حبیب ﷺ کو پست قامت کہہ سکے۔

آپ ﷺ کا سراپائے اقدس تناسب اعضاء کا بہترین شاہکار تھا۔ آپ ﷺ کا حسی وظاہری پہلو حد درجہ دلکش اور جاذبِ نظر تھا۔ آپ ﷺ ہر مجلس میں مرکز نگاہ ہوتے تھے اور دیکھنے والی ہر آنکھ آپ ﷺ کے سراپائے انور کے حسن وجمال کی رعنائیوں میں کھوئی رہتی۔

سفرِ ہجرت میں آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے والی خاتون ام معبد رضی اللہ عنہا نے

آپ ﷺ کے قدِانور کا حسن بیان کیا اور ساتھ ساتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ سے تقابل کیا ہے۔

کان رسول اللہ ﷺ ربعۃ لا تشنوہ من طول ولا تقتحمہ عین من قصر غصن بین غصنین فھو انضر الثلاثۃ منظرا و احسنھم قدا

(شمائل الرسول لابن کثیر، ۴۶)

آپ ﷺ کا مبارک قد نہایت خوبصورت میانہ تھا نہ ایسی طوالت کہ دیکھنے والا ناپسند کرے اور نہ ایسا پست کہ حقیر نظر آئے (بلکہ) وہ دو شاخوں کے درمیان ترو تازہ شاخ کی مانند تھا اور ان تینوں میں زیادہ حسین نظر آرہا تھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس خصوصیت کو یوں بیان کیا ہے۔

ما مشی مع رسول اللہ ﷺ احد الا طالہ

(تہذیب عساکر، ۱: ۳۲۰)

آپ ﷺ ساتھ چلنے والے سے بلند قامت دکھائی دیتے تھے۔

آپ ﷺ صرف دوسروں میں کھڑے ہونے کی صورت میں ہی بلند نظر نہ آتے تھے بلکہ مجلس میں بیٹھنے کی صورت میں بھی آپ ﷺ بلند نظر آتے۔

امام المحدثین حضرت ملا علی قاری "خصائص ابن سبع" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

کان اذا جلس یکون کتفہ اعلی من الجالسین

(جمع الوسائل، ۱: ۱۳)

جب آپ ﷺ (کسی مجلس میں) بیٹھتے تو آپ ﷺ کے شانے مبارک دوسرے بیٹھنے والوں سے بلند نظر آتے۔

بلند نظر آنے کی حکمت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لعل السر فی ذلک انہ لا یتطاول

حکمت اس میں یہ ہے کہ جس طرح

علیہ احد صورۃ کما لا یتطاول علیہ معنی
(جمع الوسائل '۱:۱۳)

محاسن باطنہ میں آپ ﷺ سے کوئی بلند نہیں اسی طرح ظاہری قدو قامت میں بھی آپ سے کوئی بڑھ نہیں سکتا۔

ایک اور مقام پر دوسروں کے درمیان آپ ﷺ کے بلند دکھائی دینے کی حکمت یوں بیان کرتے ہیں۔

فی الطول مزیۃ خص بھا تلویحا بانہ لم یکن احد عند ربہ افضل لا صورۃ ولا معنی
(شرح الشفاء '۱:۱۵۲)

کہ یہ بلندی اس لئے تھی کہ ہر ایک پر یہ بات آشکار ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظاہری اور باطنی احوال میں اس ذات سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

امام خفاجی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا قدِ انور خلقت کے لحاظ سے دوسروں سے زیادہ طویل نہیں تھا بلکہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عنایت تھی کہ دیکھنے والوں کو آپ ﷺ بلند دکھائی دیتے تاکہ صورت کے لحاظ سے بھی کوئی فوقیت حاصل نہ کرپائے اوراس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی تعظیم میں اضافہ ہو۔

لم یخلق اطول من غیرہ لخروجہ من الاعتدال الاکمل المحمود ولکن اللّٰہ جعل اللّٰہ لہ ھذا فی رای العین معجزۃ خصہ اللّٰہ تعالی بھا لئلا یری تفوق احد علیہ بحسب الصورۃ ولیظھر من بین اصحابہ تعظیما لہ بما لم یسمع نغیرہ فاذا فارق تلک الحالۃ زال المحذور وعلم التعظیم لظھر کما لہ الخلقی
(نسیم الریاض '۱:۳۴۴)

آپ ﷺ کا قدِ انور زیادہ طویل پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ اتنا طویل ہونا اعتدال کے منافی اور قابل تعریف نہیں ہاں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والی آنکھوں میں یہ بات پیدا کر دی تھی کہ آپ ﷺ بلند نظر آتے اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت اس لئے عطا کی تھی کہ کوئی صورت کے لحاظ سے بھی آپ ﷺ سے بلند دکھائی نہ دے اور آپ ﷺ کی تعظیم میں

اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے جب یہ ضرورت نہ رہی تو آپ ﷺ اس کمال پر دکھائی دیتے جس پر آپ ﷺ کی تخلیق تھی۔

امام محمد بن عبدالباقی الزرقانیؒ اس سوال کا کہ کیا یہ آپ ﷺ کا بلند نظر آنا اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کو دوسروں سے طویل پیدا کیا گیا تھا یا آپ ﷺ کا قدِ انور خلقتاً میانہ ہی تھا مگر بلند دکھائی دیتا تھا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ آپ ﷺ کو دوسروں سے طویل پیدا فرما دیتا لیکن اس نے آپ ﷺ کو میانہ قد ہی پیدا فرمایا۔ ہاں دیکھنے والے آپ ﷺ کو بلند ہی محسوس کرتے تھے۔

ان ذالک یری فی اعین الناظرین فقط و جسدہ باق علی اصل خلقتہ علی حدِ فمثل ارتفاعہ المعنوی فی عین الناظر فراہ رفعۃ حسیۃ
(زرقانی علی المواہب، ۴:۱۹۹)

آپ ﷺ فقط لوگوں کی نظروں میں بلند دکھائی دیتے لیکن آپ ﷺ کا جسم اطہر اس حال میں بھی اصل خلقت پر (میانہ) ہی رہتا۔ پس گویا آپ ﷺ کی رفعت معنوی کو ہی اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے کی آنکھ میں رفعت حسی بنا دیا تھا۔

موصوف بلند دکھائی دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ذالک کی لا یتطاول علیہ احد صورۃ کما لا یتطاول معنی
(زرقانی علی المواہب، ۴:۱۹۹)

تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جس طرح معنوی اور باطنی لحاظ سے کوئی بلند نہیں اسی طرح ظاہر میں بھی آپ ﷺ سے کوئی بڑھ نہیں سکتا۔

یعنی جب کوئی شخص آپ ﷺ کو کسی اجتماع یا محفل میں دیکھتا تو وہ یوں

محسوس کرتا کہ آپ ﷺ اُس سے بلند ہیں۔ حالانکہ تنہائی میں آپ ﷺ کا قدِ زیبا میانہ ہی دکھائی دیتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے قد زیبا کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

کان رسول اللّٰہ ﷺ احسن الناس قواما واحسن الناس وجها (ابن عساکر، ۱: ۳۴۰)

محبوبِ خدا ﷺ قامت زیبا اور چہرہ اقدس کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔

وصاف نبی حضرت ہند بن ابی ہالہ قدِ انور کے اعتدال کو یوں بیان کرتے ہیں۔

کان رسول اللّٰہ ﷺ معتدل الخلق بادن متماسک اطول من المربوع واقصر من المشذب (الترمذی)

آپ ﷺ کا تمام جسم نہایت ہی معتدل تھا۔ تمام اعضاء کامل تھے۔ گوشت سے پُر ہونے کے باوجود ان میں ڈھیلا پن نہ تھا قدِ انور اعتدال کے ساتھ دراز تھا نہ ہی پست تھا اور نہ زیادہ دبلا پتلا۔

تتمۂ باب

اعلم ان مثل هذه الشمائل وردفي احاديث شتى عن انس و ابي هريرة و براء بن عازب و عائشة و ابي جحيفة و جابر بن سمرة و ام معبد و ابن عباس و معرض بن معيقب و ابي الطفيل و عدا بن خالد و خريم بن فاتک و حکيم بن حزام و لنحتسب بذکر نبذ منها ايضا فقالوا

الغرض اسی طرح کے بہت سے شمائل متفرق احادیث میں حضرات صحابہ کرام سے وارد ہوئے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام معبدؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت

رضی اللہ عنہما کان رسول اللہ ﷺ
ادعج انجل اشکل اهدب الاشفار
ابلج ازج اقنی افلج مدور الوجه
کانه قطعة قمر کث اللحیة علاء
صدره سواء البطن و الصدر واسع
الصدر عظیم المنکبین ضخم العظام
عبل الذراعین و العضدین و
الاسافل رحب الکفین و القدمین
دقیق المسربة ربعة القدلیس
بالطویل البائن ولا بالقصیر
المتردد ولم یکن یماشیه احد
ینسب الی الطول رجل الشعر
واذ افتر ضاحکا افتر من مثل سنا
البرق و من مثل حب الغمام واذا
تکلم رای کالنور یخرج من بین
ثنایاهٔ احسن الناس عنقا لیس
بمطهم ولا مکلثم متماسک البدن
ضرب اللحم وفی روایات اشجر
العین ضخم المشاش اذا وطی
بقدمیه وطی بکلها لیس له اخمص
هذا کله خلاصة ما فی الشفاء و
روی الترمذی فی شمائله عن
انس کان حبیبنا ﷺ شثن

معرض بن معیقب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، حضرت عدا بن خالد رضی اللہ عنہ، حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ وغیرھم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک چمکتا ہوا تھا۔ پتلی نہایت سیاہ تھی آنکھیں بڑی اور ان میں سرخ ڈورے تھے۔ مژگاں دراز تھیں، دونوں ابروؤں کے درمیان کشادگی تھی، ابرو خمدار تھے، بینی بلند تھی، دندان مبارک میں کچھ ریخیں تھی (یعنی بالکل اوپر تلے چڑھے ہوئے نہ تھے) چہرہ مبارک گول تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ریش مبارک گنجان تھی کہ سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی شکم اور سینہ ہموار تھا سینہ چوڑا تھا دونوں شانے کلاں تھے استخوان بھاری تھیں، دونوں کلائیاں بازو اور اسفل بدن (ساق وغیرہ) بھرے ہوئے تھے، دونوں کفِ دست اور قدم کشادہ تھے۔ سینہ سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ قد مبارک میانہ تھا نہ تو بہت زیادہ دراز اور نہ بہت کوتاہ

الکفین و القدمین ضخم الراس ضخم الکرادیس لم یکن بالطویل الممغط ولا بالقصیر المتردد کان فی وجهه تدویر ابیض مشرب ادعج العینین اهدب الاشفار جلیل المشاش والکتد اجرد ذو مسربة اذا التفت التفت معًا بین کتفیه خاتم النبوة وهو خاتم النبیین و فی روایة جابر بن سمرة کان ضلیع الفم منهوس العقب اشکل العینین اذا نظرت الیه قلت اکحل العینین و لیس باکحل ای لیس بمکتحل و قال ابو الطفیل اللیثی رضی اللہ عنہ کان ابیض ملیحا مقتصدا رواہ فی الشمائل للترمذی عن انس بن مالک لم یکن رسول اللہ ﷺ بالطویل البائن ولا بالقصیر ولا بالابیض الامهق ولا بالآدم ولا بالجعد القطط ولا بالسبط و لیس فی راسه و لحیته عشرون شعرة بیضاء و قال المحققون ان الشعور الابیض فی راسه و لحیته کان سبعة عشر و

اور رفتار میں کوئی آپ کے ساتھ نہ رہ سکتا تھا (یعنی رفتار میں ایک گونہ تیزی تھی) آپ کا قد زیبا قدرے درازی کی طرف نسبت کیا جاتا تھا (یعنی طویل تو نہ تھے مگر دیکھنے میں قد اونچا معلوم ہوتا تھا) بال قدرے بلدار تھے۔ جب ہنستے ہوئے دندان مبارک ظاہر ہوتے تو ایسے محسوس ہوتا جیسے بجلی کی روشنی نمودار ہوتی ہے یا جیسے بارش کے اولے ہوتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے تو سامنے کے دانتوں کے بیچ میں سے ایک نور سا نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا گردن نہایت خوبصورت تھی چہرہ مبارک پھولا ہوا نہ تھا اور نہ بالکل گول تھا۔ گوشت ہلکا تھا اور دوسری روایتوں میں ہے کہ آنکھوں میں سفیدی کے ساتھ سرخی تھی جوڑ بند کلاں تھے۔ جب زمین پر پاؤں رکھتے تو پورا پاؤں رکھتے تھے۔ تلوے میں زیادہ گہرائی نہیں تھی اور ترمذیؒ نے اپنے شمائل میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے دونوں

قال جابر بن سمر رایت الخاتم بین کتفی رسول اللہ ﷺ غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمام و عن السائب بن یزید مثل البراء ما رایت من ذی لمۃ فی حلۃ حمراء احسن من رسول اللہ ﷺ قال ابو ھریرہ ما رایت شیا احسن من رسول اللہ ﷺ کان الشمس تجری فی وجھہ واذا ضحک یتلالا نورہ فی الجدر وقیل لجابر کان وجہ رسول اللہ ﷺ کالسیف قال لا بل کالشمس والقمر وکان مستدیرا۔

(از الشمم الحبیب' مولانا الٰہی بخش کاندھلوی (خاتم مثنوی))

کف دست اور دونوں قدم پُر گوشت تھے۔ سر مبارک کلاں تھا جوڑ کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ نہ تو بہت طویل القامت تھے اور نہ کوتاہ قامت تھے کہ بدن کا گوشت ایک دوسرے میں دھنسا ہوا ہو۔ آپ کے چہرے مبارک میں ایک گونہ گولائی تھی۔ رنگ گورا تھا۔ اس میں سرخی دمکتی تھی سیاہ آنکھیں تھیں مژگانیں دراز تھیں۔ شانے کی ہڈیاں اور شانے بڑے تھے۔ بدن مبارک بے مو تھا یعنی بدن پر بال نہ تھے۔ البتہ سینہ سے ناف مبارک تک بالوں کی باریک دھاری تھی۔ جب کسی طرف دیکھنا چاہتے تو پورے پھر کر دیکھتے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ ایڑیوں کا گوشت ہلکا تھا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔ جب آپ کی طرف کوئی نظر کرتا تو یوں سمجھتا کہ آپ کی آنکھوں میں سرمہ پڑا ہوا ہے۔ حالانکہ سرمہ پڑا نہ ہوتا تھا۔

حضرت ابوالطفیل لیثی رضی اللہ عنہ نے بیان
کیا ہے کہ آپ میانہ قد تھے۔ آپ
کبھی کبھی سرخ دھاری دار چادر زیب
تن فرماتے تھے۔ شمائل ترمذی میں ہے
کہ رسول اللہ ﷺ نہ بہت دراز
قد تھے اور نہ کوتاہ قامت نہ بالکل
سفید اور نہ سانولے اور موئے
مبارک آپ ﷺ کے نہ بالکل
خمدار اور نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ
بلدار تھے۔ آپ کے سر انور اور
ریش مبارک میں سفید بال بیس بھی نہ
تھے اور بعض محققین نے کہا ہے کہ
آپ کے سر انور اور ریش مبارک
اور داڑھی مبارک میں سفید بال کل
سترہ تھے اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے
فرمایا کہ میں نے مہر نبوت کو آپ کے
دونوں شانوں کے درمیان میں ایک
سرخ اور بالکل معمولی سے ابھرے
ہوئے گوشت کی مثل دیکھا۔ حضرت
براء کہتے ہیں کہ میں نے کوئی زلفوں
والا سرخ جوڑا پہنے ہوئے رسول اللہ
ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے
زیادہ حسین نہیں دیکھا یوں لگتا تھا گویا
آپ کے چہرہ انور میں آفتاب چل رہا
ہے۔ جب آپ ہنستے تو دیواروں پر
چمک پڑتی تھی اور اندھیری جگہ روشن
ہو جاتی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے
پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا
چہرہ مبارک مثل تلوار کے شفاف
تھا۔ تو انہوں نے کہا "نہیں" بلکہ
آفتاب اور ماہتاب کے مثل تھا۔

اشاریہ

ألقرآن

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	البقره:۲		
۱	إنّی جاعل فی الأرض خليفة.	۳۰:۲	۴۹
۲	إنّی أعلم ما لا تعلمون.	۳۰:۲	۴۹
۳	قُلنا اهبطوا منها جميعاً.....	۳۸:۲	۴۶۲
۴	يا بنی إسرائيل أذكروا نعمتی...	۴۰:۲	۴۹۱
۵	يا بنی اسرائيل أذكروا نعمتی...	۴۷:۲	۲۹۹، ۳۰۴
۶	وإذ نجينا كم من آل فرعون....	۴۹:۲	۳۰۰
۷	وظللّنا عليكم الغمام وأنزلنا...	۵۷:۲	۳۰۱
۸	فاينما تولوا فثمّ وجه اللّٰه.	۱۱۵:۲	۱۹۷
۹	ولا تُسئل عن أصحاب الجحيم.	۱۱۹:۲	۴۸۹
۱۰	وإذا ابتَلی إبراهيم ربّه بكلماتٍ.	۱۲۴:۲	۴۹۱
۱۱	ربّ إجعل هذا بلدًا امناً...	۱۲۶:۲	۴۳
۱۲	ربّنا تقبّل منا إنّک أنت السمّيع العليم.	۱۲۷:۲	۵۴
۱۳	ما تعبدون من بعدی....	۱۳۳:۲	۱۲۵، ۴۶۷، ۴۶۸
۱۴	قد نریٰ تقلّب وجهک فی السماء...	۱۴۴:۲	۵۸۳
۱۵	فلا جُناح عليه أن يطّوف بهما.	۱۵۸:۲	۸۸
۱۶	ليس عليكم جُناحَ أن تبتغوا...	۱۹۸:۲	۸۹
۱۷	كان النّاس أمّةً واحدةً.	۲۱۳:۲	۴۶۴
۱۸	ولعبدٌ مومنٌ خير من مشركٍ.	۲۲۱:۲	۵۱۹، ۵۳۵

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	الأعراف:۷		
۳۵	ربّ أرني أنظر إليك۔	۱۴۳:۷	۱۹۶
۳۶	فلمّا تجلّٰى ربّه للجبل جعله دكًّا . . .	۱۴۳:۷	۱۹۶
	التوبه:۹		
۳۷	إلاّ عاهدتم عند المسجد الحرام۔	۷:۹	۴۲
۳۸	إنما المشركون نجسٌ فلا تقربوا المسجد الحرام۔	۲۸:۹	۴۱، ۱۲۹، ۴۵۴، ۵۱۷، ۵۳۶
۳۹	والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب . . .	۶۱:۹	۵۵۰
۴۰	ما كان للنّبي والذين أمنوا . . .	۱۱۳:۹	۴۹۰
۴۱	فلمّا تبيّن لهم أنه عدوٌّ لله تبرّأ منه۔	۱۱۴:۹	۱۲۷
۴۲	لقد جائكم رسولٌ من أنفسكم۔	۱۲۸:۹	۱۱۱
	يُونس:۱۰		
۴۳	فقد لبثتُ فيكم عمراً مِن قبلِهِ۔	۱۶:۱۰	۲۵۴
۴۴	قل بفضلِ الله وبرحمتهِ فبذالك . . .	۵۸:۱۰	۳۰۶
	هُود:۱۱		
۴۵	إنّه ليس مِن أهلك إنّه عملٌ غيرصالح۔	۴۶:۱۱	۵۴۴
	إبراهيم:۱۴		
۴۶	وإذ قال إبراهيم ربّ إجعل . . .	۳۵:۱۴	۴۷۵، ۵۲۰
۴۷	واجنبني وبنيّ أن نعبدَ الأصنام۔	۳۵:۱۴	۴۷۶، ۵۲۰
۴۸	ربّنا إنّي أسكنتُ من ذريّتي بوادٍ . . .	۳۷:۱۴	۴۷۰، ۵۲۱

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
٤٩	ربِّ إجعلني مقيمَ الصّلوٰة ۔ ۔ ۔	٤٠:١٤	٤٧٦،٤٦٤
٥٠	ربّنا إغفرلي ولوالديّ وللمؤمنين ۔ ۔ ۔	٤١:١٤	٤٨٩،١٢٧
	النّحل:١٦		
٥١	وإذا بُشّر أحدهم بالأُنثىٰ ۔ ۔ ۔	٥٩،٥٨:١٦	٧٤
	الأسراء:١٧		
٥٢	وما كنّا معذّبين حتىٰ نبعث رسولاً۔	١٥:١٧	،٤٣٨،٤٣٧ ٥١٤،٤٣٩
٥٣	قالوا أبعث الله بشراً رسولاً۔	٩٤:١٧	
	مريم:١٩		
٥٤	سلامٌ عليه يوم وُلد۔	١٥:١٩	٣٠٩
٥٥	والسّلام عليّ يوم وُلدت۔	٣٣:١٩	٣٠٩
٥٦	أراغبٌ أنت عن ألهتى يا إبراهيم۔	٤٦:١٩	١٢٦
	طٰه:٢٠		
٥٧	ولو أنّا أهلكناهم بعذابٍ من ۔ ۔ ۔	١٣٤:٢٠	٤٤٠
	الأنبياء:٢١		
٥٨	قُلنا يا نارُ كونى برداً و سلاماً ۔ ۔ ۔	٦٩:٢١	٤٦٨
٥٩	وما أرسلناك إلاّ رحمةً لّلعالمين۔	١٠٧:٢١	٣٠٨
	الحج:٢٢		
٦٠	إنّ الذين كفروا يصدّون عن ۔ ۔ ۔	٢٥:٢٢	٤٢
٦١	ثُمّ محلّها إلىٰ بيت العتيق۔	٣٣:٢٢	٤١

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	الفتح:٤٨		
٨٦	و هو الذى كفّ أيديهم عنكم . . .	٢٤:٤٨	٣٩
٨٧	محمدٌ رّسولُ الله۔	٢٩:٤٨	٢٤٨
	الحُجرات:٤٩		
٨٨	ياأيها النّاس إنّا خلقناكم من ذكرٍ و . . .	١٣:٤٩	٥٤٣
	الحشر:٥٩		
٨٩	لا يستوى أصحابُ النّارِ و . . .	٢٠:٥٩	٥٤١
	الصف:٦١		
٩٠	ومبشّراًبرسولٍ يأتى من بعدى . . .	٦:٦١	٢٥٠
	الجمعه:٦٢		
٩١	هوالذى بعث فى الأميّن رسولاً . . .	٢:٦٢	٣٠٧
٩٢	وأخرين منهم لمّا يلحقوا بهم . . .	٣،٤:٦٢	٣٠٨
	المُنافقون:٦٣		
٩٣	ولله العزّة ولرسوله وللمؤمنين . . .	٨:٦٣	٥٤٢
	نوح:٧١		
٩٤	ربِّ إغفر لى ولوالدىّ ولمن . . .	٢٨:٧١	٤٨٨،٥١٩
	البلد:٩٠		
٩٥	لاأقسم بهٰذا البلدِOوأنت حلٌّ . . .	١،٢:٩٠	٤٤
	الضّحىٰ:٩٣		
٩٦	والضّحىٰOواللّيل إذا سجىٰO . . .	١،٣:٩٣	٥٨٤
٩٧	وللاٰخرةُ خيرٌ لّك من الأولىٰO	٤:٩٣	٥٦٥

أحاديث و آثار

نمبر شمار	أطراف الأحاديث والآثار	صفحہ
۱۹۰	۔۔۔ لم يبق منزل من منازل بني سعد الآشممنا منه ريح المسك	٦١٠
۱۹۱	۔۔۔ فلما دخلت معه الفراش إذا بيني وبينه ثوبٌ۔	٦١١
۱۹۲	كان رسول الله ﷺ أحسن الناس لوناً وأطيب الناس ريحاً۔	٦١٢
۱۹۳	كان رسول الله ﷺ إذا مرّ في طريق من طُرق مدينة ۔۔۔	٦١٣
۱۹٤	لم يكن النبي ﷺ يمرّ في طريق فيتّبعه أحدٌ ۔۔۔	٦١٣
۱۹۵	غسلت النبي ﷺ فذهبت أنظر مايكون من الميّت ۔۔۔	٦١٦
۱۹٦	وضعت يدي على صدر رسول الله ﷺ يوم مات ۔۔۔	٦١٦
۱۹۷	فأخذت قُبضةً من تُرابِ القبر فوضعته على عينها ۔۔۔	٦١٧
۱۹۸	كان ريحه عرق رسول الله ﷺ المسك ۔۔۔	٦٢٠
۱۹۹	ولا شمَمت مسكاً قط ولاعطراً كان أطيب من عرق النبي۔	٦٢٠
۲۰۰	كان عرق رسول الله ﷺ في وجهه اللؤلؤ ۔۔۔	٦٢٠
۲۰۱	فضمني رسول الله ﷺ فسال من عرق إبطه مثل ريح المسك۔	٦٢١
۲۰۲	هذا عرقك نجعله في طيبنا وهو من أطيب الطيب۔	٦٢٢
۲۰۳	نرجوا بركةً لصبياننا۔	٦٢٢
۲۰٤	فأوصى أنس أن يّجعل منه في حَنوطه۔	٦٢٢
۲۰۵	خذ وأمر بنتك تطيّب به۔	٦٢٣

أقوال

نمبر شمار	اطراف الاقوال	صاحب قول	صفحه
١	إن ربّک أمرنی أن أبنی له بیتاً...	سیدناابراھیمؑ	٥٢
٢	یا معشر قریش لا تدخلوا فی بنیانها...	أبووھبؓ	٥٧
٣	ھی العمارة الأخیرة إلی یومنا ھذا.	علامه طاھر کردی	٦٢
٤	العرب یطلقون الأب علی العمّ.	قاضی ثناء الله پانی پتی	١٢٨
٥	کان آزر علی الصحیح عماً لإبراھیم...	قاضی ثناء الله پانی پتی	١٢٨
٦	کان معد مع بخت نصرحین غزا حصون الیمن.	امام ابن سعدؒ	١٣٣
٧	من یزرع شرّا یحصد ندامةً.	مضربن نزارؒ	١٣٧
٨	خیر الخیر أعجله.	مضربن نزارؒ	١٣٧
٩	فاحملو أنفسکم علی مکروھها...	مضربن نزارؒ	١٣٧
١٠	والله لو کنت فیها إذا سمع و بصر...	کعب بن لویؒ	١٤٦
١١	من أکرم لئیماً شار که فی لومه.	قصی بن کلابؒ	١٥٣
١٢	من طلب فوق قدره استحق الحرمان.	قصی بن کلابؒ	١٥٣
١٣	الحسود ھو العدو الخفی.	قصی بن کلابؒ	١٥٤
١٤	من لم تصلحه الکرامة أصلحه الھوان.	قصی بن کلابؒ	١٥٤
١٥	یا عبد المطلب إنها بئر أبینا إسمٰعیل...	قریش	١٧٠
١٦	... إنما جئت لهدم ھذا البیت.....	أبرھه	١٧٦
١٧	لاھم إن العبد یمنع رحله فامنع حلالک...	عبد المطلبؓ	١٧٨
١٨	یا عبد المطلب اتسطیل علینا وأنت فذلا..	عدی بن نوفل	١٨٠
١٩	أی کان النبی نبیاً و جرّت علیه...	انورشاه کشمیریؒ	٢٠٥
٢٠	سألته سوالا روحانیاً عن معنیٰ قولاً...	شاه ولی الله	٢٠٥
٢١	أنه ﷺ کان نبیاً قبل النّشأة العنصریة.	عبد الرحمٰن جامیؒ	٢٠٦

نمبر شمار	أطراف الأقوال	صاحبِ قول	صفحه
٤٣	ومن مشاهدها الكريمة أيضاً مولد ۰۰۰	إمام إبن جبيرؒ	٢٨٨
٤٤	۰۰۰ ويفتح في يوم مولد رسول اللہ تسليماً۔	إبن بطوطه	٢٨٩
٤٥	و يستجاب الدعآء في مولد النبي ۰۰۰	قطب الدين حنفيؒ	٢٩٠
٤٦	جرّت العادة بمكة في ليلة الثاني عشر ۰۰۰	جارُ الله بن ظهيرةؒ	٢٩١
٤٧	والعقيقة لا تعاد مرّةً ثانيةً ۰۰۰	إمام سيوطيؒ	٣١٢
٤٨	وقدروى أبولهبٍ بعدموته في النّوم ۰۰۰	شيخ عبداللہ نجدى	٣١٤
٤٩	فإذا كان هذا أبولهب الكافر الذى ۰۰۰	إمام إبنِ جوزيؒ	٣١٥
٥٠	دریں جا سند است اہل موالید را کہ ۰۰۰	عبدالحق دهلويؒ	٣١٥
٥١	فإذا كان أبولهب الكافر الذى نزل ۰۰۰	إمام إبن الجزريؒ	٣١٦
٥٢	وقد ظهر لي تخريجها على أصلٍ ثابتٍ ۰۰۰	إبنِ حجر عسقلانيؒ	٣١٩
٥٣	ما ورد في عقيقة النبي عن نفسه ۰۰۰	إمام سيوطيؒ	٣٢٠
٥٤	قدصحّ أنّ أبالهبٍ يخفف عنه عذاب ۰۰۰	شمس الدين دمشقيؒ	٣٢٣
٥٥	۰۰۰ كان يجوزبالمكتب في اليوم ۰۰۰	إمام الأدفويؒ	٣٢٤
٥٦	إستمرّبعد القرون الثّلاثة التي شهد ۰۰۰	إمام زرقانيؒ	٣٢٥
٥٧	وإنّماحدث بعدها بالمقاصد الحسنة ۰۰۰	إمام سخاويؒ	٣٢٧
٥٨	كيف كان ملوك الأندلس يحتلفون ۰۰۰	إمام سخاويؒ	٣٣٠
٥٩	وأمّاالعجم فمن حيث دخل هذاالشّهر ۰۰۰	إمام سخاويؒ	٣٣٠
٦٠	وإما أهل مكة معدن الخيروالبركة ۰۰۰	إمام سخاويؒ	٣٣٣
٦١	ولأهل المدينة كثّرهم اللهبه إحتفال ۰۰۰	إمام سخاويؒ	٣٣٤
٦٢	ينبغي أن يقتصرفيه على مايفهم الشّكر ۰۰۰	ملاّ علي قاريؒ	٣٣٦
٦٣	لايزال أهل الحرمين الشريفين والمصر ۰۰۰	إمام إبنِ جوزيؒ	٣٣٧

نمبر شمار	أطراف الأقوال	صاحبِ قول	صفحه
۱۲۷	هذا التّشبيهات الواردة فى حقّه ۰ ۰ ۰	إمام قُسطلانیؒ	۵۷۷
۱۲۸	مرا در تکلم در احوال وصفات ذات ۰ ۰ ۰	عبدالحق دهلویؒ	۵۷۷
۱۲۹	إنّما أنا عبد مثلك وأنت كريم على ربك ۰ ۰ ۰	سيدنا جبرائيلؑ	۵۸۳
۱۳۰	والأنسب بهذا المقام فى تحقيق ۰ ۰ ۰	إمام ملاّ على قاریؒ	۵۸۷
۱۳۱	الضّحىٰ بوجهه ﷺ والّيل بشعره ﷺ	إمام قُسطلانیؒ	۵۸۵
۱۳۲	هل أحد المذكرين فسرّ الضُّحىٰ ۰ ۰ ۰	إمام رازیؒ	۵۸۵
۱۳۳	لا إستبعاد ممّا يذكره الواعظ من ۰ ۰ ۰	إمام نيشاپوریؒ	۵۸۵
۱۳۴	ومن النّاس من فسرّ الضُّحىٰ بوجهه ۰ ۰ ۰	إمام آلوسیؒ	۵۸۶
۱۳۵	اشارتست بروشنی روئے ۰ ۰ ۰	إمام إسمٰعيل حقیؒ	۵۸۶
۱۳۶	مراد از ضحی روئے پیغمبر است ۰ ۰ ۰	عبدالعزيز دهلویؒ	۵۸۶
۱۳۷	ووجه التّشبيه حسن الوجه وصفاء ۰ ۰ ۰	محدّث المناویؒ	۵۸۸
۱۳۸	عبارةٌ عن الجمال البارع وحسن ۰ ۰ ۰	إمام نوویؒ	۵۸۸
۱۳۹	اما وجه شریف وے ﷺ ۰ ۰ ۰	عبدالحق دهلویؒ	۵۸۹
۱۴۰	مثل القمر المستدير الذى هو أنور ۰ ۰ ۰	إبراهيم بيجوریؒ	۵۹۲
۱۴۱	فنور وجهه ذاتیٌّ لاينفكّ عنه ساعةً ۰ ۰ ۰	إمام ملاّ على قاریؒ	۵۹۳
۱۴۲	لأنّ القمر يؤنس كلّ من شاهده ۰ ۰ ۰	حافظ إبن دحيهؒ	۵۹۴
۱۴۳	إنمّا أثر القمر بالذكر دون الشّمس ۰ ۰ ۰	شيخ ابراهيمؒ	۵۹۵
۱۴۴	أى يشرق نوره إشراقاً كإشراق ۰ ۰ ۰	إمام ملاّ على قاریؒ	۵۹۶
۱۴۵	إنّه كان إذا سرّ فكان وجه المرأة ۰ ۰ ۰	إمام إبن الأثيرؒ	۵۹۶
۱۴۶	إنّ وجهه كان شديد النور ۰ ۰ ۰	إمام زرقانیؒ	۵۹۶
۱۴۷	ممّا أكرم الله سبحانه به نبيّه ۰ ۰ ۰	إمام ملاّ على قاریؒ	۶۰۲

أشعار

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
۱	إذا إجتمعت يوماً قريش لمفخر فعبد مناف سرّها و صميماً	ابو طالب	۱۱۸
۲	و ينقل أحد نوراً عظيماً تلألأ في وجوه السّاجدينا	شمس الدّينؒ	۱۱۸
۳	و ما زال عدنان إذا عدّ فضله توحّد فيه عن قرين و صاحب	= = =	۱۳۲
۴	و كان معد عدّه لوليه إذا خاف من كيد العدوّ المحارب	ابو العبّاس	۱۳۵
۵	و قريش هى التى تسكن البحر بها سُمّيت قريش قريشاً تاكل الغث والسمين ولا تترك فيه لذى الجناحين ريشاً	شمرخ بن عمرو	۱۴۳
۶	هٰكذا في البلاد حيّ قريش يأكلون البلاد أكلاً كميشا	شمرخ بن عمرو	۱۴۳
۷	على غفلةٍ يأتي النبى محمد فيخبر أخباراً صدوق خبيرها	كعب بن لوى	۱۴۶

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
۸	یالیتنی شاهداً نجوآء دعوته حین العشیرة تبغی الحق خذلانا	کعب بن لوی	۱٤۷
۹	کانت قریش بیضةً فتفلقت فالمح خالصةٌ لعبد مناف	===	۱٥٤
۱۰	عمرو الذی هشم الثرید لقومه قوم بمکة مسنتین عجاف	===	۱٦۳
۱۱	عفا جانب البطحآء من ابن هاشم و جاور لحداً خارجاً فی الغماغم	سیده آمنہؓ	۱۸۹
۱۲	موسی ز ہوش رفت بیک پرتو صفات	===	۱۹۷
۱۳	کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں	اقبالؒ	۱۹۷
۱٤	جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا	===	

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
۱۵	من قبلها طبت فی الظلال و فی مستودع حیث یخصف الورق	عبّاسؓ	۲۱۷
۱۶	و أحسن منك لم تر قطّ عینی و أجمل منك لم تلد النساء	حسّان بن ثابتؓ	۲۵۱، ۶۰۹
۱۷	فهو الذی تمّ معناه و صورته ثم أصطفاه حبیباً بارئ النّسم	بوصیریؒ	۲۵۲
۱۸	فاق النبیّن فی خلق و فی خُلق و لم یدانوه فی علمٍ و لا کرم	بوصیریؒ	۲۵۳
۱۹	حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری	= = =	۲۵۳، ۲۸۰
۲۰	تردی لمولودٍ أنارت بنوره جمیع فجاج الأرض بالشّرق و الغرب	= = =	۲۶۰
۲۱	خُلقت مبرآ من کل عیب کأنك قد خُلقت کما تشآء	حسّان بن ثابتؓ	۲۸۰

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
۲۲	جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں	حسن رضاؒ	۳۰٤
۲۳	إذا كان هٰذا كافراً جاء ذمّه و تبّت يداه فى الجحيم مخلّداً	شمس الدّينؒ	۳۲۳، ۳٦٥
۲٤	أمّا أخيامٌ فإنها كخيامهم و أرى نساء الحىّ غير نسّائهم	===	۳۳٤
۲٥	راح الأرواح فيما قاله مولىٰ أبوحمو من الشّعر قبل فيه من الأمداح	سيد أبوعبداللهؒ	۳٥۱
۲٦	إن إبن آمنة الأمين محمداً خير الأنام و خيرة الأخيار	هاتفِ غيبى	۳۷٥
۲۷	میرے یتیم جیسا اور نہ کوئی	===	۳۸۱
۲۸	يا رب إذ أعطيته فأبقه و أعله إلىٰ العلا و أرقه و أدحض أباطيل العدى بحقّه	سيدہ حليمہؓ	٤۰۰

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
۲۹	يا ربّنا أبق لنا محمداً حتىّ أراه يافعاً و أمرداً	شيماءً	٤٠٠
۳۰	چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا	أحمد رضاؒ	٤٠٥
۳۱	نبكى الفتاة البرّة الأمينة ذات الجمال العفّة الرّزينة	جنّات	٤٢٣، ٤٨٧
۳۲	يا ليتنى شاهداً فخواه دعوته إذا قريش تبغى الحقّ خذلانا	كعب بن لوى	٤٧٨
۳۳	لا هم إنّ المرء يمنع رحله فامنع رحالك لا يغلبنّ صليبهم و محالهم يوم حالك وانصر علىٰ آل الصّليب و عابديه اليوم آلك	عبدالمطّلبؓ	٤٨١
۳٤	تنقل أحمد نوراً عظيماً تلألأ فى جباه الساجديا	شمس الدّينؒ	٤٨٤، ٥٢٢

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
۳۵	حفظ الأله كرامةً لمحمد آباء الأنجاد صوناً لأسمه	شمس الدّین	٤٨٥
۳٦	بارك فيك الله من غلام يا إبن الذى منهم حومة الحمّام	سیده آمنہ	٤٨٦
۳۷	هذا جزآء الأمّ عن إرضاعه لكن جزآء الله منه أعظم	= = =	٤٩٨
۳۸	حبا الله للنّبى مزيد فضل على فضلٍ و كان به رؤفاً	شمس الدّین	٤٩٩
۳۹	آمنت إنّ أبا النّبى و أمّه أحياها الحىّ القدير البارئ	ہادئ غیب	٥٥٥
٤٠	غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است	غالب	٥٦٩
٤١	ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو آں کہ از خاکش بروید آرزو	إقبال	٥٧٠

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
٤٢	او برتر است کہ آید بخیال او را چناں کہ بجز خدا کسے نشناسد	عبدالحق دهلوی	٥٧٨
٤٣	ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست	===	٥٨٢
٤٤	مصحفے را ورق ورق دیدم ہیچ سورت نہ مثل صورت اوست	===	٥٨٨
٤٥	سوزنِ گمشدہ ملتی ہے تبسم سے ترے شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا	أحمد رضا	٥٩٧
٤٦	دیکھنے والے کہا کرتے ہیں اللہ اللہ یاد آتا ہے خدا دیکھ کہ صورت تیری	===	٥٠٨
٤٧	گزرے جس راہ سے وہ سیدِ والا ہو کر رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر	===	٦١٤
٤٨	ما ذا علىٰ من شمّ تربة أحمد ان لا يشم مدى الزّمان غواليا	فاطمة الزّهراء	٦١٧

نمبر شمار	أشعار	شاعر	صفحه
٤٩	بطيب رسول الله طاب نسيمها فما المسك و الكافور و الصّندل الرّطب	عبداللہ عطارؒ	٦١٨
٥٠	خاک طیبہ از دو عالم خوش تر است آں خنک شہرے کہ آں جا دلبر است	= = =	٦٢٠
٥١	اگر نہ واسطۂ روئے و موئے او بودے خدائے نہ گفتے قسم بہ لیل و نہار	شیخ سعدیؒ	٦٢٣

أعلام

أماكن و بلاد

أقوام و قبائل

کتابیات

نمبر شمار	کتاب	مصنف/ متوفی	مطبع/ سن إشاعت
١	القرآن الكريم	منزل من الله تعالىٰ	
٢	الصحيح البخاری	إمام محمد بن إسمٰعيل بخاریؒ، ٢٥٦ھ	قديمی كتب خانه كراچی، ١٣٨١ھ
٣	الصحيح لمسلم	إمام مسلم بن الحجاج القشيریؒ، ٢٦١ھ	قديمه كتب خانه كراچی، ١٣٧٥ھ
٤	جامع الترمذی	إمام محمد بن عيسیٰ ترمذیؒ، ٢٧٩ھ	فاروقی كتب خانه ملتان
٥	سنن النسائی	إمام أحمد بن شعيب النسائیؒ، ٣٠٢ھ	قديمی كتب خانه كراچی
٦	سنن أبوداؤد	إمام أبوداؤد سليمان بن اشعثؒ	مكتبه إمداديه ملتان، ١٣١٩ھ
٧	سنن ابن ماجه	إمام محمد بن يزيد قزوينیؒ، ٢٧٣ھ	أيچ أيم سعيد كمپنی كراچی
٨	مسند أحمد بن حنبل	إمام أحمد بن حنبلؒ، ٢٤١ھ	دارالفكر بيروت، ١٣٩٨ھ
٩	مستدرك حاكم	إمام أبوعبدالله محمد الحاكمؒ، ٤٠٥ھ	دارالباز للنشر والتوزيع مكة مكرمة
١٠	مشكوٰة المصابيح	محمد بن عبدالله خطيب التبريزیؒ، ٧٤٢ھ	قديمی كتب خانه كراچی، ١٣٦٨ھ
١١	شرح السنة	إمام حسين بن مسعود البغویؒ	المكتب الإسلامی بيروت، ١٩٨٣ء
١٢	صحيح ابن حبان	أمير علاؤالدين الفارسیؒ	المكتبة السلفية مدينة منورة، ١٩٧٠ء
١٣	السنن الكبریٰ	إمام أبوبكر أحمد بن حسين البيهقیؒ، ٤٥٨ھ	نشرالسنة ملتان
١٤	المعجم الأوسط	حافظ سليمان بن أحمد الطبرانیؒ، ٣٦٠ھ	مكتبة المعارف رياض، ١٩٨٥ء
١٥	فتح الباری	إمام ابن حجر عسقلانیؒ، ٨٥٢ھ	دارنشرالكتب الإسلامية لاهور، ١٩٨١ء
١٦	العرف الشذی	مولانا محمد أنور شاه كشميری	المكتبة الرحيمية ديوبند
١٧	مرقاة المفاتيح	ملاّ علی بن سلطان قاریؒ، ١٠١٤ھ	مكتبه إمداديه ملتان، ١٣٩٠ھ
١٨	لمعات التنقيح	شيخ عبدالحق محدث دهلویؒ، ١٢٥٢ھ	المكتبة المعارف العلمية لاهور، ١٩٧٠ء
١٩	أشعة اللمعات	شيخ عبدالحق محدث دهلویؒ، ١٢٥٢ھ	مكتبة نوريه رضويه سكهر، ١٩٧٦ء
٢٠	التفسير الكبير	إمام فخرالدين رازیؒ	دارالكتب العلمية
٢١	تفسير ابن كثير	إمام إسمٰعيل بن كثير القرشیؒ، ٧٧٤ھ	دارالمعرفة بيروت، ١٩٨٠ء
٢١	تفسير روح البيان	إمام إسمٰعيل حقیؒ، ١١٣٧ھ	مكتبه إسلاميه كوئٹه، ١٩٨٥ء
٢٣	تفسير روح المعانی	إمام سيد محمد آلوسیؒ، ١٢٧٠ھ	مكتبه إمداديه ملتان
٢٤	تفسير مدارك	إمام عبدالله بن أحمد بن محمود النسفیؒ	دار إحياء الكتب العربية مصر
٢٥	تفسير مظهری	قاضی محمد ثناء الله پانی پتیؒ، ١٢٢٥ھ	بلوچستان بك ڈپو كوئٹه
٢٦	فيوض القرآن	ڈاكٹر سيد حامد حسن بلگرامی	فيروز سنز لاهور، ١٩٨٩ء
٢٧	السيرة النبوية	إمام عبدالملك بن هشامؒ، ٢١٣ھ	مكتبه فاروقيه ملتان، ١٩٧٦ء
٢٨	السيرة النبوية	إمام إسمٰعيل بن كثيرؒ، ٧٧٤ھ	دارالمعرفه بيروت، ١٩٧١ء
٢٩	السيرة الحلبية	أمير برهان الدين الحلبیؒ، ١٠٤٤ھ	المكتبة الإسلامية بيروت

نمبر شمار	کتاب	مصنف/متوفی	مطبع/سن اشاعت
۳۰	إنسان العيون	علي بن برهان الدين الحلبي، ١٠٤٤ھ	مطبعة مصطفى البابي مصر، ١٩٦٤ء
۳۱	دلائل النبوة	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقيؒ، ٤٥٨ھ	دارالكتب العلمية بيروت، ١٩٨٠ء
۳۲	كتاب المغازي	محمد بن عمر بن واقد، ٢٠٧ھ	نشر دانش إسلامي، ١٤٠٥ھ
۳۳	المواهب اللدنية	إمام أحمد بن محمد القسطلانيؒ، ٩١١ھ	دارالمعرفة بيروت، ١٩٧٣ء
۳۴	شرح المواهب اللدنية	إمام أحمدبن عبدالباقي الزرقانيؒ، ١١٢٢ھ	دارالمعرفة بيروت، ١٩٧٣ء
۳۵	دلائل النبوة	إمام أبو نعيم بن عبدالله الأصبهانيؒ	حيدرآباد دكن، ١٩٥٠ء
۳۶	سبل الهدى والرشاد	إمام محمد بن يوسف الشاميؒ، ٩٤٢ھ	إحياء التراث قاهره، ١٩٩٠ء
۳۷	حجة الله على العالمين	إمام يوسف بن إسمعيل النبهانيؒ	مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد
۳۸	الأنوار المحمدية	إمام يوسف بن إسمعيل النبهانيؒ	مصر، ١٩٣٢ء
۳۹	الوفاء بأحوال المصطفىٰ	إمام عبدالرحمن إبن جوزيؒ، ٥٩٧ھ	مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد ١٩٧٧ء
۴۰	الروض الأنف	إمام عبدالرحمن السهيليؒ، ٥٨١ھ	مكتبه فاروقيه ملتان، ١٩٧٧ء
۴۱	محمد رسول الله ﷺ	الشيخ محمد رضا	دارالكتب العلمية بيروت، ١٤٠٦ھ
۴۲	فيوض الحرمين	شاه ولي الله محدث دهلويؒ، ١١٧٦ھ	مطبع سعيدى قرآن محل كراچى
۴۳	الدر الثمين	شاه ولي الله محدث دهلويؒ، ١١٧٦ھ	مطبع مجتبائى دهلى
۴۴	شرح الشفاء	ملا علي بن سلطان محمد القاريؒ	١٣٠٩ھ
۴۵	نسيم الرياض	علامه شهاب الدين خفاجيؒ	مدينه منوره
۴۶	الشمائل المحمدية	أبو عيسىٰ محمد بن سوره الترمذيؒ	دارالعلم جده
۴۷	جمع الوسائل	ملا علي بن سلطان محمد القاريؒ	دارالمعرفه بيروت
۴۸	الجامع اللطيف	جمال الدين محمد بن جارالله، ٩٨٥ھ	
۴۹	مدارج النبوة	شيخ عبدالحق محدث دهلويؒ، ١٠٥٢ھ	مكتبه نوريه رضويه سكهر
۵۰	كشف الغمة	إمام عبدالوهاب شعرانيؒ	مصر
۵۱	جواهر البحار	محمد يوسف بن إسمعيل النبهانيؒ	
۵۲	الإتحافات الربانية	أحمد عبدالجواد الدوميؒ	مصر
۵۳	الطبقات الكبرى	إمام محمد إبن سعدؒ، ٢٣٠ھ	دارالطباعة بيروت، ١٣٩٨ھ
۵۴	الأنساب الأشراف	أحمد بن يحيٰ بلاذريؒ	دارالمعارف مصر
۵۵	حسن المقصد في عمل المولد	إمام جلال الدين سيوطيؒ، ٩١١ھ	دارالمعرفة بيروت
۵۶	حول الإحتفال	سيد محمد بن علوي بن عباس المالكي	المكة المكرمة
۵۷	العقد الفريد		
۵۸	نشر الطيب	مولانا أشرف علي تهانوي، ١٣٦٢ھ	تاج كمپني لميٹڈ كراچى

نمبر شمار	کتاب	مصنف/ متوفی	مطبع/ سن إشاعت
۵۹	مختصر سیرۃ الرسول	عبداللہ بن محمد نجدی، ۱۲۴۲ھ	المکتبۃ السلفیۃ لاھور، ۱۹۷۹ء
۶۰	الحاوی للفتاوی	إمام جلال الدین سیوطیؒ، ۹۱۱ھ	مطبعۃ السعادۃ مصر، ۱۹۵۹ء
۶۱	الفتاویٰ الحدیثیۃ	إمام شہاب الدین ابن حجر مکیؒ، ۹۷۷ھ	مطبع مصطفیٰ البابی مصر، ۱۳۵۲ھ
۶۲	فتاویٰ عبدالحیٔ	مولانا عبدالحی لکھنویؒ، ۱۳۰۴ھ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۳۷۳ھ
۶۳	فتاویٰ مظہری	مفتی محمد مظہر اللہ دہلویؒ	کراچی
۶۴	إقتضاء الصراط المستقیم	إمام ابن تیمیہ، ۷۲۷ھ	مکتبہ سلفیہ لاھور، ۱۳۹۸ھ
۶۵	ما ثبت من السنۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ، ۱۰۵۲ھ	إدارہ نعیمیہ رضویہ لاھور
۶۶	مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ	إمام جلال الدین سیوطیؒ	
۶۷	البدایۃ والنہایۃ	إمام إسمٰعیل بن کثیر القرشیؒ، ۷۷۴ھ	مکتبۃ المعارف بیروت، ۱۹۷۷ء
۶۸	الکامل فی التاریخ	إمام أبوالحسن بن أثیرؒ، ۶۳۰ھ	دار صادر بیروت، ۱۳۹۹ھ
۶۹	تاریخ دمشق الکبیر	إبن عساکر علی بن الحسنؒ، ۵۷۱ھ	دار المسیرۃ بیروت، ۱۹۷۹ء
۷۰	تاریخ الإسلام	الدکتور حسن إبراھیم حسن	دار إحیاء التراث بیروت، ۱۹۶۴ء
۷۱	التاریخ القویم	محمد طاھر الکردی المکیؒ	مکتبۃ النھضۃ الحدیثیۃ بمکۃ المکرمۃ
۷۲	تاریخ الیعقوبی	أحمد بن أبی یعقوب بن جعفر العباسیؒ	دار صادر بیروت
۷۳	تاریخ الخمیس	إمام حسین بن محمد الدیار بکریؒ	مؤسسۃ شعبان بیروت، ۱۲۸۳ھ
۷۴	مروج الذھب	علی بن حسین بن علی المسعودیؒ، ۳۴۶ھ	دارالھجرت قم ایران، ۱۹۸۴ء
۷۵	کتاب المحبر	محمد بن حبیب البغدادیؒ، ۲۴۵ھ	دار نشر الکتب الإسلامیۃ لاھور
۷۶	مطالع البدور	الغزولیؒ	
۷۷	معجم البلدان	إمام شہاب الدین یاقوت الحمویؒ، ۶۲۶ھ	دار إحیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۷۹ء
۷۸	آثار البلاد	إمام محمد بن یزید قزوینیؒ، ۲۷۳ھ	
۷۹	فی رحاب البیت الحرام	السید محمد بن علوی بن عباس المالکی	المکۃ المکرمۃ، ۱۹۰۵ء
۸۰	شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام		
۸۱	أم القریٰ المکۃ المکرمۃ	فواد علی رضا	بیروت
۸۲	أخبار مکۃ	أزرقیؒ	
۸۳	مھذب رحلۃ إبن بطوطۃ	أحمد العوامری	مصر، ۱۳۳۳ھ
۸۴	رحلۃ ابن جبیر	أبوالحسین محمد بن أحمد جبیر، ۶۱۴ھ	شارع مشھد الحسینی مصر
۸۵	المفردات	إمام راغب إصفہانیؒ، ۵۰۲ھ	نور محمد کارخانہ کراچی
۸۶	لسان العرب	إمام أبوالفضل جمال الدین	بیروت

نمبر شمار	کتاب	مصنف/متوفی	مطبع/سن إشاعت
۸۷	کتاب الإشتقاق		
۸۸	دیوان حسانؓ	حضرت حسان بن ثابتؓ	بیروت
۸۹	قصیدہ بردہ	إمام شرف الدین بوصیریؒ	
۹۰	حدائق بخشش	إمام أحمد رضا خانؒ، ۱۹۳٤ء	شبیر برادرز لاہور، ۱۹۸۸ء
۹۱	کلیات اقبالؒ	علامہ محمد إقبالؒ، ۱۹۳۸ء	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۵ء